

سپاہ خوف

<http://www.pakfunplace.com>



<http://www.pakfunplace.com>

<http://www.pakfunplace.com>

اشتیاق احمد

بسم الله الرحمن الرحيم



محمود، قاروق، فرزانه اور انسپکٹر جمشید  
آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا اور  
شوکی بردارز کا مشترکہ ناول 653

سپاہِ خوف

اشتیاق احمد



## نوجوان

عامر جمالی نے اجنبی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا، پھر بولے۔  
 ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”تو میں مطلب پھر سے سمجھا دیتا ہوں۔“

”ہاں خدا کے لیے وضاحت کر دیں.... آپ کی بات سن کر میرا  
 دل زور زور سے دھڑکنے لگا ہے۔“

”دل تو خیر ابھی اور دھڑکے گا۔“

”اوہو.... کیا مصیبت ہے.... میں دل کا مریض ہوں۔“ وہ

چلائے۔

ساتھ ہی دروازے پر دستک ہوئی.... اور ایک بچی کی آواز سنائی

دی۔

”ڈیڈی خدا کے لیے.... زور سے نہ بولیں.... ڈاکٹر نے آپ کو

موتی سے ہدایت کی ہے۔“

”اوہ ہاں! یہی تو میں انہیں سمجھا رہا تھا بے بی۔“

”ان سے بھی ہم سب گھر کے افراد کی درخواست ہے.... کہ یہ



آرام سے بات کریں۔

”اوہ اچھا۔۔۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ مریض کے دل ہیں۔“  
اجنبی نے گڑبڑا کر کہا۔

”مریض کے دل نہیں، دل کے مریض۔“ باہر سے بچی کی آواز آئی۔

”اوہ ہاں۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔۔۔ جا کر اپنا اپنا کام کریں۔۔۔ میں اب انہیں اس حد تک پریشان نہیں کروں گا، کہ ان کا دل دھڑکنے لگے۔“ اجنبی نے جلدی جلدی کہا۔

”کیا آپ کسی حد تک ضرور پریشان کریں گے۔۔۔ آخر کیوں۔۔۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟“ لڑکی چلائی۔

”میں مجبور ہوں۔۔۔ بات ہی ایسی ہے کہ یہ کسی نہ کسی حد تک ضرور پریشان ہوں گے۔“

”تب پھر پہلے ڈاکٹر کو بلانے کی اجازت دیں۔۔۔ پھر بات کریں۔“  
بے بی نے کہا۔

”نہیں! کسی کو نہ بلائیں۔۔۔ میں کسی کی موجودگی میں بات نہیں کروں گا۔۔۔ اس لیے کہ بات خفیہ ہے اور اگر دوسروں کے سامنے کی گئی تو آپ لوگ کہیں کے نہیں رہیں گے۔۔۔ پورے شہر میں آپ کا مذاق اڑایا جائے گا۔“

”اوہ۔۔۔ آخر ایسی کیا بات ہے وہ۔“

”وی تو بتانے چلا ہوں۔۔۔ لیکن آپ لوگ دروازے کے پاس سے ہٹ جائیں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ ہم ہٹ جاتے ہیں۔“  
”میں ایک منٹ بعد ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر دیکھوں گا۔“

”اوہ اچھا۔“

دونوں نے جاتے قدموں کی آواز سنی۔  
”گھر کے افراد چلے گئے ہیں۔۔۔ آپ بات شروع کریں۔۔۔ میری پریشانی واقعی بڑھتی جا رہی ہے۔“

”اب مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ دل کے مریض ہیں۔“ اجنبی نے برا سامنہ بنایا۔

”خیر خیر۔۔۔ اب آپ بات شروع کریں۔“ وہ بولے۔

”آپ کا نام عامر جمالی ہے۔۔۔ آپ کے والد کا نام شاکر جمالی تھا، ان کے والد کا نام ذاکر جمالی تھا۔۔۔ یعنی آپ کے دادا ذاکر جمالی ایک بہت بڑے ڈاکو تھے۔۔۔ بہت بڑے۔۔۔ اور یہ آج سے سو سال پہلے کی بات ہے۔۔۔ وہ ڈاکے ڈالا کرتے تھے۔۔۔ انہوں نے کئی بنگ لوٹے۔۔۔ کئی دولت مند لوگوں کی تجویروں پر ہاتھ صاف کیا۔۔۔ اور اس طرح جمع کی ہوئی تمام کی تمام دولت وہ اپنے بیٹے شاکر کو دے کر مر گئے۔۔۔ شاکر صاحب نے اس دولت کو ضائع نہ کیا۔۔۔ اس سے ایک کارخانہ بنایا۔۔۔“



کپڑے کا کارخانہ.... بہت بڑا کارخانہ.... آپ کے والد نے کارخانہ کو ٹوب ترقی دی اور پورے ملک میں اس کا کپڑا ہاتھوں ہاتھ بکنے لگا.... ہر کوئی ذاکر مل کے نام کا کپڑا خریدنے لگا.... پھر شاکر صاحب بھی اللہ کو پیارے ہو گئے.... اور اب آپ اس کارخانے کے مالک ہیں.... آپ لاکھوں میں کھیل رہے ہیں.... آپ کو اندازہ نہیں کہ آپ کے پاس کتنی دولت ہے.... میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔

”آپ نے یہ بات غلط کہی کہ میرے دادا ایک ڈاکو تھے.... بلکہ بہت بڑے ڈاکو۔“ عامر جمالی بولے۔

”پہلی بات.... میرا نام جامد فراز ہے.... دوسری بات میں جب کوئی بات کرتا ہوں تو ثبوت کے بغیر نہیں کہتا۔“  
 ”نک.... کیا مطلب؟“ وہ چونکے۔  
 ”میرے پاس اس بات کے واضح ثبوت موجود ہیں.... کہ آپ کے دادا ایک بہت بڑے ڈاکو تھے۔“

”آخر کیا.... کیا ثبوت ہے آپ کے پاس۔“ وہ پھر چلائے۔  
 ایک بار پھر دروازے کی طرف قدموں کی آواز سنائی دی.... اور بے بی بولے۔

”ڈیڈی آپ پھر چلائے۔“  
 ”اوہ معاف کرنا بیٹی.... آپ جائیں.... اپنی امی اور بھائی کو بھی لے جائیں.... میں اب نہیں چلاؤں گا۔“

”کیا آپ وعدہ کرتے ہیں؟“  
 ”ہاں بالکل۔“ وہ بولے۔

”اچھی بات ہے! ہم جا رہے ہیں.... لیکن سامنے والے کمرے میں موجود ہیں.... جونہی آپ کی آواز بلند ہوگی.... ہم پھر آجائیں گے۔“  
 ”ہاں ہاں! میں سمجھتا ہوں.... آپ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔“ وہ بولے۔

اور انہوں نے جاتے قدموں کی آواز سنی۔

”ہاں تو آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے؟“  
 ”یہ فائل دیکھ لیں.... سو سال پہلے ڈالے جانے والے ان اگلیوں کی تفصیل.... جو آپ کے دادا نے ڈالے.... ان جگہوں سے ملنے والے اگلیوں کے نشانات.... غیرہ.... آپ کے پاس مل کے کاغذات موجود ہیں.... ان کاغذات میں ذاکر جمالی کی اگلیوں کے نشانات موجود ہیں.... آپ ان نشانات کو ملا کر دیکھ لیں.... پھر ان کاغذات میں ڈاکے التے ہوئے ان کی تصاویر بھی لی گئی ہیں.... ان تصاویر کو بھی دیکھ لیں۔“

عامر جمالی سکتے میں آ گئے.... انہوں نے تھر تھر کانپتے ہاتھوں سے فائل کے ایک ایک ورق کا جائزہ غور سے لیا.... ان کا جسم پسینہ پسینہ ہوتا چلا گیا.... تصاویر اور نشانات دیکھ کر انہیں بہت جلد یقین ہو گیا۔



گیا کہ جلد فراز نے جو کچھ کہا ہے.... درست ہے اور اس فائل میں موجود تمام ثبوتوں کو جھٹلایا نہیں جاسکتا.... آخر انہوں نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

”آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟“

”ایک معقول رقم ہر ماہ.... ورنہ یہ تمام کاغذات میں حکومت کو دے دوں گا۔ اور اس کے بعد آپ بالکل کنٹرول ہو جائیں گے۔۔۔ یہ ساری دولت اور کارخانہ اور یہ کوٹھی آپ سے چھن جائے گی۔۔۔ کیونکہ آپ نے ہاتھ سے کما کر یہ سب کچھ نہیں بنایا۔۔۔ یہ دوسروں کا لوٹا ہوا مال ہے۔“

”زن نہیں... نہیں“۔ وہ پھر چلا اٹھے.... خود پر قابو نہ رکھ سکے۔

ایک بار پھر دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔

”آپ نے پھر وعدہ توڑ دیا ڈیڈی۔“

”مجھے افسوس ہے بے بی۔۔۔ یہ آخری بار تھا۔۔۔ اب ایسا نہیں ہو گا۔“

”اوہ اچھا خیر۔“

وہ پھر چلے گئے۔۔۔ اب عامر جمالی نے جامہ فراز کی طرف دیکھا۔

”اچھی بات ہے۔۔۔ آپ کتنی رقم ہر ماہ چاہتے ہیں؟“

”ایک کروڑ روپے ماہانہ“۔

”نن نہیں۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ بہت زیادہ ہے۔“

”تب یہ فائل حکومت کو دے دی جائے گی۔“

”مجھے سوچنے کی مہلت دیں۔“

”ہاں ضرور۔۔۔ کیوں نہیں میں جا رہا ہوں۔۔۔ آپ کو تین دن بیٹا ہوں۔۔۔ سوچنے کے لیے۔۔۔ اس کے بعد اگر پہلی قسط نہ ملی تو میں اپنا کام شروع کر دوں گا۔۔۔ پھر آپ کرائے کے مکان میں رہ کر محنت مزدوری کرتے نظر آئیں گے۔۔۔ کیونکہ باپ کی طرف سے ملنے والے کارخانے کی وجہ سے آپ اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کر سکے تھے۔۔۔ آپ تو میٹرک میں بھی فیل ہو گئے تھے۔۔۔ اور آپ نے پاس ہونے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔۔۔ آپ نے کہا تھا۔۔۔ مجھے میٹرک کرنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔۔۔ میرے والد کا تو کارخانہ ہے۔۔۔ سب کچھ ہے۔۔۔ لہذا آپ نے نہیں پڑھا تھا۔۔۔ گویا کوئی اچھی ملازمت آپ کو نہیں ملے گی۔۔۔ ہو سکتا ہے کپڑے کے کسی کارخانے میں مزدور کی نوکری آپ کو مل جائے۔۔۔ کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ ایک کروڑ ہر ماہ مجھے دیتے ہائیں۔۔۔ اور خود بھی عیش کرتے رہیں۔۔۔“ اس نے جلدی جلدی کہا۔

”ہاں۔۔۔ میں تین دن بعد بتاؤں گا۔“

”او کے.... اب میں چلتا ہوں.... ان باتوں کے بارے میں آپ

لہر کے افراد تک سے ذکر نہ کریں.... کیونکہ ایک بار بات زبان سے

مل گئی تو پھر پورے شہر میں گشت کرے گی۔



”ہوں اچھا.... ٹھیک ہے.... میں سمجھتا ہوں۔“

حامد فراز نے اٹھ کر بیرونی دروازہ کھولا اور باہر چلا گیا.... و فائل ساتھ لے جاتا نہیں بھولا تھا.... اس کے جانے کے بعد بھی کتنی دیر تک عامر جمالی بت کی طرح ساکت بیٹھے رہے.... انہیں اپنا دماغ گھومتا محسوس ہو رہا تھا.... اور پھر انہوں نے قدموں کی آواز سنی.... انہوں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا.... اور بولے۔

”وہ جا چکا ہے.... آپ آسکتے ہیں۔“

”یہ کون تھا ڈیڈی؟“

”میں نہیں جانتا.... میرے لیے اجنبی تھا۔“

”اس نے آپ سے آخر کیا باتیں کیں.... آپ حد درجے

پریشان لگ رہے ہیں؟“

”آپ لوگوں کو کچھ بتا نہیں سکتا.... اور آپ کے حق میں کچھ

یہی بہتر ہے کہ آپ کچھ نہ پوچھیں.... پریشانیوں سے بچنے اور مجھے بچانے کا بس یہی طریقہ ہے۔“

”ہوں اچھا.... خیر.... آپ بس خوش رہیں.... پریشان نہ رہیں۔“

بے بی.... اس کا بھائی اور بیگم عامر وہاں سے ہٹ آئے....

اب تک سوچ میں گم تھے۔

دوسرے کمرے میں بے بی اور خالد داخل ہوئے تو ابے بی۔

کہا۔

”کوئی بہت زیادہ پریشانی والی بات ہو گئی ہے.... سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں؟“

”جب تک ڈیڈی کچھ بتائیں گے نہیں.... ہمیں کیا پتا چلے گا؟“

”ہاں! یہی بات ہے.... لیکن میرے ذہن میں ایک ترکیب

”اور وہ کیا؟“

”یہ کہ ہم محمود، فاروق اور فرزانه سے مدد لیں.... آخر وہ

ہمارے کلاس فیلو ہیں۔“

”ہو سکتا ہے.... ڈیڈی اس بات کو پسند نہ کریں۔“ خالد نے

کہا۔

”ہم ڈیڈی کو کچھ بتائیں گے ہی کیوں؟“

”تو ٹھیک ہے.... میں فون کرتا ہوں۔“

”پہلے دروازہ اندر سے بند کر لیتے ہیں.... تاکہ ڈیڈی یا امی کو پتا

نہ چلے۔“

”ٹھیک ہے۔“

دروازہ بند کر کے خالد نے انپکٹر جمشید کے نمبر ملائے.... جلد ہی

اس نے محمود کی آواز سنی۔

”محمود صاحب! میں خالد بات کر رہا ہوں.... آپ کا کلاس



فیلو۔

”اوہ اچھا۔۔۔ السلام علیکم۔“ محمود نے فوراً کہا۔

”وعلیکم السلام۔۔۔ ہم ایک پراسرار پریشانی میں گھر گئے ہیں۔ کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں؟“

”ہاں ضرور کیوں نہیں۔ کیا کہا۔۔۔ پراسرار پریشانی؟“ محمود نے چونک کر کہا۔

”کیوں۔ کیا بات ہے؟“

”کک۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔ مجھے خیال گزرا تھا کہ میں فاروق سے بات کر رہا ہوں۔“

”یہ۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ آپ تو الٹا مجھے پریشان کرنے لگے۔“ خالد نے گھبرا کر کہا۔

”لوہ ہاں واقعی۔۔۔ مجھے افسوس ہے۔۔۔ اس بات کا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔ خیر آپ بتائیں۔۔۔ وہ پریشانی کیا ہے۔۔۔ کیسی ہے؟“ محمود نے جلدی سے کہا۔

”میں فون پر تو نہیں بتا سکتا۔۔۔ دوسرے سیٹ پر اگر ابو نے بات چیت سن لی تو اور مشکل ہو جائے گی۔“

”کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے گھر آجائیں؟“

”ہاں! لیکن ڈیڈی کو یہ پتا نہ چلے کہ آپ کیوں آئے ہیں۔۔۔ آپ ہمارے کلاس فیلو ہیں۔۔۔ لہذا آپ ملنے کے لیے آہی سکتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ میں سمجھ گیا۔۔۔ ہم تھوڑی دیر تک پہنچ جائیں گے۔۔۔ کوئی فوری خطرہ تو محسوس نہیں کر رہے آپ۔۔۔ کیونکہ اس

صورت میں ہم جلدی بھی آسکتے ہیں؟“

”نہیں۔۔۔ ایسی بات نہیں۔“

”تب ٹھیک ہے۔۔۔ السلام علیکم۔“

محمود نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا اور فاروق کی طرف مڑا۔

”عامر جمالی صاحب کا بیٹا خالد تھا فون پر۔۔۔ اس کے والد کی اسرار پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور وہ ہم سے مدد چاہتا ہے۔“

”یہ تو اچھی بات ہے۔“ فاروق بولا۔

”کون سی بات اچھی ہے۔۔۔ یہ کہ وہ پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں؟“

”نہیں۔۔۔ یہ کہ اس نے ہمیں مدد کے لیے بلایا ہے۔“

”عامر جمالی ایک بہت بڑی کپڑے کی مل کے مالک ہیں۔۔۔ ان کی کاپڑا پورے ملک میں پسند کیا جاتا ہے۔۔۔ دولت کی بے تحاشا ریل ہے۔۔۔ ان حالات میں وہ کسی بھی پریشانی میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔۔۔ میں اس میں الجھن والی بات یہ ہے کہ خود انہوں نے ہم سے رابطہ کیا۔۔۔ ان کے بچوں نے کیا ہے۔۔۔ وہ بھی ان سے چھپ کر۔۔۔ گویا خود ایسی کوئی مدد نہیں چاہتے۔۔۔ یہ بات ہمارے راستے میں مشکلات کی کرے گی۔“ محمود نے جلدی جلدی کہا۔



”حد ہو گئی.... ابھی ہم وہاں گئے نہیں اور مشکلات کھڑی ہونے لگیں۔“ فرزانہ نے منہ بنایا۔

”اباجان ابھی دفتر سے نہیں آئے.... لہذا ہمیں ان کے آنے تک رک جانا چاہیے.... ان سے مشورہ کر کے جائیں گے۔“

”لیکن اس میں مشورے کی کیا ضرورت.... ہمیں تو ابھی معاملہ ہی معلوم نہیں۔“ فاروق نے کہا۔

”اوہ ہاں.... یہ تو ہے.... ویسے میرا خیال ہے.... یہ کوئی انٹیکس کا مسئلہ ہو گا۔“

”انکم ٹیکس کا مسئلہ.... نہیں.... اس قدر بڑے اور دولت مند لوگ ایسے کام انکم ٹیکس کے وکیلوں کے ذریعے کراتے ہیں.... وہ کو پریشانی مول نہیں لیتے۔“

”تب پھر اباجان کو آلینے دو.... ان سے بات کر کے ہم وہاں جائیں گے۔“

پھر پانچ بج گئے.... اور انسپکٹر جمشید نہ آئے.... محمود نے دفتر کیا.... لیکن وہاں سے پتا چلا کہ ٹھیک وقت پر دفتر سے گھر کے روانہ ہوئے ہیں۔

”یہ ایک اور پریشانی۔“ محمود کے منہ سے نکلا۔  
”کوئی بات نہیں.... ہو سکتا ہے.... راستے میں کوئی کام ہو.... کسی نے راستے میں روک لیا ہو۔“

”ان حالات میں بھی پہلا کام وہ یہ کرتے ہیں کہ ہمیں فون کر کے بتا دیتے ہیں۔“ فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔  
”چند منٹ تک نہ آئے تو پھر ہم گھر سے نکلیں گے.... ان کی تلاش میں۔“

اور جب وہ نہ پہنچے تو تینوں اپنی کار میں گھر سے نکلے اور دفتر تک پہنچ گئے.... لیکن ان کا راستے میں بھی کوئی پتا نہ چلا.... راستے میں کسی حادثے کے آثار بھی نظر نہ آئے.... آخر محمود نے ان کے موبائل کے نمبر ڈائل کیے.... جلد ہی ان کی آواز سنائی دی۔

”ٹھیک ہے محمود.... میں ذرا مصروف ہوں.... فون نہیں کر سکا.... ایک گھنٹے تک پہنچ جاؤں گا۔“

”ہمیں ایک جگہ جانا پڑ گیا ہے۔“  
”عامر جمالی صاحب کے گھر؟“

انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر پوچھا.... اور وہ دھک سے رہ گیا۔  
○☆○



## تصویر

”آپ.... آپ کو کیسے پتا چلا.... کیا امی جان سے فون پر بات کی ہے آپ نے۔“

”نہیں.... ان سے میری کوئی بات فون پر نہیں ہوئی۔“ وہ ہنسے۔

”تب پھر.... آپ کو کیا پتا۔“

”بس دیکھ لو.... ویسے تم ادھر ہو آؤ۔“

”اور آپ ہمیں کچھ نہیں بتائیں گے۔“

”ابھی نہیں.... ابھی بہت کام باقی ہے۔“

”جی.... کیا مطلب.... ابھی بہت کام باقی ہے۔“

”ہاں.... بہت کام باقی ہے۔“

”پتا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں.... خیر گھر پر بات ہو گی.... ہم

فی الحال جا رہے ہیں۔“

”ضرور جاؤ.... میں دیکھنا پسند کروں گا کہ تم وہاں جا کر کیا کرتے

ہو۔“

”ٹھیک ہے ابا جان۔“

اور پھر وہ اپنی کار میں گھر سے نکلے.... عامر جمالی کی کوٹھی ان کی دیکھی بھالی تھی.... پہلے بھی دو تین بار جانے کا اتفاق ہوا تھا.... ملازم نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا.... اور چلا گیا.... ایسے میں عامر جمالی اس طرف سے گزرے.... اور انہیں دیکھ کر چونکے۔

”اوہ! آپ لوگ.... آپ یعنی کہ۔“ وہ بس اتنا کہہ سکے۔

”کیوں انکل.... کیا بات ہے؟“ محمود نے فوراً کہا.... تینوں انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے.... عامر جمالی کوئی جواب دیے بغیر کمرے میں چلے آئے۔

”آپ تینوں کو دیکھ بہت حیرت ہو رہی ہے۔“

”اس میں حیرت کی کیا بات ہے انکل.... ہم آپ کے بچوں کے کلاس فیلو ہیں آخر۔“ فاروق نے برا سامنہ بنایا۔

”ہاں! یہی بات ہے.... لیکن نہ جانے کیوں حیرت محسوس ہو رہی ہے۔“

”خیر.... کوئی بات نہیں.... تشریف رکھئے۔“

”شکریہ۔“ انہوں نے کہا اور ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

”ہم آپ کے چہرے پر الجھن کے آثار دیکھ رہے ہیں انکل.... خیر تو ہے؟“

”کاروباری لوگ عام طور پر پریشان ہی رہتے ہیں.... لہذا آپ کوئی خیال نہ کریں۔“



”اگر کوئی خاص بات ہے تو ہم مدد کر سکتے ہیں؟“

”نہیں.... ایسی کوئی بات نہیں۔“

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی.... انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا.... خالد اور بے بی چلے آ رہے تھے.... لیکن جونہی انہوں نے اپنے والد کو وہاں دیکھا.... وہ پریشان ہو گئے۔

”آئیں بھی آئیں.... میں تو اس طرف سے گزر رہا تھا.... کہ ان لوگوں کو دیکھ کر رک گیا.... اب آپ ان کے پاس بیٹھیں.... باتیں کریں.... میں چلا.... اور ہاں.... خانماں سے چائے وغیرہ کے لیے کہہ آئے ہو یا میں کبوں جا کر۔“

”ہم کہہ آئے ہیں۔“ خالد مسکرایا۔

”تب انہیں روک دیں.... ہم چائے نہیں پیئیں گے۔“

”لیکن کیوں.... آپ کے چائے پینے کا وقت ابھی نہیں ہوا“ میں

جانتا ہوں۔“

”ہاں! یہ تو خیر ہے۔“

”تب تو پھر چائے چلے گی۔“ عامر جمالی نے ہنس کر کہا اور چلے

گئے۔

خالد نے فوراً ”دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

”ہمارے والد کسی بہت بڑی پریشانی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔“

”اس کا اندازہ تو ان کی طرف ایک نظر دیکھتے ہی ہو گیا ہے

”ہیں.... آپ وضاحت کریں۔“

خالد نے اجنبی کے آنے اور ان سے ملاقات کرنے کا حال بیان

کیا.... اور پھر اس نے کہا۔

”ہم ان کے درمیان ہونے والی گفتگو تو سن نہیں سکے.... اس

لئے کہ وہ ہمیں دروازے کے پاس رکنے ہی نہیں دے رہے تھے....

لیکن بات چیت کے دوران ڈیڈی کئی بار بلند آواز میں چلائے تھے....

بب کہ وہ دل کے مریض ہیں اور ڈاکٹر نے انہیں چیخ چلا کر بات کرنے

سے منع کر رکھا ہے۔“

”اوہ اچھا.... اجنبی کا نام.... حلیہ.... یہ تو آپ بتا ہی سکیں

گے۔“

”نام نہیں معلوم.... کیونکہ نام اس نے ڈیڈی کو بتایا ہو گا۔“

”ہوں.... اچھا خیر.... حلیہ وغیرہ۔“

”وہ چالیس سال کی عمر کا آدمی تھا.... چہرہ گول.... آنکھیں

گول.... ناک گول.... غرض اس کے جسم کو دیکھ کر دنیا کے گول ہونے

کا احساس ہوتا تھا۔“ بے بی نے جلدی جلدی کہا۔

”بہت خوب! جملہ پسند آیا.... حلیہ معلوم ہوا.... آپ کو اس

بات کے بارے میں کوئی اندازہ بھی نہیں۔“

”بالکل نہیں۔“

”اچھی بات ہے.... لیکن خالد صاحب! جہاں تک مجھے معلوم



”وہ ہمیں ڈانٹیں گے۔“

”ان کا ڈانٹنا ذرا سی دیر کا ہو گا۔۔۔ جب کہ وہ ساری زندگی کے لیے پریشانی میں گھر سکتے ہیں۔“

”کک۔۔۔ کیا مطلب؟“

”ابھی ہم مطلب تو بتا نہیں سکتے۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ آئیں۔۔۔ ہم آپ کو ان سے ملواتے ہیں۔“

وہ انہیں اپنے والد کے کمرے میں لے آئے۔

”آئیں بھی آئیں۔“ وہ بولے۔

”شکریہ انگل۔۔۔ ہم آپ کی پریشانی کی وجہ معلوم کر سکتے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”آپ بہت پریشان ہیں۔۔۔ چہرے سے پریشانی ٹپک رہی ہے۔۔۔“

”آخر آپ کیوں پریشان ہیں؟“

”کاروباری لوگوں کو پریشانیاں ہوتی ہی رہتی ہیں۔۔۔ یہ کوئی نئی

بات نہیں۔“

”لیکن اس وقت کوئی خاص بات لگتی ہے۔“ محمود نے کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔ کیا خالد اور بے بی نے آپ سے کچھ کہا ہے؟“

”اگر کہا بھی ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے۔“

”اوہ۔۔۔ تو آپ نے انہیں اس اجنبی کے بارے میں بتا دیا

ہے؟“

ہے۔۔۔ آپ ڈرائنگ میں بہت ماہر ہیں۔۔۔ کیا آپ اس اجنبی کا چہرہ یاد کر دکھا سکتے ہیں۔“

”میرا خیال ہے۔۔۔ میں بنا سکوں گا۔“

”تو مہربانی فرما کر چہرہ بنائیں۔“

”اچھی بات ہے۔“

خالد کاغذ پنسل لے کر بیٹھ گیا اور بہت تیزی سے تصویر بنانے

لگا۔۔۔ ایسے میں دروازے پر دستک ہوئی۔۔۔ بے بی نے دروازہ کھولا اور

چائے کی ٹرے لے آئی۔۔۔ وہ چائے پینے لگے۔۔۔ جب کہ خالد تصویر

بناتا رہا۔۔۔ آخر اس نے اپنا کام مکمل کر لیا اور تصویر ان کے سامنے رکھ

دی۔

”اس کی شکل ننانوے فیصد ایسی تھی۔“

”بہت خوب! خالد صاحب۔۔۔ آپ بہت بڑے آرٹسٹ بن سکتے

ہیں۔“

”شکریہ۔“ وہ بولا اور مسکرانے لگا۔

ادھر وہ اس تصویر کو غور سے دیکھ رہے تھے۔۔۔ لیکن خوب غور

کرنے پر بھی انہیں یاد نہ آ سکا کہ اس شکل و صورت کے انسان کا

کہیں دیکھا ہے یا نہیں۔۔۔ گویا وہ چہرہ ان کے لیے اجنبی تھا۔

”شاید انگل اکرام اس کے بارے میں کچھ بتا سکیں۔“

”ہم انگل سے کیوں نہ بات کریں۔“



”گویا آپ ہم سے اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں چاہتے۔“

”نہیں۔“ وہ بولے۔

”آپ کی مرضی.... لیکن اگر زندگی میں کبھی بھی.... کسی مرحلے

پہنچی آپ کو ہماری مدد کی ضرورت محسوس ہو تو آپ ہمیں فون کر سکتے ہیں۔“ وہ بولے۔

”اچھی بات ہے۔“

وہ وہاں سے پھر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

”وہ کچھ بتانے کو تیار نہیں ہیں.... یا تو اس اجنبی نے انہیں کوئی ہتھیار دی ہے کہ اس کے بارے میں کچھ نہ بتائیں.... یا پھر کوئی اور

شخص ہے.... بہر حال جو بات بھی ہے.... اب ہمیں خود ہی اس اجنبی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہوں گی.... اس لیے اب ہم چلتے ہیں....

میں اپنے ریکارڈ روم تک جانا ہو گا.... تاکہ اس شکل و صورت کے آدمی کو ریکارڈ میں تلاش کریں.... اگر یہ وہاں مل گیا تو پھر ہمارا کام

سناں ہو جائے گا.... ورنہ ہمیں نہ جانے کتنے پارڈ بیلنا پڑیں گے۔“

”آپ کو ہماری وجہ سے پریشانی ہو گی اس طرح۔“ خالد بولا۔

”نہیں! یہ تو ہمارا کام ہے.... آپ پریشان نہ ہوں.... ہاں آپ کے ذہن پر یہ کام ہے کہ اگر اجنبی دوبارہ آئے تو ہمیں فوری طور پر خبر کر

”جی ڈیڈی.... ہم سے آپ کی پریشانی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔“

”تب پھر.... میں کیا کروں؟“

”اس اجنبی کے بارے میں بتا دیں.... اس کا نام پتا بتا دیں۔“

”افسوس! میں کچھ نہیں جانتا۔“

”یہ دیکھیں.... کیا وہ ایسی ہی شکل و صورت کا آدمی تھا۔“

حمود نے خالد کی بنائی ہوئی تصویر ان کے سامنے رکھ دی۔

”یہ.... یہ تصویر آپ کے پاس کہاں سے آئی؟“

”یہ ہم نے ابھی ابھی خالد صاحب سے بنوائی ہے۔“

”اوہ.... کیا واقعی.... مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ اس قدر ماہر

ہے۔“

”خیر.... اب اس کے بارے میں بتا دیں۔“

”اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اس کے بارے میں کچھ بھی

نہیں جانتا۔“

”یعنی اس شخص کو آپ نہیں جانتے۔“

”ہاں! آج پہلی بار یہ میرے سامنے آیا ہے۔“

”تب اس نے آپ سے کیا کہا؟“

”میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔“ وہ بولے۔

”تب پھر.... مسئلہ کس طرح حل ہو گا؟“

”میں اپنے مسائل خود حل کر لوں گا۔“ انہوں نے برا سامنے۔“



”بہت بہتر“۔

”بہر حال اگر وہ خود نہیں آئے گا تو فون پر رابطہ پھر بھی کرے گا۔۔۔ اب ہمیں ذرا اور طرح انتظام بھی کرنا ہو گا“۔

یہ کہ کر محمود نے اپنے موبائل سے ٹیلی فون ایکنج کو فون کیا۔۔۔ انہیں عامر جمالی کے نمبر نوٹ کروائے اور پھر دو سادہ لباس والوں کو بھی ہدایات دیں۔۔۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ رخصت ہوئے اور دفتر پہنچے۔۔۔ اکرام کے سامنے تصویر رکھتے ہوئے محمود نے کہا۔

”انکل! ہمیں اس شخص کے بارے میں تمام تر معلومات کی ضرورت ہے۔“

اکرام نے اس تصویر کو غور سے دیکھا، پھر نفی میں سر ہلائے ہوئے بولا۔

”میرے دماغ میں تو یہ تصویر محفوظ ہے نہیں۔۔۔ پھر بھی میرے ریکارڈ میں تلاش کرا دیتا ہوں۔۔۔ لیکن جب کوئی تصویر میرے دماغ میں نہ ملے تو اس کا ننانوے فیصد امکان ہوتا ہے کہ ریکارڈ میں بھی نہیں گی۔“

”ہوں۔۔۔ خیر۔۔۔ ہمیں کوشش تو کرنا ہو گی۔“ فاروق مسکرایا۔

”خیر تو ہے۔۔۔ آج بہت کام کے موڈ میں نظر آ رہے ہو۔“

”بس جی۔۔۔ کیا کریں۔۔۔ کلاس فیلوز کا معاملہ نکل آیا ہے۔“

فرزانہ مسکرائی۔

”اوہو اچھا۔۔۔ خیر۔۔۔ میں ریکارڈ میں تلاش کراتا ہوں۔“

ارے ہاں! اباجان کے بارے میں کوئی اطلاع۔“

”تھوڑی دیر پہلے فون آیا تھا۔۔۔ انہوں نے بتایا، وہ گھر جا رہے تھے کہ راستے میں صدر صاحب کا فون ملا اور انہیں وہیں سے ایوان صدر کا رخ کرنا پڑا۔“

”اوہ! تب تو ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن انہوں نے گھر فون کیوں نہ کیا؟“

”صدر صاحب نے ہی یہ ہدایت بھی دی تھی کہ جب تک وہ ان کے پاس نہیں پہنچ جاتے۔۔۔ اس وقت تک وہ دفتر اور گھر کو بھی فون نہ کرے۔“

”یہ نہ بتائیں کہ وہ کہاں ہیں؟“

”اوہ! اس کا مطلب ہے۔۔۔ کوئی خاص معاملہ ہے۔“

”نظر یہی آتا ہے۔“

پھر وہ وہاں بیٹھ گئے۔۔۔ اکرام اور اس کے ماتحت اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔۔۔ آخر ایک گھنٹے بعد اکرام ایک فائل اٹھائے ان کے پاس آیا۔

”آخر وہی بات ہوئی۔“

”یعنی ریکارڈ میں یہ چہرہ نہیں ملا؟“ فاروق نے منہ بنایا۔

”ہاں! بالکل۔“ اکرام مسکرایا۔

”لیکن آپ کا چہرہ کچھ اور کتنا نظر آتا ہے۔“ فرزانہ نے اس کی



طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”حیرت ہے.... تم نے یہ اندازہ بھی لگا لیا۔“

”آپ ہمارے اندازوں پر نہ جائیں.... اباجان کے اندازوں

جائیں۔“ فرزانہ بول اٹھی۔

”اوہ ہاں! مطلب یہ کہ ان کے اندازوں کا اثر ہے یہ۔“ اگر

ہنس پڑا۔

”جی بالکل.... آپ ہمیں کیا بتانا چاہتے ہیں؟“

”کوئی خاص بات نہیں ہے.... لیکن پھر بھی بتا دینا چاہتا ہوں“

”ٹھیک ہے.... آپ بتا دیں.... ہو سکتا ہے.... وہ غیر خاص یا

ہمارے کام کی ثابت ہو جائے۔“ محمود نے کہا۔

”اس تصویر کو دیکھو۔“ اس نے فائل کھول کر ان کے سامنے

دی۔

انہوں نے فائل میں لگی تصویر کو دیکھا.... کافی دیر تک دیکھ

رہے.... پھر محمود نے کہا۔

”ہم کچھ سمجھے نہیں۔“

”اس تصویر کے اور اس نئی تصویر کے نقوش آپس میں بہت

تک ملتے جلتے ہیں.... لیکن شاید یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ ایک بوڑ

آدمی کی تصویر ہے.... جبکہ یہ نئی تصویر نوجوان آدمی کی ہے۔“

”اوہ ہاں.... واقعی۔“ وہ چونک کر بولے۔

اب انہوں نے دونوں تصاویر کو ایک ساتھ رکھ کر دیکھا.... کئی

منٹ تک بغور دیکھتے رہے۔

پھر فرزانہ بہت زور سے اچھلی۔

اس کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی۔

○☆○



## ایک مشورہ

انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ انداز میں صدر صاحب کی طرف دیکھا۔۔۔ پھر بولے۔

”آپ نے کیا فرمایا؟“

”ہاں جمشید۔۔۔ تمہیں ایک عدد چوری کرنا ہے۔۔۔ اس طرح کہ کوئی نہ جان سکے۔۔۔ چوری تم نے کی ہے۔“

”میں اب بھی نہیں سمجھا۔“

”میرے دوست ابرار خان بتائیں گے۔۔۔ ابرار خان آجائیں۔۔۔ آپ کو انسپکٹر جمشید سے چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ یہ میرے خاص آدمی ہیں۔۔۔ اور معاملات کو راز رکھنا اچھی طرح جانتے ہیں۔“ صدر نے بغلی دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔ بغلی دروازہ کھلا اور ایک لمبا تڑنگا اور حد درجے صحت مند آدمی کمرے میں آکر صوفے پر بیٹھ گیا پھر اس نے دبی آواز میں کہا۔

”نئے داری آپ کی ہوگی صدر صاحب۔“

”ہاں ہاں! آپ فکر نہ کریں۔۔۔ معاملہ آؤٹ نہیں ہوگا۔“

”شکریہ۔۔۔ تب پھر سنئے۔۔۔ ایک شخص ہے۔۔۔ خارجی روڈ پر رہتا ہے۔۔۔ اس کے مکان کا نمبر ۳۱۱ ہے۔۔۔ اپنا نام داور بھوٹانی بتاتا ہے۔۔۔ اس کے پاس ایک فائل ہے۔۔۔ میں وہ فائل اس طرح چاہتا ہوں کہ آپ اس کو کھول کر نہیں دیکھیں گے۔۔۔ اور اس بات کی ذمہ داری صدر صاحب نے لی ہے کہ نہ تو آپ اس فائل کو کھول کر دیکھیں گے۔۔۔ نہ کسی اور دیکھنے دیں گے۔۔۔ بس فائل جوں کی توں لا کر مجھے دے دیں گے۔“

”ہاں جمشید! میں ان سے وعدہ کر چکا ہوں۔۔۔ یہ میرے بہت بڑے محسن ہیں۔۔۔ بہت مشکل اوقات میں میرے بہت کام آتے ہیں۔۔۔ آج انہیں زندگی میں پہلی بار مجھ سے کام پڑا ہے۔۔۔ تو میں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے کہ جس طرح یہ چاہیں گے۔۔۔ کام ہو جائے گا۔۔۔ جب میں نے ان کے کام کی تفصیل سنی تو میرے ذہن میں تمہارا نام آیا۔۔۔ لہذا میں نے تمہیں فون کیا اور یہ ہدایت کی کہ میرے پاس پہنچنے سے پہلے کسی کو بتانا تک نہیں کہ تم کہاں جا رہے ہو۔۔۔ بس یہ ہے کام۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔“

”نہیں جمشید۔۔۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ تم کوئی سوال ہی نہیں کرو گے۔“

”میں اپنا ایک خوف تو ظاہر کر سکتا ہوں یا اتنا بھی نہیں؟“



انہوں نے برا سامنہ بنایا۔

”دیکھا صاحب صدر! اسی لیے میں نے کہا تھا کہ آپ اس کام کے لیے انسپکٹر جمشید کو نہ بلائیں۔۔۔ لیکن آپ نے میری بات نہیں مانی۔“

”جمشید! تم وہی کرو گے۔۔۔ جس کے لیے کہا ہے۔۔۔ نہ کوئی سوال کرو گے، نہ کسی خوف کا اظہار کرو گے۔۔۔ تمہارے ذہن میں اگر کچھ سوالات ابھر رہے ہیں یا کچھ الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں تو ان سب گلا گھونٹ دو اور یہ کام کر گزرو۔۔۔ یاد رہے جمشید۔۔۔ جو نئی فائل ملے۔۔۔ تم سیدھے میرے پاس آؤ گے۔۔۔ اور فائل ابراہان خان کے حوالے کرو گے۔۔۔ یہ بھی اس وقت تک یہیں ٹھہرس گے۔۔۔ سمجھ گئے۔“

”جی ہاں بالکل۔۔۔ میں جو بات کہنا چاہتا تھا۔۔۔ وہ ابراہان خان صاحب کے حق میں بہتر تھی۔۔۔ کیونکہ جس طرح یہ چاہتے ہیں۔۔۔ اس طرح شاید معاملہ راز میں نہ رہ سکے۔“

”کیا مطلب؟“ ابراہان خان چونک اٹھے۔

”سہ۔۔۔ اگر وہ کوئی ایسی فائل ہے۔۔۔ جس کے ذریعے وہ شخص انہیں بلیک میل کر رہا ہے۔۔۔ تب اس نے اس فائل کی فوٹو کاپی۔۔۔ بلکہ مائیکرو کیمرے کے ذریعے کاپی تیار کر رکھی ہوگی۔۔۔ اس صورت میں صرف ایک فائل حاصل کرنے سے کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ وہ جوں

انہیں بلیک میل کرتا رہے گا۔۔۔ بلکہ اس واقعے کے بعد وہ کئی اور تیار کر کے مختلف جگہوں پر رکھ دے گا۔۔۔ اور جن جگہوں پر رکھے گا۔۔۔ وہاں اپنے ساتھیوں کو ہدایت کر دے گا کہ اگر اس کی لاش۔۔۔ یا اسے گرفتار کر لیا جائے۔۔۔ تو وہ یہ سب فلمیں اخبارات کو دے دیں۔۔۔ اس صورت میں بتائیں۔۔۔ کیا ہو گا۔۔۔ میں تو آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا۔۔۔ لیکن آپ کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں تو پھر میں فائل لا کر دینا میرے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔“ یہ کہہ کر وہ کمرے ہوئے اور دروازے کی طرف بڑھے۔

”ایک منٹ انسپکٹر جمشید۔“ ابراہان خان بول اٹھے۔

وہ رک گئے اور ان کی طرف مڑے۔

”ہاں! فرمائیں۔“

”آپ کی بات بہت معقول ہے۔۔۔ تب پھر آپ کیا کرنا چاہتے

”اگر وہ شخص بلیک میلر ہے۔۔۔ آپ کو بلیک میل کر رہا ہے۔۔۔

اسے گرفتار کرنا چاہیے۔۔۔ اسے خفیہ طور پر گرفتار کر کے نامعلوم

کام پر لے جا کر اس سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔۔۔ کہ اس نے فائلیں

دور کہاں کہاں رکھی ہیں۔۔۔ پھر باقی جگہوں سے بھی فائلیں حاصل کی

جائیں گی۔۔۔ یہ ہے اس کام کا طریقہ۔“

صدر نے ابراہان خان اور انہوں نے صدر کی طرف دیکھا۔۔۔ پھر



..... مکان نمبر ۳۱۱ کے دروازے پر دستک دی۔۔۔ تو ایک دبلا پتلا آدمی

”جی فرمائیے۔“ اس نے کہا۔  
 ”مجھے داور بھوٹانی صاحب سے ملنا ہے۔“  
 ”میں ہی داور بھوٹانی ہوں۔“

”کیا ہم بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔“  
 ”نہیں۔۔۔ لیکن میرا گھر بہت چھوٹا ہے۔۔۔ ملاقاتیوں  
 کے لیے کوئی الگ کمرہ نہیں ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔۔۔ آپ جہاں بٹھائیں گے۔۔۔ بیٹھ جاؤں گا۔“  
 ”شکریہ۔۔۔ آجائیں۔“

وہ انہیں اندر لے آیا۔۔۔ گھر کی ہر چیز سے غرت ٹپک رہی  
 انسپکٹر جمشید کو حیرت ہوئی۔  
 ”آپ کیا کام کرتے ہیں؟“

”میں کہاڑیا ہوں۔۔۔ لوگوں سے ردی قسم کی چیزیں خریدتا ہوں  
 ان چیزوں کی جن لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ انہیں فروخت کر  
 ہوں۔۔۔ مثلاً خالی بوتلیں، خالی ڈبے۔۔۔ اس قسم کی دوسری چیزیں۔“  
 ”آپ کے کتنے بچے ہیں؟“

”جی۔۔۔ چار بچے ہیں۔۔۔ دوسرے کمرے میں بیٹھے ہیں۔۔۔ ایک  
 بیٹی ہے۔۔۔ بس مشکل سے گزر بسر ہوتی ہے۔۔۔ کیا انہیں ملواؤں؟“

صدر بولے۔

”واقعی جمشید۔۔۔ اس قسم کے معاملات میں تمہارا دماغ خوب  
 ہے۔۔۔ ہم یہ معاملہ مکمل طور پر تمہیں سونپتے ہیں۔۔۔ لیکن  
 رہے۔۔۔ تم فائل نہیں پڑھو گے۔“

”جی اچھا۔۔۔ کیا وہ شخص بلیک میلر ہے۔۔۔ میں یہ بات اس  
 پوچھ رہا ہوں تاکہ اسے گرفتار کرتے وقت میں الجھن محسوس  
 کروں۔۔۔ کہ میں کہیں کسی بے گناہ کو تو گرفتار نہیں کر رہا۔“  
 ”ہاں! وہ بلیک میلر ہے۔“

”تب پھر یہ بھی بتا دیں۔۔۔ کہ وہ آپ کو کب سے بلیک میل  
 رہا ہے۔۔۔ اب تک کتنی رقم وصول کر چکا ہے۔“  
 ”یہ معاملہ ابھی شروع ہوا ہے۔۔۔ اس نے ابھی تک کوئی

وصول نہیں کی۔۔۔ ابھی تو اس نے صرف مجھے بتایا ہے کہ اس کے  
 اس قسم کی ایک فائل ہے۔“  
 ”اوہ اچھا۔۔۔ خیر۔۔۔ میں اسے دیکھ لوں گا۔“

”ایک اور بات۔۔۔ آپ اس سے بھی یہ نہیں پوچھیں گے۔۔۔  
 فائل میں کیا ہے۔“ ابرار خان بولے۔

”ٹھیک ہے سر۔۔۔ نہیں پوچھوں گا۔۔۔ اور کچھ۔“ ان کے اندر  
 میں ایک چھپا ہوا طنز تھا۔۔۔ جسے وہ دونوں محسوس نہ کر سکے۔  
 اور انسپکٹر جمشید وہاں سے نکل آئے۔۔۔ وہ سیدھے خارجی



”جی.... ابرار خان.... میں اس نام کے کسی آدمی کو  
جانتا.... بات کیا ہے.... آپ کون ہیں.... میں الجھن محسوس کر رہی ہوں۔ کی ضرورت محسوس ہو تو یہ میرا کارڈ رکھ لیں.... بغیر کسی  
ہوں۔“

انپکٹر جمشید اور الجھن محسوس کرنے لگے.... آخر انہوں نے کہا۔

”میرا تعلق پولیس سے ہے۔“  
 ”مم... میرا کسی ایسے معاملے سے کوئی تعلق نہیں... کہ پولیس میں تو وہ ہرگز بات نہیں کرتے۔“  
 ”بس! میں ان لوگوں سے مختلف ہوں ذرا۔“ وہ مسکرائے اور

”میرا بھی یہی خیال ہے۔۔۔ کسی نے آپ کے بارے میں اطلاع دی ہے۔۔۔ آپ کا اگر کسی جرم سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔ تو کوپریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔ لیکن آپ مجھے اپنے گھر کی طرف لینے دیں۔“

”میں سمجھا نہیں سکر“۔ وہ بولے۔

”کیا نہیں سمجھے جہشید... صدر نے حیران ہو کر کہا۔

”آپ مجھے ان نظروں سے کیوں دیکھ رہے ہیں؟“

”اس لیے جہشید.... کہ تم ناکام لوٹے ہو۔“

”کیا مطلب سر.... آپ کو کیسے پتا چلا۔“

”تمہارے جانے کے آدھ گھنٹے بعد اس کا فون ابرار خان کے

”نہیں۔۔۔ انہیں پریشان نہ کریں۔۔۔ یہ بتائیں۔۔۔ آپ ابرار کو جانتے ہیں۔“ انہوں نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

”جی.... ابرار خان.... میں اس نام کے کسی آدمی کو جانتا.... بات کیا ہے.... آپ کون ہیں.... میں ابھن محسوس کر ہوں۔“

انپکڑ جشید اور الجھن محسوس کرنے لگے.... آخر انہوں  
کہا۔

”میرا تعلق پولیس سے ہے۔“

”مم۔۔۔ میرا کسی ایسے معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔ کہ پو  
میرے پاس آئے۔“ اس نے گھبرا کر کہا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے.... کسی نے آپ کے بارے میں اطلاع دی ہے.... آپ کا اگر کسی جرم سے کوئی تعلق نہیں.... تو کوپریشان ہونے کی ضرورت نہیں.... لیکن آپ مجھے اپنے گھر کی طرف لینے دیں۔“

”ضرور جناب! کیوں نہیں.... پہلے آپ اس کمرے کی تلاشی لیں.... پھر میں اپنے بیوی بچوں کو اس کمرے میں بلا لوں گا.... آدوسرے کمرے کی تلاشی لے لیجئے گا“۔ اس نے فوراً کہا۔

”بالکل ٹھیک“۔ وہ مسکرائے۔

پھر اس کمرے کی اچھی طرح تلاشی لی.... اس کے بعد انہوں



لیے آیا تھا۔۔۔ اس نے فون پر بتایا تھا کہ وہ یہی دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔ آپ چپ چاپ بلیک میل ہوتے ہیں یا اس کے خلاف کوئی قدم اٹھاتے ہیں۔۔۔ اور اسی لیے اس نے اپنا نام پتا وغیرہ فرضی بتایا تھا۔۔۔ لیکن نام پتا واقعی شہر میں موجود تھا۔۔۔ اس نے اپنا ایک آدمی پہلے ہی وہاں مقرر کر دیا تھا۔۔۔ تاکہ وہ دیکھ سکے۔۔۔ آپ اب کیا کرتے ہیں۔۔۔ سر آپ نے انسپکٹر جمشید سے اس کیس میں مدد لینے کی کوشش کی ہے۔۔۔ لیکن اس طرح آپ نہ تو وہ فائل حاصل کر سکتے ہیں اور نہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں۔۔۔ غرض یہ کہ اس معاملے میں کوئی بھی کامیابی آپ حاصل نہیں کر سکتے۔۔۔ اب پہلے کی نسبت بڑی رقم پر آپ کا راز راز رکھوں گا۔۔۔ سابقہ سودا منسوخ کرتا ہوں۔۔۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا تھا۔۔۔ یہاں تک کہ کہہ کر صدر صاحب خاموش ہو گئے۔

”ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ وہ شخص تو بالکل بے تعلق نکلا۔۔۔ اور وہ ایک انتہائی غریب آدمی ہے۔۔۔“

”لیکن اب۔۔۔ میرا کیا ہو گا۔۔۔ میرا کام تو اب اور خراب ہو گیا۔“

”اس کا بہترین حل یہ ہے کہ آپ ساری بات مجھے بتا دیں۔۔۔ وہ کیا راز جانتا ہے۔۔۔ مجھے بتا دیں، اس صورت میں اس پر بہت جلد ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔“

”نہیں۔۔۔ میں راز نہیں بتا سکتا۔۔۔ چاہے کچھ ہو جائے اور آپ اس سے میری وہ فائل بھی لا کر دینا ہوگی۔۔۔ کیوں صاحب صدر۔“

”ہاں! آپ فکر نہ کریں۔۔۔ انسپکٹر جمشید اس قسم کے کاموں کے لیے بہت مہارت رکھتے ہیں۔“

”میں ماہر ہوں یا نہیں سر۔۔۔ کسی بھی کیس میں میری کامیابی وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ متعلقہ آدمی تعاون کرنے پر تیار ہو۔۔۔ اور ابراہان صاحب کوئی تعاون نہیں کر رہے۔“

”یہ مجبور ہیں جمشید۔۔۔ اپنا راز تو انہوں نے مجھے بھی نہیں بتایا۔۔۔ تمہیں کیسے بتا سکتے ہیں۔“

”تب پھر سر۔۔۔ میں کوشش کر سکتا ہوں۔۔۔ لیکن دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کیس میں میں کامیاب ہو جاؤں گا۔۔۔ لیکن میں یہ اعلان ضرور کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔“

”مجھے کوئی امید نہیں آپ کی کامیابی کی۔۔۔ لیکن آپ مجھے مشورہ تو دے سکتے ہیں۔“

”ایک مشورہ ہے۔“ وہ مسکرائے۔

”تو بتائیں نا۔“ انہوں نے منہ بنایا۔

”ملک کے شمالی حصے میں شوکی برادرز رہتے ہیں۔۔۔ وہ پرائیویٹ ہاؤس ہیں۔۔۔ آپ کا کام وہ کر سکیں گے۔۔۔ لیکن وہ بھی اس صورت میں کر سکتے ہیں۔۔۔ جب آپ انہیں کچھ نہ کچھ تفصیل بتائیں گے۔۔۔“



اس کے بغیر ان کی کامیابی کا بھی امکان نہیں.... دیکھئے نا.... آپ مجھے ایک آدمی کا نام پتا بتایا تھا.... کہ اس کے گھر سے فائل حاصل کر ہے.... تو میں فوراً وہاں پہنچ گیا.... لیکن اب آپ کے پاس نہ تو کوئی نام ہے.... نہ پتا.... ہم جاسوس لوگ جادوگر تو ہوتے نہیں.... کہ ادھر چٹکی بجائی.... ادھر مجرم کا پتا چلا لیا۔

”ہوں.... اچھا.... میں ان سے بات کرتا ہوں.... آپ کی موجودگی میں بات کرتا ہوں.... اگر راز جانے بغیر انہوں نے کام کر منظور کیا تو میں یہ کام ان سے لے لوں گا۔“

”راز جانے بغیر تو یہ کام میں نہیں کر سکتا.... وہ کیسے کر سکیں گے۔“

”آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟“ ابرار خان نے جھلا کر کہا۔

”یہ مکہ آپ اصل بات بتا دیں.... پھر دیکھئے گا.... مجرم کس قدر جلد سلاخوں کے پیچھے ہو گا۔“

”آپ مجھے شوکی برادرز سے بات کرنے دیں.... ان کا نمبر بتائیں۔“

انہوں نے نمبر بتا دیا.... جلد ہی شوکی کی آواز سنائی دی۔

”یہ شوکی برادرز کا دفتر ہے.... کیا آپ کو کوئی کیس حال کرانا ہے.... ہم نصف فیس ایڈوانس لیا کرتے ہیں.... کوئی بات کرنے سے پہلے یہ سوچ لیں۔“

”لیکن میں آپ کو پوری فیس پہلے ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ ابرار خان نے خوش ہو کر کہا۔

”تب پھر تفصیل بتائیں.... آپ کون ہیں.... کہاں سے بات کر رہے ہیں؟“

”میرا نام ابرار خان ہے.... اور میں مغربی دارالحکومت سے بات کر رہا ہوں۔“

”ادھ اتنی دور سے۔“

”ہاں! میں نے آپ کو فون انپکٹر جشید کے کہنے پر کیا ہے۔“

”ادھ.... اگر یہ بات ہے تو آپ نے اپنا کیس ان سے کیوں حل نہیں کرا لیا.... وہ تو آپ سے کوئی فیس بھی نہیں لیں گے۔“

”اس سلسلے میں کچھ مجبوری ہے.... میں غیر سرکاری سطح پر ہی کام کر سکتا ہوں۔“

”اچھی بات ہے.... آپ کیس بتائیں۔“

”ایک نامعلوم آدمی مجھے بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔“

”کس بنیاد پر؟“ شوکی نے پوچھا۔

”اس کے پاس میرے خلاف ایک فائل ہے.... بس میں چاہتا ہوں.... آپ مجھے وہ فائل لا دیں.... آپ کو منہ مانگا معاوضہ دیتا میرا کام ہو گا۔“

”اوکے.... آپ اس شخص کا نام پتا بتا دیں۔“ شوکی بولا۔



”میں اس کا نام پتا نہیں جانتا.... بس اس کی آواز آپ کو سنوا سکتا ہوں۔“

”اس صورت میں یہ کام دنیا کا مشکل ترین کام ہو گا.... لیکن آواز کی موجودگی میں آپ انکل جمشید سے یہ کام کیوں نہیں لیتے.... آوازوں کے ریکارڈ سے وہ ضرور مجرم تک پہنچ سکتے ہیں۔“

”ریکارڈ میں اس کی آواز نہیں ہے۔“

”تب انہیں یہ بتانا ہو گا کہ بلیک میل کس ذریعے سے کیا جا رہا ہے۔“

”بس یہ بات یہ نہیں بتا سکتے۔“ انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

”تب پھر ہم اور آپ کیا کر سکتے ہیں.... سوری۔“ شوکی نے کہا۔

ابرار خان نے فون بند کر دیا.... اس کے چہرے سے پریشانی صاف جھلک رہی تھی۔

”مجھے افسوس ہے.... صاحب صدر میں انہیں کچھ نہیں بتا سکتا.... گویا اب مجھے اس کے ہاتھوں بلیک میل ہونا ہی پڑے گا۔“

”ہاں بالکل.... آپ کی مرضی۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا اور صدر صاحب کی طرف دیکھا۔

”کیا مجھے اجازت ہے سر؟“

”ہاں جمشید۔“ وہ بولے۔

وہ وہاں سے باہر نکل آئے.... ان کا ذہن بری طرح الجھا ہوا

”نہ نہ۔“ ابرار خان خوف زدہ آواز میں بولے۔

”کیا مطلب.... کیا آپ نہیں چاہتے کہ اسے گرفتار کیا جائے۔“

”ہاں! میں نہیں چاہتا۔“

”گویا آپ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اس سے وہ فائل حاصل کر لی جائے۔“

”آپ کے آنے سے پہلے ہم ریکارڈ چیک کر چکے ہیں.... وہ دو بار مجھ سے فون پر بات کر چکا ہے۔“

”ہوں.... اچھا خیر.... آپ مہربانی فرما کر مجھے بھی مجرم کی آواز سنوا دیں.... شاید اس طرح میں کچھ کر سکوں۔“

”اچھی بات ہے۔“ ابرار خان نے کہا اور ٹیپ پر مجرم کی بات سنوا دی.... انہوں نے بھی اس آواز کو ریکارڈ کر لیا.... پھر بولے۔

”میں کوشش کروں گا.... اس آواز والے شخص کو گرفتار کر لوں۔“



”ہاں۔“

”میں اس کا وعدہ نہیں کرتا۔۔۔ کیونکہ مجرم کے بارے میں کوئی سراغ نہیں ہے ہمارے پاس۔۔۔ پہلے صورت حال اور تھی۔۔۔ آپ نے شخص کا نام بتایا تھا۔۔۔ میں آپ کی ہدایت کے مطابق اس سے مل لینے چلا گیا۔“

”میں اب آپ سے یہ کیس حل نہیں کرانا چاہتا۔۔۔ آپ اس پر کام نہیں کریں گے اب۔۔۔ سن لیا ہے آپ نے۔۔۔ صدر صاحب آپ انہیں پابند کریں۔“ ابرار خان غصے کے عالم میں بولے۔

”جشید۔۔۔ اب تم اس کیس سے بالکل لا تعلق ہو جاؤ۔“

”ہر۔۔۔ اگر کوئی بات مجھے خود سے معلوم ہو جائے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔“ انہوں نے پراسرار انداز میں کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔ کون سی بات؟“

”ایک بات اس کیس کے سلسلے مجھے ابھی ابھی معلوم ہوئی ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”اور وہ کیا بات ہے؟“ ابرار خان جلدی سے بولے۔

”آپ تو مجھے کیس سے بالکل الگ کر رہے ہیں۔۔۔ تو پھر آپ اب کیوں مجھ سے یہ بات پوچھ رہے ہیں۔“ وہ مسکرائے۔

”صاحب صدر! انسپکٹر جشید سے کہیں یہ مجھے پریشان نہ کریں۔“

”جشید! تم میرے دوست کو پریشان نہ کرو۔۔۔ اور بتا دو جو یہ کہہ رہے ہیں۔“

”بہت بہتر۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔ میں نے اس آواز کو کہیں سنا۔۔۔ اور حال ہی میں سنا ہے۔۔۔ شاید کسی تقریب میں یہ صاحب تقریر کر رہے تھے۔۔۔ اور میں وہاں ڈیوٹی پر تھا۔۔۔ اب مجھے یاد کرنا ہو گا۔۔۔ کہ

میں نے کس کس تقریب میں شرکت کی تھی اور یہ آواز کس کی تھی۔۔۔ میں ہر اس تقریب سے تقریر کرنے والے سے ملوں گا۔۔۔ جس میں ڈیوٹی پر تھا۔۔۔ اس طرح بہت جلد میں جان لوں گا۔۔۔ کہ آپ کو کون بلیک میل کر رہا ہے۔۔۔ پھر میں اس سے آپ کی فائل حاصل کر سکوں گا۔“ وہ روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

”بہت خوب جشید۔۔۔ تم کمال کے آدمی ہو۔۔۔ تم نے تو یہ مسئلہ نکال دیا۔“

”ابھی حل نہیں ہوا سر۔۔۔ حل تو اب ہو گا۔۔۔ کیا یہ مجھے اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ میں اس کا سراغ لگاؤں اور فائل حاصل کر لوں۔“

”ہاں ہاں۔۔۔ بالکل۔“ ابرار خان جلدی سے بولے۔

”لیکن سر۔۔۔ آپ ذرا ابرار خان صاحب کو بتا دیں۔۔۔ کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”کیا مطلب جشید۔۔۔ کیا نہیں ہو سکتا؟“

”یہ کہ میں ایک بلیک میلر سے بلیک میلنگ کی فائل تو حاصل کر



یہی نام ہے

”اے ابراہیم! اس بری طرح تو نہ اچھلا کرو۔“ محمود نے منہ

”تو بھریہ کس بری طرح اچھلا کرے۔“ فاروق مسکرایا۔

”صد ہو گئی۔“ فرزانہ جھلا اٹھی۔

”وہ بعد میں ہوتی رہے گی۔۔۔ پہلے تم بتاؤ۔۔۔ کس بات پر حیران

”اس نئی تصویر کے نقش و نگار واقعی اس پرانی تصویر کے نقش و

نگار سے ملتے ہیں۔۔۔ لیکن ایک بہت خاص بات ان دونوں میں ہے۔۔۔

اس کی طرف تمہارا دھیان نہیں گیا۔“

”ہم دونوں کے درمیان میں بس یہی بری بات ہے۔“ فاروق

کہا۔

”تم اب میرے کہنے پر غور سے دیکھ لو نا۔“ فرزانہ مسکرائی۔

انہوں نے تیز نظروں سے فرزانہ کو دیکھا، پھر دونوں تصاویر کو بار

بار دیکھنے لگے۔۔۔ اچانک وہ دونوں بھی بری طرح اچھلے۔۔۔ اور بول

لوں اور اسے گرفتار نہ کروں۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔“ صدر صاحب دھک سے رہ گئے۔

ان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔۔۔ انہوں نے جلدی سے ابرار خا

کی طرف دیکھا۔۔۔ جیسے کہ رہے ہوں۔

”اب کیا کریں ابرار خان۔“

دوسرا لمحہ حیران کر دینے کے لیے بہت کافی تھا۔۔۔ جب ابرا

خان نے جیب سے پستول نکال کر انسپکٹر جمشید کی طرف تان دیا۔

○☆☆○



”ارے باپ رے۔“

”اوہو! ایسا کیا نظر آگیا بھی.... ذرا مجھے بھی بتا دو۔“ اکرام

حیرت میں اضافہ ہو گیا۔

”یہ دیکھئے انکل.... اس نئی تصویر کو پہلے دیکھیں.... ہمارے نوعمر

آرٹسٹ نے چہرے پر ناک کے عین نیچے یعنی ناک کے درمیانی حصے کے

عین نیچے ایک تل بنایا ہے.... یہی تل پرانی تصویر میں بھی بالکل اسی

ہے۔“

”اوہ.... اوہ۔“ اکرام کے منہ سے نکلا۔

”اور یہ ایک اتفاق نہیں ہو سکتا انکل.... یہ عام طور پر خاندان

چیز ہوتی ہے.... جیسے اگر کسی شخص کی بھنویں آپس میں ملی ہوئی ہوں

ہے تو اس کے سب بچوں کی بھنویں ملی نظر آتی ہیں.... ایسی اور باتیں

بھی نظر آتی ہیں.... گویا اس تصویر والے اجنبی کا اس فائل والی تصویر

والے شخص سے ضرور کوئی تعلق ہے.... اب آپ بتائیں.... یہ کس کی

تصویر ہے؟“

”مجھے افسوس ہے.... یہ تو بہت پرانے ریکارڈ میں سے ملی ہے۔“

اس شخص کو مرے مدت گزر گئی۔“

”کوئی پروا نہیں.... اس کا نام پتا تو فائل میں ہو گا نا.... وہ

سے اس اجنبی کا سراغ ملے گا۔“

”ہو سکتا ہے‘ ایسا ہو جائے.... لیکن ہمارا مسئلہ اور ہے.... عام

ی تو اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ہی نہیں چاہتے۔“

”ام اپنے طور پر اس کیس پر کام کریں گے انکل۔“

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے

”اگلی بات ہے.... اس کا نام اور پتا نوٹ کر لیں.... نام ہے



”ہاں! اس کا امکان ہے۔“

اب انہوں نے آس پاس کے لوگوں سے بات چیت کی۔۔۔۔۔ لوگوں نے ایک بوڑھے کا پتا بتایا۔۔۔۔۔ وہ اس کے گھر پہنچے واقعی بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔۔۔۔۔ جسم کا گوشت لٹک چکا تھا۔۔۔۔۔ اور تماشا جھریاں پڑ چکی تھیں۔۔۔۔۔ اس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔ پھر بولا۔

”آپ کون لوگ ہیں؟“

”ہم آپ سے اس حویلی کے بارے میں معلوم کرنا

ہیں۔“

”کیوں۔۔۔۔۔ کیا آپ کا تعلق محکمہ آثار قدیمہ سے ہے؟“

”آپ بس یہی سمجھ لیں۔“

”بہت خوب۔۔۔۔۔ اسی بہانے سے میں آپ کو حویلی کے

میں بہت کچھ بتا سکتا ہوں۔۔۔۔۔ لیکن فیس لے کر۔“ اس نے کہا۔

”فیس لے کر۔۔۔۔۔ کیا مطلب؟“

”آپ مجھے جو پیسے دیں گے۔۔۔۔۔ میں ان سے چند دن اچھا

لوں گا اور بس۔“

”اوہ اچھا۔۔۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔۔۔۔۔ ہم آپ کو اتنے پیسے دیں

کہ آپ ایک ماہ تک اچھا کھانا کھا سکیں گے۔“

”اوہ! تب تو بہت بہت شکریہ۔۔۔۔۔ آپ لوگ تو بہت زرا

آئے تو رہتے ہیں اور لوگ بھی میرے پاس۔۔۔۔۔ لیکن ایک دو دن کھانے کے پیسے دے کر حویلی کے بارے میں پوچھ کر چلے جاتے

”ام ایسا نہیں کریں گے۔۔۔۔۔ پورے ایک ماہ کے کھانے کے پیسے

کر جائیں گے۔۔۔۔۔ لیکن شرط ایک ہے۔“ محمود نے جلدی جلدی

”شرط۔۔۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔۔۔ کیسی شرط؟“

”شرط یہ ہے کہ باتیں بالکل سچ ہوں۔۔۔۔۔ ان میں جھوٹ ہرگز

نہ ہو۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔۔۔ ویسے میں پہلے بھی جھوٹ باتیں نہیں

اس لیے کہ میں کیا کروں گا جھوٹ بول کر۔“

”اب کوئی سیاح لوگ نہیں آتے۔۔۔۔۔ تو آپ کہاں سے کھاتے

محمود نے پوچھا۔

”اللہ تعالیٰ کھلاتے پلاتے ہیں۔۔۔۔۔ اسی نے آپ کو میرے پاس

”

”اوہ ہاں واقعی۔“ وہ شرمندہ سے ہو گئے۔

”آپ کیا جانا چاہتے ہیں؟“

”کس کی حویلی ہے؟“

”سولہ سال پہلے بنی تھی۔۔۔۔۔ میں اس وقت چھوٹا سا تھا۔“



”کیا مطلب.... کیا آپ کی عمر سو سال سے زیادہ ہے؟“

”ہاں! میں اس وقت ایک سو پانچ سال کا ہوں۔“

”اوہ اچھا.... سو سال پہلے اسے کس نے بنوایا تھا؟“

”نواب عاقل بیگ نے۔“

”اوہ اچھا.... پھر۔“

”نواب عاقل کے پاس بے تحاشا دولت تھی، اس نے اس

کو بنوایا.... ساری زندگی اس میں ٹھاٹ باٹ سے رہتا رہا.... پھر ایک

چھوڑ کر مر گیا.... اس کے ہاں کوئی دوسری اولاد نہیں ہوئی تھی....

کا نام نواب شاہ گل مرزا تھا.... وہ بھی ساری زندگی عیش کرتا رہا....

مر گیا.... اس کا بھی بس ایک بیٹا ہوا تھا.... لیکن اس نے اس حویلی

رہنا پسند نہ کیا.... اس کو تالا لگا کر کہیں چلا گیا.... اس نے حویلی

کی بھی کوشش نہ کی.... یہ بند پڑی رہی.... لوگ کہتے ہیں.... اب

میں جن بھوت رہتے ہیں.... ان جنوں اور بھوتوں کے خوف سے

نے اس پر قبضہ کرنے کے بارے میں بھی نہیں سوچا.... یہ ہے حویلی

کہانی.... اور کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو بتا دیتا ہوں۔“

”جی ہاں! یہ ہمارے پاس ایک تصویر ہے.... مہربانی فرما

دیں، یہ کس کی ہے؟“

محمود نے پرانی تصویر کو اس کے سامنے رکھ دیا.... وہ تصویر

پڑتے ہی بولا۔

”یہ تو نواب شاہ گل مرزا کی ہے۔“

”اوہ.... آپ کا مطلب ہے.... دوسرے نواب کی۔“

”ہاں جی.... بالکل۔“ اس نے جواب دیا۔

”اب اس تصویر کو دیکھیں۔“

محمود نے اپنی تصویر بھی اس کے سامنے کر دی.... وہ اس تصویر کو

دیکھتا رہا.... پھر بولا۔

”ضرور نواب شاہ گل مرزا کا بیٹا ہے.... لیکن وہ تو حویلی چھوڑ

آج سے پچاس سال پہلے چلا گیا تھا۔“ اس نے کہا.... پھر دوبارہ بول

”اوہ ہاں.... نواب شاہ گل کا بیٹا حویلی چھوڑ کر چلا گیا تھا.... اس

کا نام نواب شاہ گل مرزا کا بیٹا تھا.... یہ ضرور اس کا بیٹا ہے۔“

”نواب شاہ گل مرزا کے بیٹے کا نام کیا تھا؟“

”وہ خود کو نواب نہیں کہلاتا تھا.... ویسے نام اس کا بہادر گل شاہ

تھا۔“

”تو یہ تصویر والا نوجوان اس کا بیٹا ہے؟“

”بالکل دیکھ کر میں یہی کہہ سکتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”اور اب یہ کہاں رہتے ہیں.... اس بارے میں آپ کچھ نہیں

”جی نہیں.... کسی کو نہیں معلوم۔“



”یہ خاندان کرتا کیا تھا... کھاتا کیسے تھا۔“

”یہ آج تک کوئی نہ جان سکا۔“

”آخر نواب یعنی نواب کرامت بیگ جو یہاں آیا... اور

نے حویلی جو بنوائی... تو لوگوں نے آپس میں ذکر تو کیا ہو گا... اس

پوچھا ہو گا کہ آپ کرتے کیا ہیں؟“

”ہاں! لیکن... جواب میں وہ کہتا تھا کہ اسے کچھ کرنے

ضرورت کیا ہے... وہ تو ایک نواب ہے... اسے تو حکومت کی

سے بہت زمین ملی ہے۔“

”اوہ اچھا... کبھی اس نے کسی کو وہ زمین دکھائی تھی۔“

”جی... جی نہیں... ایسی کوئی بات سننے میں نہیں آئی۔“

”اچھا... بہت بہت شکریہ... یہ اپنی فیس لے لیں۔“

وہ کئی سو روپے اس کے سامنے رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے

اب وہ حویلی میں آئے... اس میں ادھر ادھر گھومتے رہے... لیکن

کے ڈھیر سے انہیں کیا ملتا... اچانک انہیں ایک خیال آیا... محمود

اکرام کو فون کیا اس کی آواز سن کر وہ بولا۔

”ہم ایک بہت ضروری بات پوچھنا تو بھول ہی گئے اٹکل۔“

”ہاں! میں بھی یہی سوچ رہا تھا آج تم لوگوں کی عقلوں کو

گیا ہے۔“ اکرام ہنسا۔

”شاید اس وقت گھاس چرنے چلی گئی تھیں۔“ محمود پھر ہنسا۔

”تم یہ پوچھنا چاہتے ہو نا... کہ نواب کرامت بیگ کا نام پتا

کون سا رہا... کی فائل میں کیوں ہے؟“

”جی ہاں اہلکل۔“

”ایک بار ایک بجک میں ڈاکا ڈالا گیا تھا... ڈاکا ڈالنے والے

... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ڈاکا

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر

... ڈاکا ڈالنے والے ہوتے تھے... ڈاکا دن دھاڑے ڈالا گیا تھا... ایک ڈاکو ان پر



”کیا اس سرکاری آفیسر اور دوست کے نام پتے بھی فائل میں موجود ہیں؟“

”ہاں موجود ہیں۔۔۔ لیکن یہ باتیں تو سو سال پرانی ہیں۔۔۔ وہ کہاں زندہ ہوں گے۔۔۔ بس یہ تصویر اس بجک ڈکیتی کے حوالے سے اس فائل میں اس وقت کے پولیس آفیسر نے احتیاطاً لگا دی ہو گی کہ شاید پھر کبھی کوئی بات سامنے آئے۔“

”ہوں۔۔۔ میں سمجھ گیا۔۔۔ مطلب یہ کہ وہ نواب صاحب ڈاکو ڈالا کرتے تھے۔“

”لیکن بھئی۔۔۔ یہ ضروری نہیں۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔ اس کا بی بی درست ہو۔۔۔ اور ملازم کو جو ڈاکو نظر آیا۔۔۔ اس کا حلیہ نواب کرامت سے ملتا جلتا ہو۔“

”جی۔۔۔ اس کا امکان ہے۔۔۔ لیکن حویلی کے پاس رہنے والے میں ایک بہت بوڑھے آدمی کا کہنا ہے کہ نواب یا اس کے بیٹے انہوں نے کبھی کوئی کام کرتے نہیں دیکھا۔۔۔ بس وہ بیٹھ کر کھاتے تھے۔۔۔ اور لوگوں کے پوچھنے پر بتاتے تھے کہ انہیں حکومت کی طرف سے بہت زمین ملی ہوئی ہے۔۔۔ لیکن اس زمین کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔“ اس نے جلدی جلدی بتایا۔

”ہوں۔۔۔ یہ باتیں بہت پرانی ہیں۔۔۔ اب ان کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔۔۔ لہذا اس کا سیدھا سادا حل یہ بنا کہ تم اس

لوہاں کو تلاش کر لو۔۔۔ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔“

”اسی کی تلاش میں تو ہم حویلی تک آئے تھے۔“ محمود ہنسنا۔

”اچھا ٹیپو۔۔۔ تم جانو۔۔۔ میرے لائق کوئی کام ہو تو بتا دو۔“

”یہ نہیں فی الحال کوئی کام نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر محمود نے فون

کھینچ کر اپنے کمرے میں لے گیا۔۔۔ نواب کرامت بیک ایک ڈاکو تھا۔۔۔ اس کے بعد اس کے بیٹے نے اپنے باپ کی ڈاکوں سے کمائی دولت پر اٹل کی۔۔۔ یا خود بھی ڈاکے ڈالے۔۔۔ اور وہ بھی مر گیا۔۔۔ لیکن اس کا بیٹا شاہ گل مرزا وہاں نہیں ٹھہرا۔۔۔ نہ جانے کیوں۔۔۔ حویلی چھوڑ کر چلا گیا۔۔۔ اور پھر کبھی لوٹ کر نہ آیا۔۔۔ وہ کیا کرتا رہا۔۔۔ کچھ معلوم نہیں۔۔۔ صرف یہ اندازہ ہم لگا سکتے ہیں کہ موجودہ نوجوان اسی شاہ گل مرزا کا بیٹا ہے۔۔۔ جس کی ہمیں تلاش ہے۔۔۔ اور وہ ایک بلیک میلر ہے۔۔۔ ٹولٹاک بلیک میلر۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“ فرزانہ نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

”کیا تم اسے کیسے۔۔۔“

”اب اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔۔۔ فاروق نے ریسیور کان سے لگا لیا۔۔۔ دوسری طرف سے ایک سچخ والوں نے کہا۔

”عامر ہالی کے فون پر بات کی گئی ہے۔۔۔ گفتگو ریکارڈ کر لی گئی ہے۔۔۔ آپ فوراً آ جائیں۔“



”کیا آپ وہ ہمیں فون پر نہیں سنا سکتے۔“

”فون پر بھی سنا سکتے ہیں۔“

”بس تو پھر سنا دیں۔۔۔ اس لیے کہ وہاں آنے میں وقت لگے گا۔۔۔ اس طرح وقت بچے گا اور یہ آپ جانتے ہی ہیں کہ وقت کس قدر قیمتی شے ہے۔“

”جی ہاں! یہ تو ہے۔۔۔ سنیں پھر۔“

اس کے بعد ٹیپ شدہ گفتگو سنائی دینے لگی۔

”ہیلو عامر جمالی صاحب۔۔۔ آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟“

”میں ہر ماہ پچاس لاکھ دینے کے لیے تیار ہوں۔“

”نہیں۔۔۔ ایک کروڑ سے کم پر بات نہیں ہوگی۔۔۔ آپ یہ بھی

تو سوچیں۔۔۔ میری بات نہ مان کر آپ کس چیز کے مالک رہ جائیں گے۔“

”ہاں! میں نے سوچا ہے۔۔۔ لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے؟“

”یہ سوچنا میرا کام نہیں۔۔۔ ایک کروڑ آخری بات ہے۔۔۔ اب

کل کے اخبارات۔۔۔“

”نہیں نہیں۔۔۔ اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ میں ایک کروڑ ہر ماہ ادا کر دوں گا۔“

”پہلی قسط کل وصول کی جائے گی۔۔۔ ایک کروڑ کا ڈرافٹ جلد

فراز کے نام کا بنوا لیں۔۔۔ ڈرافٹ کو کراس نہ کرائیں۔۔۔ کل میں فون

لگا دوں گا کہ ڈرافٹ آپ کو کہاں پہنچانا ہے۔۔۔ دوسری ہدایات بھی دوں گا۔۔۔ اگر آپ نے کسی ایک ہدایت کی بھی خلاف ورزی کی۔۔۔ تو میں ڈرافٹ واپس کر دوں گا اور فائل اخبارات کھوے دوں گا۔۔۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔۔۔ یہ آپ سمجھ ہی سکتے ہیں۔“

”جی ہاں! میں سمجھ سکتا ہوں۔“

”اے اب کل ملاقات ہوگی۔“

”ابھی بات ہے۔“

اور بات ختم ہو گئی۔۔۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”ہاں جناب! صرف اتنی گفتگو ہوئی۔“

”یہ بھی بہت ہے۔۔۔ اب آپ یہاں تین آدمی مقرر کر دیں۔۔۔

کل میں فون آئے گا۔۔۔ اس کو سننا بہت ضروری ہے۔“

”تین آدمیوں کی کیا ضرورت ہے؟“

”کوئی ایک سو جائے تو دو تو سن سکیں۔۔۔ دو سو جائیں تو ایک تو

سن سکے۔“

”اور تینوں سو جائیں تو؟“ وہ ہنسا۔

”موجود ہی ہنس پڑا اور فون بند کر دیا۔“

”پہلا ہجرے میں پھنسنے کے لیے تیار ہے۔۔۔ اب وہ نوجوان بیچ

دیں سکتا۔۔۔ اور یہ کیس ختم۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”گت میں۔“ فرزانہ بڑبڑائی۔



”کیا لگتا نہیں؟“ محمود نے اسے گھورا۔

”یہ کہ وہ اس قدر آسانی سے ہاتھ لگ جائے۔“

”ارے تو مشکل سے لگ جائے گا ہاتھ۔“ فاروق نے جھلا کر

کہا۔

فرزانہ مسکرائی.... پھر بولی۔

”وہ ضرور کوئی چال چلے گا.... اور صاف بچ نکلے گا۔“

”تم بلاوجہ ہمیں پریشان کرنا چاہتی ہو۔“

”اچھی بات ہے.... میری بات کا اندازہ کل ہو جائے گا۔“

”ارے ہاں.... فرزانہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو.... ہمیں دو طرفہ

انتظام کرنا چاہیے.... اپنی خفیہ فورس کے دو آدمی اور عامر جمالی کی

کوٹھی پر مقرر کر دینے چاہیے.... وہ ہر آنے جانے والے کی نگرانی

کریں گے۔“

”یہ ٹھیک رہے گا۔“

انہوں نے اسی وقت فون کر کے دو آدمی اور وہاں بھیج دیے۔

”میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ بچ جائے گا۔“

”کیا کہا.... اب بھی بچ جائے گا.... وہ کیسے؟“ فاروق تلملا اٹھا۔

”جانتا نہیں کیسے.... اس نے ضرور کوئی پروگرام سوچ رکھا ہے۔“

وہ اتنا کچھ نہیں لگتا۔“

”اچھا خیر.... دیکھا جائے گا۔“

”کیا خاک دیکھا جائے گا.... اگر وہ بچ نکلا تو ہم کیا دیکھ لیں

گے۔“

”میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔“ فرزانہ نے پراسرار

انداز میں کہا۔

”ہاں پھر.... جلدی بتاؤ.... کیا بات آئی ہے۔“

”کان میں بتانے والی بات ہے.... اس لیے کہ دیواروں کے بھی

صوت ہوتے ہیں۔“

”اوہ.... اس وقت ہم گاڑی میں ہیں۔“ محمود نے جھلا کر کہا۔

”تو کیا ہوا.... گاڑی کی بھی دیواریں ہیں۔“

”سہ ہو گئی.... اچھا کان میں ہی بتاؤ۔“

فرزانہ انہیں اپنا منصوبہ کان میں بتانے لگی.... جوں جوں وہ سنتے

تھے ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیلتی چلی گئیں.... آخر اس کے

مذہب بدلنے پر محمود نے کہا۔

”حیرت ہے.... تمہارا دماغ ہے یا کیا ہے۔“

”اللہ تعالیٰ نے مجھے دماغ ہی عطا کیا ہے.... تم اسے کچھ بھی نام

نہ لگاتے ہو۔“ وہ بولی۔

”ارے تو پھر چلو.... اب وقت کیوں ضائع کیا جائے۔“

اور پھر ان کی گاڑی گویا اڑنے لگی.... جلد ہی وہ ایک عمارت

کے سامنے رکتے.... گاڑی سے اترے اور سیدھے جنرل مینجر کے کمرے



میں جادھمکے۔

”کیا بات ہے.... آپ لوگ کون ہیں.... کیا چاہتے ہیں اور اس کے لئے پوچھا کر کہا۔

”طرح آنے کا کیا مطلب؟“

”یہ رہے ہمارے کارڈ۔“ محمود نے فوراً کارڈ اس کے سامنے

رکھ دیے۔

اس نے کارڈ کو دیکھا.... ناک بھوں چڑھائی اور بولا۔

”آپ کو مجھ سے کیا کام ہے.... اندر آنے سے پہلے آپ

اجازت لینا چاہیے تھی.... باقاعدہ وقت لینا چاہیے تھا۔“

”ہم بہت جلدی میں ہیں۔“ محمود نے کہا۔

اچھا خیر.... فرمائیے۔“ اس نے اب بھی ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”آپ تمام بینکوں کی مشترکہ یونین کے جنرل مینجر ہیں.... یا یو

کہہ لیں کہ ضد ہیں۔“

”ہاں ہوں.... تو پھر۔“

”ہمیں صرف یہ معلوم کرا دیں کہ عامر جمالی صاحب کا اکاؤنٹ

کون کون سے بینک میں ہے؟“

”یہ کیا مشکل ہے.... لیکن ایسے راز بینکوں والے نہیں

بتاتے.... قانون بھی ہے کہ نہ بتائیں۔“

”یہاں معاملہ الٹ ہے.... ہمیں ایک خوفناک مجرم پکڑنا ہے

اگر وہ نہ پکڑا گیا تو نہ جانے کس کس کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔“

”اچھا خیر.... ارے.... تو کیا عامر جمالی خوفناک جرائم پیشہ ہے۔“

”یہ پوچھا کر کہا۔

”نہیں.... ویسے کیا آپ عامر جمالی کو جانتے ہیں؟“

”کیوں نہیں.... وہ تو ہمارے ملک کے دولت مند ترین لوگوں

میں سے ایک ہے.... اور دولت مند ترین لوگوں کو بینکوں والے نہیں

پوچھتے.... تو اور کون جانے گا۔“

”اچھا بات ہے.... تو پھر آپ ذرا معلوم کرا دیں۔“

”اوکے.... لیکن اس سلسلے میں مجھ پر کوئی بات نہ آئے۔“

”جی نہیں آئے گی۔“

”اچھا بات ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے چند فون کیے اور پھر تین

دھنکوں اور ان کی شاخوں کے نام لکھ کر انہیں دے دیے۔

”بس.... صرف ان تین بینکوں میں اس کے اکاؤنٹ ہیں۔“

اس نے کانڈ محمود کی طرف بڑھاتے ہوئے بتایا۔

”ان تینوں کے علاوہ اور کسی میں نہیں؟“

محمود نے ایک مرتبہ پھر پوچھا۔

”نہیں.... بالکل نہیں۔“

اس نے پر زور انداز میں کہا۔

”اوکے.... ارے ہاں.... کیا کسی غیر ملکی بینکوں میں بھی نہیں ہو

”جی“

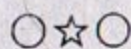


فرزانہ ایسے میں اچانک بول اٹھی۔

”میں نے غیر ملکی بینکوں سے بھی معلوم کر لیا ہے۔۔۔ میں معلومات ناقص نہیں ہو سکتیں۔۔۔ لیکن اب آپ میرا خیال کر گئے۔“

اس نے اطمینان دلانے کے انداز میں جواب دیا۔

وہ اٹھے ہی تھے کہ کمرے کا دروازہ کھلا..... ساتھ ہی کوئی ا  
داخل ہوا..... جونہی ان کی نظریں اندر داخل ہونے والے پر پڑیں.....  
حیرت زدہ رہ گئے۔



فائل  
http://

فاصل

"ہاں... یہ آپ کیا کر رہے ہیں ابرار خان... انپکڑ جھید بہت  
 اہم آتی ہیں... ہمارے ملک کو خاص طور پر ان کی بہت ضرورت  
 ہے... اور یہ کوئی مجرم نہیں ہیں کہ آپ نے ان پر پتھول تان لیا...  
 اگر ان کی کوئی بات آپ کو بری لگی ہو تو یہ آپ سے معذرت کریں  
 گے... آپ پتھول جھپ ہیں رکھ لیں"۔ انہوں نے بوکھلائی ہوئی آواز  
 میں کہا۔

اس پتول کا رخ آپ کی طرف بھی

”یہاں“ صدر صاحب کے ہوش اڑ گئے۔

وہ ملک کے صدر تھے.... ایوان صدر میں ان کے خاص کمرے  
 میں ایک مجلس ان سے کہہ رہا تھا کہ اس کا پستول ان پر بھی اٹھ  
 سکتا ہے.... اس سے زیادہ خوفناک بات اس وقت اور کیا ہو سکتی تھی.... لہذا



انہوں نے خفیہ بٹن دبا دیا۔۔۔ بٹن کے بارے میں ابرار خان کو کچھ معلوم نہ تھا۔۔۔ نہ دہاتے ہوئے دیکھ سکا۔۔۔ وہ تو اب انپکٹر جمشید کو جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔۔۔ آخر اس نے سانپ کی طرح پھنس کر کہا۔

”تم نے کیا کہا۔۔۔ انپکٹر جمشید۔۔۔ ذرا پھر سے کہنا۔“

”میں نے کہا ہے۔۔۔ میں اگر بلیک میلر سے فائل حاصل کروں گا۔۔۔ تو اسے گرفتار کیا جائے گا۔“

”لیکن میرا حکم ہے۔۔۔ کہ تم صرف اس سے فائل حاصل کرو گے۔۔۔ اس سے کوئی غرض نہیں رکھو گے۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ آپ اس بلیک میلر کو کیوں بچانا چاہتے ہیں؟“

”میں اسے نہیں۔۔۔ خود کو بچانا چاہتا ہوں۔۔۔ اگر وہ پکڑا گیا بات مجھ پر بھی آئے گی۔“

”میں سمجھ گیا۔۔۔ آپ پستول جیب میں رکھ لیں۔“ صدر صاحب مسکرائے۔

”نہیں۔۔۔ پہلے انپکٹر جمشید اقرار کریں گے۔۔۔ کہ یہ اس بلیک میلر سے صرف فائل حاصل کریں گے، اسے گرفتار نہیں کریں گے۔ اس کے بعد میں پستول جیب میں رکھوں گا۔“

”انپکٹر جمشید۔۔۔ تم اقرار کر لو۔“

”اب کام میں نہیں کروں گا۔۔۔ اس کا اقرار کیسے کر لوں۔“

”اب۔۔۔ تو تم اسے گرفتار کیے بغیر نہیں رہو گے۔“

”ہرگز نہیں۔۔۔ میں اس سے فائل بھی حاصل کروں گا اور اسے گرفتار بھی کروں گا۔“

”اب پھر تم پر کوئی چلانا میرا حق بن گیا۔“ ابرار خان نے ہنس کر کہا۔

”اب اس کے ساتھ ہی اس کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالتی ہوئی محسوس ہوئی۔“

”اب صفت ابرار خان صاحب۔“ صدر صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”اب آپ اس مسئلے سے الگ ہو جائیں۔۔۔ اگر انپکٹر جمشید

میں سے زندہ واپس چلے گئے تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔۔۔ یہ اس

میں کو کلایں گے اور پھر میرا راز راز نہیں رہ جائے گا۔“

”لیکن ابرار خان۔۔۔ اس طرح تو آپ قانون کے شکنجے میں آ جائیں گے۔“

”پہلے قتل میں صرف اور صرف آپ کے سامنے کر رہا ہوں اور

آپ میرے خلاف عدالت میں گواہی نہیں دے سکتے۔“

”یہ کیا بات ہوئی سر۔۔۔ آپ کیوں گواہی نہیں دیں سکتے۔“

”م۔۔۔ میں۔۔۔ میں گواہی دوں گا۔“ صدر بولے۔

”آپ اور میرے خلاف گواہی دیں گے۔۔۔ ہر وقت تو مجھ سے

ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں۔“



”ملک اور قوم کے لیے..... اپنی ذات کے لیے نہیں..... آج جانتے ہیں مجھ سے پہلے لیرے حکمران ملک کی کیا حالت بنا چکے ہیں۔ ملک مالی لحاظ سے بالکل تباہی کا شکار ہو چکا ہے..... ان حالات میں ملک چلانا کوئی آسان کام نہیں۔“

”ہوں! لیکن میں تو قوم آپ کو دیتا ہوں۔“

”اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ جسے چاہیں قتل کرتے پھریں۔“

صدر صاحب غرائے۔

”اوہ! مجھ سے اس لہجے میں گفتگو اور آپ میرے خلاف گواہ

بھی دیں گے تو پھر میں انسپکٹر جمشید کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی ٹھکے

لگا دیتا ہوں..... آپ کے بعد جس شخص کے صدر بننے کے بہت زیادہ

امکانات ہیں..... وہ میرا ننگوٹیا یار ہے..... مجھے بچالے گا..... اس کیسر

میں گرفتار تک نہیں ہونے دے گا..... لیکن پہلے میں انسپکٹر جمشید

نشانیہ بنایاؤں گا۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے فائر جھونک مارا..... انسپکٹر جمشید

تیار تھے..... لوٹ لگا گئے..... پستول کی گولی دیوار سے ٹکرائی..... اور ایک

خوفناک آواز پیدا ہوئی..... کیونکہ یہ ایوان صدر کی دیوار تھی۔

ادھر خفیہ دروازہ کھلا اور چار مسلح آدمی اندر داخل ہوئے..... ان

کے لباس مکمل طور پر بلٹ پروف تھے..... وہ بے تحاشا انداز میں ابرار

خان کی طرف بڑھے..... ابرار خان انہیں دیکھ کر گویا پاگل ہو گیا..... اس

نے اڑھا دھند ان پر فائر کر ڈالے..... لیکن ان کا کچھ نہ بگڑا..... اور وہ

اس کے سر پر پلچ گئے..... انہوں نے اسے جکڑ لیا۔

”اسے ایوان صدر کی حوالات میں ڈال دو۔“

”اوہ کے سر..... وہ بولے۔

”صدر صاحب! یہ آپ اچھا نہیں کر رہے..... بل چل مچ جائے

..... آپ نہیں جانتے میرے ہاتھ کس قدر لمبے ہیں۔“

”اب ہو ہو گا..... دیکھا جائے گا..... کیا میں آپ کے ہاتھوں گولی

ماریں..... انسپکٹر جمشید کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل کروالوں.....

..... نہیں ہو سکتا۔“

”اب پھر آپ کی حکومت تو گئی..... جو نبی میری گرفتاری کی خبر

..... ساتھیوں کو ملے گی..... وہ طوفان کھڑا کر دیں گے۔“

”اللہ مالک ہے۔“ صدر بولے۔

”ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”ایسا مطلب جمشید..... ایسا کچھ نہیں ہو گا۔“

”ام یہ سارا منظر پہلے ہی ٹی وی پر سارے ملک کے لوگوں کو

..... دکھائی دے گا۔“ ہ مسکرائے۔

”کون سا منظر؟“

”یہاں جو کچھ ہوا ہے۔“

”کیوں..... کیا یہاں تم وڈیو فلم بناتے رہے ہو۔“ ابرار خان



”میں نہیں بناتا رہا۔۔۔ خود کار کیمرے بناتے رہے ہیں۔۔۔ جب لوگ یہ سارا منظر آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔۔۔ تو اس ساتھیوں کا طوفان اٹھانا کچھ کارگر نہیں ہو گا۔۔۔ بلکہ وہ صابن کے جھاڑ کی طرح بیٹھ جائیں گے۔“

”ہاں جشید۔۔۔ میرے ذہن میں بھی یہ بات تھی۔۔۔ لیکن میں ذرا اس کی ڈینگیں سن رہا تھا۔“

اچانک ابرار خان کا چہرہ سفید پڑ گیا۔۔۔ اب اسے معلوم ہوا۔۔۔ قاتلانہ حملے کا پکا مجرم ہو چکا ہے۔۔۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں خفیہ وڈیو کیمرے بھی کام کر رہے ہیں۔۔۔ انہیں یوں لگا جیسے ایک لخت اس کی ساری اکڑ ہوا ہو چکی ہو۔

”اور۔۔۔ اب صاحب صدر۔۔۔ میں اس بلیک میلر سے وہ فائدہ بھی حاصل کروں گا اور جو کام بلیک میلر نہیں کر رہا۔۔۔ اب وہ ہم کر رہے گے۔۔۔ وہ اخبارات میں شائع کرائیں گے۔“

”نہیں نہیں۔“ وہ چلا اٹھا۔

”اب یہی ہو گا۔۔۔ تم تو مجھے تک گولی کا نشانہ بنانے چلے تھے۔ اس قدر جرات۔“ صدر گرجے۔

”نہیں نہیں۔۔۔ آپ سودا کر لیں۔۔۔ میں اپنی ساری دولت نصف حصہ آپ دونوں کو دینے کے لیے تیار ہوں۔“

”اچھا۔۔۔ اب ہم رشوت بھی لیں گے۔۔۔ واہ۔“

”میں رشوت نہیں لیتی۔۔۔ ملک اور قوم کے لیے لے لیں۔“

دونوں کو ایک ہلکا لگا۔۔۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔۔۔ اس کے پاس اس کی دولت تھی۔۔۔ ملک اور قوم کے لیے یہ سودا کیا جاسکتا تھا یا

”اے اے ام اس بلیک میلر کو تو پھر بھی گرفتار کریں گے۔۔۔ اس کا تعلق عدالت سے ہو سکتا ہے۔۔۔ اس فائل میں جو اس کے جرائم ہیں۔۔۔ ان کے بارے میں ہم کوئی فیصلہ دیکھے بغیر کرنے کے حق دار ہیں۔“

”بالکل ٹھیک جشید۔۔۔ یہ مجھے لالچ نہیں دے سکتا۔۔۔ لے جاؤ۔۔۔ اور کڑی نگرانی میں رکھو۔۔۔ دیکھو یہ کسی سے ملاقات نہ کرنے پاتے۔“

”او کے سر۔۔۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔“

اور وہ اسے لے گئے۔

صدر اور ایگلز جشید چند لمحے تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

”او کلمہ کرنا ہے جشید۔۔۔ فوراً کر ڈالو۔“

”میں ابھی یہ فلم ٹی وی اسٹیشنوں کو آپ کے احکامات کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔۔۔ اور اس کے ساتھ اپنی خفیہ فورس کو اس کے ساتھیوں



کے پیچھے لگا رہا ہوں۔۔۔ انہوں نے ذرا بھی آئیں بائیں شائیں کرنے کی کوشش کی۔۔۔ تو وہ انہیں قابو میں کر لیں گے۔۔۔

”ٹھیک ہے جمشید۔۔۔ اور اس بلیک میلر کا کیا کرو گے؟“

”اس تک ضرور پہنچوں گا۔۔۔ وہ فائل اخبارات کی زینت کی بنے گی۔“

”بالکل ٹھیک۔۔۔ یہ شخص کسی رعایت کا حق دار نہیں۔“

”آپ فکر نہ کریں سر۔“

اور پھر انسپکٹر جمشید اور ان کی خفیہ فورس اسی وقت حرکت میں آ گئے۔۔۔ ٹی وی پر اعلان بار بار کیا جانے لگا کہ بہت خوفناک مجرم

صدر صاحب نے گرفتار کرایا ہے۔۔۔ اس کی گرفتاری کے خوفناک مناظر ٹی وی پر ٹھیک تین گھنٹے بعد دکھائے جائیں گے۔۔۔ لوگ اس اعلان

سن کر حیران ہوتے رہے۔۔۔ اور ان مناظر کو دیکھنے کے لیے بری طرح بے چین نظر آنے لگے۔۔۔ اس طرح یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح

پورے ملک میں پھیل گئی۔۔۔ ادھر انسپکٹر جمشید کی خفیہ فورس کے کارکن ابرار خان کے تمام دوستوں اور ساتھیوں کے آس پاس خفیہ طور

پر منڈلانے لگے۔۔۔ لیکن انہوں نے انہیں احساس نہ ہونے دیا۔۔۔ ابھی تک وہ بے خبر تھے۔۔۔ ابرار خان کی گرفتاری بالکل خفیہ رکھی گئی تھی۔۔۔

اس کے گھر والوں تک کو بھی پتا نہیں چلا تھا۔۔۔ اور پھر ٹی وی پر پروگرام کا وقت ہو گیا۔۔۔ کیسٹ لگا دی گئی۔۔۔ پروگرام نشر ہونے لگا۔۔۔

اس ملاقات کو حیرت زدہ انداز میں دیکھنے لگے۔۔۔ پہلے فائل کے

۔۔۔ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ بلیک میلر کو ضرور ساتھ میں گرفتار کریں

۔۔۔ اس کے بعد لوگوں نے ابرار خان کو پستول نکال کر انسپکٹر جمشید پر

۔۔۔ ایک ایک جملہ وہ غور سے

۔۔۔ ابرار خان ملک کا بہت بڑا سیاسی لیڈر بھی تھا۔۔۔ اس کی

۔۔۔ پارٹی کے لوگ تو بت بنے ان مناظر کو دیکھ

۔۔۔ اور پھر اس وقت تو لوگوں کے ہوش اڑ گئے جب اس نے

۔۔۔ اب تو لوگ سکتے میں آ گئے۔۔۔ پھر ابرار خان نے انسپکٹر جمشید

۔۔۔ اس کے بعد محافظ اندر داخل ہوتے نظر آئے۔۔۔

۔۔۔ اس نے ان محافظوں پر پستول خالی کر دیا۔۔۔ اس کے بعد اسے جکڑ لیا

۔۔۔ پھر انسپکٹر جمشید کی آواز لوگوں کو سنائی دینے لگی۔

۔۔۔ ”میرے عزیز ہم وطنو۔۔۔ آپ کا کیا خیال ہے۔۔۔ ایسے شخص کو

۔۔۔ یا اس پر مقدمہ چلانا چاہیے۔۔۔ آپ لوگ

۔۔۔ اپنے بیانات ضرورت دیں۔۔۔ کل کے اخبارات عوام کے

۔۔۔ تمام اخبارات صرف اور صرف خیالات شائع

۔۔۔ حکومت اپنے ہم وطنوں کے خیالات کو اہمیت دیتی ہے۔۔۔

۔۔۔



اب انپکڑ جشید گھر آئے۔۔۔ محمود، فاروق اور فرزانه غائب تھے۔۔۔ اور بیگم جشید کو بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ اس وقت کہاں گئے۔۔۔ وہ صرف اتنا بتا سکیں کہ کچھ دیر پہلے عامر جمالی کے بچوں انہیں بلایا تھا۔۔۔ اس کے بعد وہ کہاں گئے۔۔۔ انہیں نہیں معلوم انپکڑ جشید نے پہلے سوچا کہ عامر جمالی کے گھر فون کر کے معلوم کریں۔۔۔ لیکن پھر اس کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے لائبریری طرف بڑھ گئے۔

”کھانا نہیں کھائیں گے۔“

”نہیں۔۔۔ اس وقت کھانے سے زیادہ ضروری ایک کام ہے۔“  
آپ نے خبریں نہیں سنی ہوں گی تو پروگرام کیا دیکھتیں۔۔۔ خیر۔۔۔ پھر وقت تفصیل بتاؤں گا۔

یہ کہ کر وہ لائبریری میں آ گئے۔۔۔ اپنی ڈائری نکالی اور مختلف تقریبات کی تفصیل نوٹ کرتے چلے گئے۔۔۔ صرف ان تقریبات کی جن میں وہ ڈیوٹی پر تھے۔۔۔ اس سال کے دوران ایسی کل سات تقریبات ہوئی تھیں۔۔۔ گویا انہیں ان تقریبات کے کرنے والوں سے ملاقات کر تھی۔۔۔ ان میں سے ایک کی آواز اس بلیک میلر کی آواز تھی۔۔۔ گویا خود بلیک میلر تھا۔

وہ پہلے شخص کے گھر پہنچے۔۔۔ ان کا نام عرفان غازی تھا۔۔۔ ایک بڑے سرکاری آفیسر تھے۔۔۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے انہیں

دعا کرتے ہوئے۔۔۔

”اسی آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

”آپ نے لی وی، ابرار خان والا پروگرام دیکھا؟“

”اگر دیکھا۔۔۔ میں تو حیرت زدہ رہ گیا۔۔۔ اس قدر خوفناک

۔۔۔ وہ اس قابل ہے کہ اس پر باقاعدہ مقدمہ چلے اور

۔۔۔“

”آپ کے خیالات جان کر از حد خوشی ہوئی۔“ یہ کہ

۔۔۔

”ارے۔۔۔ آپ اٹھ کیوں رہے ہیں؟“

”اس آپ کے خیالات جان لیے۔“

”لیکن آپ ایلیس تو سہی۔۔۔ چائے منگواتا ہوں۔“

”فوری بات! میں چائے صرف اپنے وقت پر پیتا ہوں۔“

”اوہ اچھا۔۔۔“

وہ وہاں سے نکل کر دوسرے کی طرف روانہ ہوئے۔۔۔ دوسرے

کا نام تھا۔۔۔ ایک تھا۔۔۔ یہ ایک بہت نیک نام سیاسی لیڈر تھے۔۔۔ انہوں

نے اپنی زندگی میں ان کا استقبال کیا۔۔۔ اسی طرح چند باتیں کرنے

۔۔۔ ان کا مقصد تو

۔۔۔

۔۔۔ ان کا نام فوری تھا۔۔۔ یہ بنکوں کی یونین کے صدر تھے۔۔۔



اور اکثر تقریبات کراتے رہتے تھے۔ انپکٹر جمشید کو دیکھتے ہی ان پیشانی پر لکیریں ابھر آئیں۔ ناخوشگوار انداز میں بولے۔  
”فرمائیے۔۔۔ کیسے آتا ہوا؟“

یہ آواز سن کر انہیں ایک جھٹکا لگا۔۔۔ یہ وہی آواز تھی۔۔۔  
ابراہیم خان سے فون پر بات کر چکی تھی۔  
”بہت ضروری کام۔“ وہ بولے۔

”لیکن میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔۔۔ آپ پھر کسی وقت آئیں۔“

”ہوری! میں ایک بلیک میلنگ کے کیس پر کام کر رہا ہوں اس کیس میں اب قاتلانہ حملہ بھی شامل ہو چکا ہے۔۔۔ لہذا آپ کو اور اسی وقت بات کرنا ہوگی۔“

”اور اگر میں نہ کروں؟“ اس نے بھنا کر کہا۔  
”اسی صورت میں یہ ملاقات زبردستی ہوگی۔“

”آپ جانتے ہیں۔۔۔ آپ کس سے بات کر رہے ہیں۔“  
”جی ہاں! تمام بینکوں کی یونین کے صدر سے۔“  
”اور پھر بھی آپ اس لمحے میں بات کر رہے ہیں۔“

”آپ اگر ملاقات کے لیے تیار نہیں تو پھر میں آپ کی کوٹھی تلاشی لوں گا۔“ انپکٹر جمشید نے جیسے اس کا جملہ سنا ہی نہیں۔  
”نک۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا کہا آپ نے؟“ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

اس کا ہوا سرخ ہو گیا۔

”کیا میری بات بری لگی؟“ وہ مسکرائے۔

”ہری نہیں۔۔۔ زہر لگی۔۔۔ تم اور میری کوٹھی کی تلاشی لو گے۔۔۔“  
”اوہ! کے دامن کو۔“

”آپ ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔“ انپکٹر جمشید کی سرد آواز ابھری،  
”اوہ! ہاتھ ہاتھ میں نظر آیا۔“

”اوہ! تو لوہت یہاں تک آگئی۔۔۔ بہت خوب۔۔۔ انپکٹر تم نے اپنی آواز کو آواز دی ہے۔“

”ہاں موت سے بھی ملاقات ہو جائے گی اس بہانے۔“ وہ مسکرائے۔

اس نے تالی بجا دی۔۔۔ فوراً دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دے گی۔۔۔ دس مسلح افراد داخل ہوئے۔۔۔ اور انہوں نے انپکٹر کو گھیر لیا۔

”اسے لے جاؤ۔۔۔ خانے میں ڈال دو۔۔۔ تہ خانے میں ڈالنے کے بعد گولیوں کی بارش کر دینا۔۔۔ نہ رہے گا بانس نہ بچے گی بانسری۔“  
”او گے سر۔“ وہ ایک ساتھ بولے۔

”اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا جناب۔“ انپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

ان کے سکون میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں آیا تھا۔۔۔ اس بات نے



فوزی بھائی کو پریشان کر دیا۔۔۔ آخر اس نے کہا۔

”کیا کہنا چاہتے ہو انپکٹر؟“

”آپ جو قدم اٹھا رہے ہیں، مسئلے کا حل یہ نہیں ہے۔“

”تب پھر؟“

”آپ مجھ سے بیٹھ کر بات کر لیں۔۔۔ ان لوگوں کو باہر بھیج

دیں۔۔۔ اس لیے کہ میرے یہاں موجود ہونے کے بارے میں بہت سے

لوگوں کو معلوم ہے۔۔۔ اگر یقین نہیں تو میں چند نمبر آپ کو دے

ہوں۔۔۔ ان پر فون کر کے اپنا نام بتا کر پوچھ لیں کہ انپکٹر جمشید کہاں

ہیں۔۔۔ جواب ملے گا۔۔۔ مسٹر فوزی بھائی۔۔۔ وہ آپ کے ہاں موجود

ہیں۔“

”نہیں۔“ وہ گڑبڑا گیا۔

”تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے؟“ انپکٹر جمشید مسکرائے۔

”اچھی بات ہے۔۔۔ نمبر دیں۔“

انہوں نے تین فون نمبرز نوٹ کروا دیے۔۔۔ فوزی بھائی نے پہلے

نمبر پر فون کیا، جواب ملنے پر اس نے کہا۔

”میں فوزی بھائی بات کر رہا ہوں۔۔۔ انپکٹر جمشید کہاں ہیں۔“

”آپ کے ہاں۔“

اس نے فوراً فون بند کر دیا۔۔۔ پھر باقی دونوں نمبرز پر بھی فون

کیا۔۔۔ وہاں سے بھی یہی جواب ملا۔۔۔ آخر اس نے اپنے دس مسلح

ادبوں کو جانے کا اشارہ کیا۔۔۔ جب وہ چلے گئے۔۔۔ تو اس نے تھکے

انداز میں کہا۔

”آپ کیا چاہتے ہیں انپکٹر؟“

”وہ فائل؟“ وہ مسکرائے۔

”کون سی فائل؟“

”جس کے ذریعے آپ ابرار خان کو بلیک میل کرنے جا رہے

ہیں۔“

”آپ کو کیسے معلوم کہ ایسی کوئی فائل میرے پاس ہے۔“

”آپ نے فون پر اس فائل کے بارے میں ابرار خان کو بتایا

۔۔۔ اس نے آپ کی آواز ریکارڈ کی تھی۔۔۔ وہ آواز مجھے سنائی گئی۔۔۔

میرے ذہن نے کہا، یہ آواز میں سن چکا ہوں۔۔۔ یہ بات بھی یاد آئی کہ

اس تقریب میں سنی تھی۔۔۔ لہذا میں نے ایسی تمام تقریبات کا انتظام

کرنے والوں سے ملاقات کا پروگرام ترتیب دیا۔۔۔ آپ کے ہاں بھی

تقریب ہوئی تھی۔۔۔ اور میں ڈیوٹی پر تھا۔۔۔ آپ کی آواز سنتے ہی میں

آ گیا۔۔۔ وہ آپ ہی ہیں۔“

”آواز بدل کر بھی تو بات کی جاسکتی ہے۔“

”جی ہاں! یہ بھی ہے۔۔۔ لیکن میں بدلی ہوئی آواز کو بھی پہچان لیا

ہوں۔۔۔ اب اگر آپ یہ کہیں گے کہ نہیں۔۔۔ آپ کے پاس ایسی

فائل نہیں ہے اور نہ آپ بلیک میل کرنے کا پروگرام رکھتے



تھے.... تو میں آپ کی کوٹھی کی تلاشی لوں گا۔

”اور اس کے لیے آپ کے پاس وارنٹ ہونے چاہئیں  
تلاشی کے۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”وہ میں ابھی منگا لیتا ہوں۔“

”باہر جا کر منگائیں۔“ اس نے منہ بنایا۔

”تاکہ آپ فائل ادھر ادھر کر دیں۔“ وہ بولے۔

اس نے گھور کر ان کی طرف دیکھا.... پھر بولا۔

”یہ سراسر الزام ہے کہ میں کسی کو بلیک میل کرنے کا  
رکھتا ہوں.... آپ اس بات کو ثابت کر دیں۔“

”اسی لیے تو تلاشی لینے لگا ہوں۔“

”او کے.... آپ منگالیں یہیں بیٹھے بیٹھے وارنٹ۔“ آخر

نے تنگ آ کر کہا۔

- - انہوں نے فون کیا.... آدھ گھنٹے بعد اکرام اپنے ماتحتوں

ساتھ وہاں پہنچ گیا، اس کے پاس وارنٹ بھی تھے۔

”اب تو کوئی اعتراض نہیں جناب کو۔“

”نہیں! لیکن آپ ایسی کوئی فائل تلاش نہیں کر سکیں گے۔“

”کوئی بات نہیں۔“ وہ مسکرائے۔

پھر انہوں نے کوٹھی کی تلاشی شروع کی.... جلد ہی ایک المیہ

کے خفیہ خانے سے انہوں نے فائل نکال لی.... پھر جونہی انہوں

لاسل کا مطالعہ شروع کیا.... وہ بہت زور سے اچھلے۔

○☆○



کیا

انہوں نے دیکھا کمرے میں داخل ہونے والا ایک خوفناک جرائم پیشہ آدمی تھا۔۔۔ وہ اسے اچھی طرح جانتے تھے۔۔۔ اس کا سوڈانی تھا۔۔۔ اس نے بھی انہیں تیز نظروں سے دیکھا۔۔۔ ایسے میں باہر نکل آئے۔

”اس شخص کو یہاں دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔۔۔ آخر یوں صدر کا اس سے کیا تعلق؟“ محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

”واقعی۔۔۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔“ فاروق بولا۔

”اس کا حل یہ ہے کہ ہم کچھ دیر بعد صدر کو فون پوچھیں گے۔“

”اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔۔۔ اب ذرا پہلے بنک چلتے ہیں۔“

”لیکن بنک مینجر تعاون نہیں کرے گا۔۔۔ یہ لوگ اپنی پار

ساتھ تعاون کرتے ہیں۔“

”دیکھا جائے گا۔“

وہ پہلے بنک کے مینجر سے ملے۔۔۔ اس نے سوالیہ انداز میں

دیکھا۔

”پہلے تو آپ ہمارے کارڈ دیکھ لیں۔۔۔ تاکہ بات کرنے میں

آسانی ہو۔“

اس نے کارڈ کو دیکھا، پھر بولا۔

”اے!۔۔۔ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟“

”میرا مالی صاحب کو آج یا کل۔۔۔ ایک کروڑ کا چیک کیش کرانا۔۔۔ وہ چیک کیش کرانے کے لیے آئیں یا کسی کو بھیجیں۔۔۔ میں فون کر دیتے گا۔“

”سوری! میں ایسا نہیں کر سکتا۔۔۔ اس لیے کہ میرے اطلاع کے بعد اگر کسی ڈاکو نے وہ ایک کروڑ ان سے چھین لیے۔۔۔ تو

”ایسی کوئی بات اگر ہوئی۔۔۔ تو بات آپ پر نہیں آئے گی۔۔۔

”میری کہ تم ان شاء اللہ ایسا نہیں ہونے دیں گے۔“

”سوری! میں آپ کو اطلاع نہیں دے سکوں گا۔“

”اس طرح آپ قانون کی مدد سے انکار کر رہے ہیں۔“

”کوئی بات نہیں۔۔۔ میں اپنے بنک کے قانون کی خلاف ورزی

نہیں کروں گا۔“

”آپ کی مرضی۔“ محمود نے منہ بنایا اور وہ باہر نکل آئے۔

”اس کا اندازہ تو خیر پہلے ہی تھا۔۔۔ دوسرے دو بھی یہی کہیں



ان تک پہنچنے کی کوشش کریں۔۔۔ ہو سکتا ہے انہیں ہماری مدد کی ضرورت ہو۔“

”لیک رہے گا۔“ فاروق اور فرزانہ نے فوراً کہا۔

اور پھر انہوں نے ان تینوں جگہوں پر فون کیا۔۔۔ معلوم ہوا وہ ان کی ہاں میں ہاں ملے۔۔۔ اکرام اور اس کے ماتحت بھی وہیں گئے کسی کی تلاشی لی جائے گی۔“

وہ اسی وقت فوزی بھائی کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔۔۔ ایسے ہی ایک سادہ لباس والے کی طرف سے انہیں فون موصول ہوا۔

”ہاں! کیا بات ہے؟“

”عامر جمالی کی کوٹھی کے باہر ایک بڑی گاڑی آ کر رکی ہے۔۔۔ اس کی جلدی جلدی سامان لادا جا رہا ہے۔۔۔ شاید عامر جمالی کہیں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔“

”انہیں جانے نہ دیا جائے۔۔۔ ہم آ رہے ہیں۔“

”لیکن ہم انہیں کس قانون کے تحت روک سکتے ہیں۔۔۔ ان پر فی الحال کوئی الزام نہیں ہے۔“

”ہوں بات معقول ہے۔۔۔ اچھا ان کا تعاقب شروع کر دو۔۔۔ اور اس ساتھ ہی ہمیں خبر کرتے رہیں۔“

”اوکے۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔۔۔ جلد ہی انہیں اطلاع ملی کہ عامر

گئے۔۔۔ اگر یہ اپنے گاہکوں کے راز بتانے لگے تو ان کے بتکوں میں اپنی دولت رکھے گا۔۔۔ لہذا یہ بھی مجبور ہیں۔۔۔ خیر۔۔۔ اب ہم دو طرح اپنا کام چلانے کی کوشش کریں گے۔“

یہ کہ کر محمود نے چند سادہ لباس والوں کو فون پر ہدایات دیں انہیں بات پوری طرح سمجھائی اور فون بند کر دیا۔

”کیا خیال ہے۔۔۔ ہم اب اس کیس میں فی الحال اور کچھ کر سکتے۔۔۔ تو کیوں نہ گھر کی تیاری کریں؟“

”بالکل ٹھیک۔“

وہ گھر پہنچے۔۔۔ والدہ نے انہیں بتایا کہ ان کے والد آئے تھے لائبریری میں کچھ دیکھا اور پھر کہیں چلے گئے۔۔۔ انہوں نے بھی لائبریری کا رخ کیا۔۔۔ وہاں انہیں نوٹ بک کھلی نظر آئی۔۔۔ اس کو اٹھا کر وہ ان کے لیے نوٹ لکھا ہوا تھا۔

”میں ان تین آدمیوں کو ملنے جا رہا ہوں۔۔۔ واپس نہ لوٹوں فوری طور پر ان تینوں کو چیک کیا جائے۔۔۔ اور خفیہ فورس کو پہلے دیا جائے کہ میں کہاں ہوں۔“

انہوں نے فوراً یہ کام شروع کر دیا۔۔۔ فارغ ہو کر محمود کہا۔

”اس کا مطلب ہے۔۔۔ ان تینوں میں سے کسی ایک کے ضرور انہیں کوئی خطرہ ہے۔۔۔ ورنہ وہ یہ نوٹ نہ لکھتے۔۔۔ تو کیوں نہ



جمالی اس گاڑی میں روانہ ہو رہے ہیں۔۔۔ ان کے ساتھ ان کے گھر  
افراد بھی ہیں اور سامان بھی۔“

”بہت خوب! ہم آ رہے ہیں۔۔۔ فون پر سلسلہ قائم رکھنا۔“  
”بہت بہتر سر۔“

اب وہ اس سمت میں روانہ ہوئے۔۔۔ جس طرف عامر جمالی  
گاڑی جا رہی تھی۔

”کیا یہ شخص ملک سے فرار ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔“  
”کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“ فرزانہ بولی۔

تعاقب جاری رہا۔۔۔ ایک گھنٹے کے سفر کے بعد۔۔۔ وہ شہر سے  
ایک ڈاک بنگلے کی طرف مڑ گئے۔۔۔ انہوں نے بھی اپنی گاڑی اسی  
میں موڑ دی۔

”یہ ڈاک بنگلہ شاید ان کا ذاتی ہے۔۔۔ اور اب یہ یہاں چھپ  
رہنا چاہتے ہیں۔۔۔ یا تو اس بلیک میل سے یا پھر ہم سے۔“

”اس سے نہیں۔۔۔ ہم سے۔۔۔ اسے تو یہ رقم ادا کرنا چاہ  
ہیں۔۔۔ اس سے تو یہ خوف زدہ ہیں۔۔۔ یہ چاہتے ہیں، ہم اس معا  
سے الگ تھلگ رہیں۔“

”ہوں اور یہ یہاں رہ کر بنک سے رقم نکوائیں گے۔۔۔  
ہمیں پتہ نہ چلے۔۔۔ لیکن یہ اس میں بھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے  
ہم جان کر رہیں گے۔۔۔ کہ رقم یہ کس طرح ادا کریں گے اس بلیک

”اس تو پھر اس ڈاک بنگلے کے نزدیک جانے کی کیا ضرورت  
ہم یہاں بھی سادہ لباس والے مقرر کر دیتے ہیں اور خود فوزی  
جمالی کے پاس جاتے ہیں۔“ محمود نے کہا۔

”اٹھک۔“ دونوں بولے اور پھر انہوں نے ایسا ہی کیا۔۔۔  
والوں کو مقرر کیا اور اچھی طرح سمجھا کر وہ پھر شہر کی طرف

وہ۔۔۔ شہر پہنچے تو فوزی بھائی کی طرف چل پڑے۔۔۔ دروازے  
پہنچے۔۔۔ انہیں آرام کے چند ماتحت نظر آئے۔۔۔ وہ انہیں دیکھ کر مسکرائے۔

”ایسا معاملہ ہے بھی۔“

”انپکڑ صاحب اس کو ٹھی کی تلاشی لے رہے ہیں۔“

”اوہ اچھا۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ ہم بھی اندر جائیں گے۔“

”بہت اچھا۔“ یہ کہہ کر اس نے گھٹی بجا دی۔۔۔ فوراً ہی ایک

سادہ لباس والا باہر آیا۔۔۔ اور انہیں دیکھ کر بول اٹھا۔

”آہائیں۔۔۔ آپ بھی، فائل مل گئی ہے۔“

”فائل مل گئی ہے۔“

”ہاں! فائل مل گئی ہے۔۔۔ جس فائل کی تلاش میں انپکڑ

صاحب تھے۔۔۔ وہ مل گئی ہے۔“

”اوکے۔“ وہ بولے اور اندر داخل ہو گئے۔

انپکڑ جمشید نے ان پر ایک نظر ڈالی۔۔۔ اور پھر فائل میں کھو



گئے۔۔۔ ان کی حیرت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔۔۔ آخر انہوں  
اکرام سے کہا۔

”فوزی بھائی کو گرفتار کر کے دفتر لے چلو اکرام۔۔۔ یہ بلیک  
ثابت ہو گئے ہیں، اس فائل میں ابرار خان کے خلاف بہت خوفناک  
مواد موجود ہے۔۔۔ اس کو پڑھ کر حیرت ہو رہی ہے۔“  
”کیا ہم بھی اس فائل کو دیکھ سکتے ہیں اباجان؟“ محمود نے  
چہین ہو کر کہا۔

”پہلے تم بتاؤ۔۔۔ تم کہاں رہے؟“  
”ہم بھی بلیک میلنگ کے ایک کیس میں الجھے ہوئے ہیں۔“  
”اوہو اچھا۔۔۔ کمال ہے۔۔۔ یہ ایک وقت میں ایک جیسے  
ہمیں کس طرح مل جاتے ہیں۔“ انپکٹر جشید مسکرائے۔  
”اللہ کی مہربانی سے۔“ فاروق نے فوراً کہا۔  
”جواب معقول ہے۔۔۔ اب ہم ذرا صدر صاحب کے پاس  
رہے ہیں۔۔۔ تم راستے میں اس فائل کا مطالعہ کر لینا۔“  
”جی بہت بہتر۔“

اس طرح وہ صدر صاحب کے پاس پہنچ گئے۔۔۔ راستے میں  
پوری فائل دیکھ چکے تھے اور انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان  
اور فوزی بھائی کا معاملہ ایک ہی ہے۔۔۔ اور اس کا مطلب یہ تھا کہ  
بلیک میلر فوزی بھائی ہی ہے۔۔۔ جو عامر جمالی کو بھی بلیک میل کر

۔۔۔ کہہ کہہ انداز بالکل ایک جیسا تھا۔۔۔ گویا یہ کیس اب ختم ہونے  
کا پہلا لمحہ تھا۔۔۔ مجرم ان کے ہاتھ لگ چکا تھا۔۔۔ یہ خیالات تھے ان

صدر نے ان کے چہروں کی طرف دیکھا اور فکر مندانہ انداز میں  
کہا۔۔۔ کوئی خاص کامیابی حاصل کی ہے تم لوگوں نے۔“  
”آپ کا اندازہ درست ہے۔“

”ابن میرا اندازہ تمہارا اندازہ نہیں۔“ صدر مسکرائے۔  
وہ اسی جواب میں مسکرا دیے۔۔۔ پھر انہوں نے فوزی بھائی کے  
بارے میں انہیں بتایا۔ کوٹھی کی تلاشی لینے پر فائل ملنے کے  
بارے میں بتایا اور بولے۔  
”آپ آپ پہلے ابرار خان کو یہاں بلا لیں۔۔۔ اس کی موجودگی  
ضروری ہے۔“  
”اوہ اچھا۔“ انہوں نے کہا اور ابرار خان کو لانے کی ہدایت

ابرار خان آیا تو اس کا چہرہ بہت مرجھایا ہوا تھا۔۔۔ ساری اکڑفوں  
الٹ ہو چکی تھیں۔  
”آپ کو یہ جان کر خوشی ہو گی کہ ہم نے آپ کے بلیک میلر  
کو فائل حاصل کر لی ہے۔“



”اوہ.... اوہ تم نے اسے پڑھا تو نہیں؟“

”پڑھے بغیر اگر وہ فائل آپ کے حوالے کر دی جائے تو آ“

اس فائل کے بدلے ہمیں کیا دے سکتے ہیں؟“ انسپٹر جمشید نے مذا  
اڑانے کے انداز میں کہا۔

”اپنی نصف دولت“

”بس! یہ تو بہت کم ہے جناب۔“

”اپنی تین چوتھائی دولت“۔ اس نے تنگ آکر کہا۔

”بس! یہ تو بہت کم ہے۔“

اچھا! میں اپنی دولت کا نوے فیصد حصہ دینے کے لیے تیار

ہوں.... دس فیصد میں رکھ لیتا ہوں۔“

”لیکن آپ تو جیل میں ہوں گے.... کیا کریں گے دس فیصد

کا۔“

”جیل میں کیوں.... نوے فیصد دولت لے کر آپ مجھے رہا

دیں گے اور فائل میرے حوالے کر دیں گے۔“

”نہیں جناب! آپ قاتلانہ حملے کے مجرم ہیں.... آپ کو جیل

جانا ہو گا.... ہاں سو فیصد دولت اگر آپ ہمیں دینے کے لیے تیار ہیں

ہم صرف ایک رعایت کر سکتے ہیں آپ سے۔“

”اور وہ کیا؟“ اس نے فوراً کہا۔

”آپ اپنے جرائم کا اقرار ٹی وی پر سب کے سامنے کریں۔“

اور سزا قوم آپ کے لیے تجویز کرے.... ہم آپ کو سزا دے دیں  
اگر وہ آپ کو معاف کر دے تو ہم بھی جیل میں نہیں رکھیں

”نہیں.... نہیں۔“ اس نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

”آپ اپنے جرائم قوم کو بتانے کی ہمت نہیں رکھتے۔“

”نہیں۔“ اس نے کہا۔

”والی.... جرائم اس قدر گھناؤنے ہیں کہ آپ کیا.... ہم بھی

جیل کی سزا نہیں رکھتے.... لیکن اب بتانے تو ہوں گے.... یہ فائل

اخبارات میں شائع کریں گے.... اور آپ کی دولت کا کیا ہے.... وہ

آپ ہمارے اس حکومت کی ملکیت بن چکی ہے۔“

”میں.... مجھے بلیک میل کون کر رہا تھا؟“ اس نے حیران ہو کر

”اکی ام ان صاحب کو بھی آپ کے سامنے لاتے ہیں.... آپ

کی ضرورت ہوگی۔“

یہ کہہ کر انسپٹر جمشید نے دروازے پر موجود مسلح پہرے داروں کو

دعا کی.... ان میں سے دو باہر گئے اور فوزی بھائی کو لے آئے۔

ابا رطان فوزی بھائی کو دیکھ کر بہت زور سے اچھلا۔

”والی.... تم.... یہ تم ہو.... بلیک میل.... خدا.... بے ایمان....

ابا رطان سب سے بڑے ہمدرد بنتے تھے.... میری پارٹی میں ایک اعلیٰ



عمدہ ہے تمہارا۔۔۔ اور تم ہی مجھے بلیک میل کر رہے تھے؟“

”ہاں! ابرار خان۔۔۔ یہ میں ہی تھا۔۔۔ میری شروع سے سو تھی کہ پارٹی کالیڈر میں بنوں۔۔۔ سو میں نے سوچا۔۔۔ تمہارے کارنامے جمع کیے جائیں۔۔۔ تاکہ ان کو اخبارات میں شائع کر جائے۔۔۔ اس طرح پارٹی سے تمہیں الگ کر دیا جاتا اور میرا کام آ ہو جاتا۔“ اس نے کہا۔

”لیکن۔۔۔ تم یہ فائل کس طرح تیار کر سکتے تھے۔۔۔ یہ راز نہیں کہ تم ان کو جمع کر سکتے۔۔۔ یہ تو ایسی باتیں ہیں۔۔۔ جن کو علاوہ کوئی نہیں جانتا۔“

”تب پھر فائل کس طرح تیار ہو گئی۔“ انپکٹر جمشید نے ہو کر کہا۔

”اسی بات پر تو میں حیران ہوں۔“  
 - ”اور مجھے اس بات پر حیرت نہیں ہے۔“ فوزی بھائی نے کہا  
 ”کیا مطلب؟“ وہ سب چلائے۔

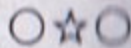
”ہاں میں اس بات پر حیران نہیں ہوں۔“  
 ”کیا کہ رہے ہو فوزی۔“ ابرار خان نے چیخ کر کہا۔  
 ”یہ فائل میں نے تیار نہیں کی۔“ فوزی بولا۔  
 ”کیا مطلب، تم نے تیار نہیں کی؟“ وہ ایک ساتھ بولے۔  
 اب ان کی حیرت کئی گنا بڑھ گئی۔۔۔ آنکھیں پھیل گئیں۔

”ہاں! میں نے تیار نہیں کی۔“  
 ”کیا کہ رہے ہو فوزی۔“ ابرار خان نے چیخ کر کہا۔  
 ”یہ فائل میں نے تیار نہیں کی۔“ فوزی بولا۔

”کیا مطلب، تم نے تیار نہیں کی؟“ وہ ایک ساتھ بولے۔

”ہاں! میں نے تیار نہیں کی۔“ ابرار خان نے چیخ کر کہا۔  
 ”یہ فائل میں نے تیار نہیں کی۔“ فوزی بولا۔  
 ”کیا مطلب، تم نے تیار نہیں کی؟“ وہ ایک ساتھ بولے۔  
 اب ان کی حیرت کئی گنا بڑھ گئی۔۔۔ آنکھیں پھیل گئیں۔

”اب اس وقت محمود کے موبائل کی گھنٹی بجی۔“





## نامعلوم باس

وہ سب چونک اٹھے۔ فون کی گھنٹی کی طرف تو کسی کا دم تک نہ گیا۔۔۔ ادھر گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔۔۔ پھر جیسے سب سے انپکٹر جمشید کو ہوش آیا۔۔۔ انہوں نے محمود سے کہا۔  
”محمود۔۔۔ فون سن لو۔“

محمود نے چونک کر ریسیور کان سے لگا لیا۔۔۔ دوسری طرف لباس والا تھا، وہ کہہ رہا تھا۔  
”مہاجر جمالی کے ڈاک بنگلے کی طرف ایک بڑی گاڑی آئی۔ اس میں دس کے قریب مسلح آدمی موجود ہیں۔۔۔ اب ہمارے حکم ہے؟“

”صرف نگرانی کرو۔۔۔ ہم جلد آنے کی کوشش کریں گے۔“  
”اوکے سر۔“ کہا گیا اور فون بند کر دیا گیا۔

محمود نے انہیں یہ خبر سنائی۔۔۔ انہوں نے سر ہلا دیے۔۔۔ فوزی کی طرف مڑے۔  
”آپ نے کیا بتایا مسٹر فوزی بھائی۔۔۔ کسی نے آپ کو فون

کے پاس ایک فائل ہے۔۔۔ اس فائل میں ابرار خان کے خلاف۔۔۔ کہ اگر وہ حکومت کے ہاتھ لگ جائے تو ابرار خان۔۔۔ اس نے فائل چلا جائے گا۔  
”اس میں اس نے کیا تھا۔“

”اب اس کا سودا کرنا چاہتا تھا۔۔۔ یعنی میرے ہاتھ فروخت۔۔۔ اس نے فائل خرید لی۔“

”اب اس نے۔۔۔ ان کے منہ سے نکلا۔۔۔ پھر انپکٹر جمشید نے کہا۔  
”اب اس نے۔۔۔ آپ ابرار خان سے حاصل کرنا چاہتے تھے۔“  
”اب اس نے سوچا تھا۔۔۔ پہلے اپنی رقم اس سے وصول کر۔۔۔ اس طرح یہ نہ گھر کا رہے گا نہ۔۔۔ تم مجھے کتا کہہ رہے ہو۔“

”اس نے اس فائل کو پڑھا ہے۔۔۔ اس نے تو صرف پارٹی کا۔۔۔ لیکن میں ملک فروش۔۔۔ تم لوگوں کو لعنت بھیجتا ہوں۔“



ابرار خان کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔

”یہ ٹھیک ہے۔۔۔ اس فائل سے یہ بات ثابت ہو گئی  
بڑی رقبوں کے بدلے ملک کے راز دشمن ملک شلو جستان  
کرتے رہے ہو۔“

اس سے کوئی جواب نہ جڑ سکا۔۔۔ پھر ان دونوں کو  
بند کر دیا گیا۔۔۔ اور صدر صاحب کے کمرے میں کچھ دیر کے  
کا سناٹا طاری ہو گیا۔

”یہ۔۔۔ یہ سب کیا ہے جمشید۔۔۔ وہ بلیک میلر کون  
کے پاس یہ معلومات کیسے آ جاتی ہیں۔“

”یہی اس کیس کا سب سے عجیب پہلو ہے۔“ وہ بڑبڑا

”ہم نے تو خیال کیا تھا۔۔۔ فوزی بھائی ہی مجرم ہے

کیس اب ختم ہے۔۔۔ لیکن کیس تو ابھی شاید شروع بھی

کیونکہ اصل مجرم کی تو ہم ابھی تک گرد کو بھی نہیں پہنچے۔“

”تب پھر آؤ۔۔۔ ذرا عامر جمالی کی طرف چلیں۔۔۔

سہی۔۔۔ وہاں کیا معاملہ ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔ اسے اصل مجرم

میل کر رہا ہو۔“

”اوہ ہاں۔۔۔ واقعی۔“

”اور پھر وہ اسی وقت عامر جمالی کی طرف روانہ ہو گئے

بنگلے کے پاس پہنچے تو سادہ لباس والے ان کے نزدیک آ گئے۔

”اگر وہ ہمیں ساقی بنگلے میں داخل ہو چکے ہیں۔۔۔ اس لیے کہ

اس آئی کی داخل ہو گئے تھے۔“

”اگر وہ داخل ہوئے تھے۔“

”اس کی سیڑھی کے آریٹے۔۔۔ سیڑھی وہ ساتھ لائے تھے۔“

”اگر وہ۔۔۔“

”اگر وہ بنگلے کی طرف دوڑ لگا دی۔۔۔ سیڑھی اسی طرح لٹکی

انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔۔۔ اوپر چڑھتے چلے گئے۔۔۔

”اگر وہ۔۔۔“

”اگر وہ اس کے آریٹے اتر گئے۔۔۔ ساتھ ہی سرد آواز سنائی دی۔“

”اگر وہ۔۔۔“

”اگر وہ۔۔۔“

”اگر وہ۔۔۔“

”اگر وہ۔۔۔“

”اگر وہ۔۔۔“

”اگر وہ۔۔۔“

”اگر وہ۔۔۔“

”اگر وہ۔۔۔“

”اگر وہ۔۔۔“

”اگر وہ۔۔۔“



”میں نے کہا نہیں.... خاموش رہو۔“

”اوہ.... اچھا.... اب ہم کچھ نہیں بولیں گے۔“

پھر انپکٹر جمشید کے پستول سے پانچ گولیاں نکلیں اور ان دماغوں میں اتر گئیں.... پستول بے آواز تھا.... نشانہ انپکٹر جمشید کی ایک گولی بھی ضائع نہیں گئی.... وہ گرتے چلے گئے.... ساتھ ہی ان جمشید نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور اس کمرے کے دروازے سے نکلے.... جس میں باقی لوگ تھے۔

دروازہ دوسری طرف جا گرا.... اندر موجود لوگ اچھل پڑے اور انہوں نے دیکھا عامر جمالی اور گھر کے دوسرے لوگ بری طرح بندھے پڑے ہیں.... باقی پانچ آدمی کلاشن کوفیں منجھالے کھڑے تھے اس نئی صورت حال نے انہیں بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا.... انہوں نے کلاشن کوفوں کا رخ فوراً ان کی طرف کر دیا۔

”یہ سب کیا ہے بھئی.... آپ لوگوں نے انہیں کیوں بائیں ہے؟“ انپکٹر جمشید نے برا سامنہ بنایا۔

”اب تمہیں بھی باندھیں گے.... ارے.... مم.... مگر.... ہمارے پانچ ساتھیوں کو کیا ہوا.... انہوں نے تم لوگوں کو کیوں نہیں روکا۔“

”وہ بے چارے اب اس دنیا میں نہیں رہے.... ہاں ان لاشیں ضرور اس دنیا میں ابھی پڑی ہیں۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”کیا!!!“ وہ دھاڑے.... اور دروازے کی طرف دوڑے....

”میں نے کہا نہیں.... خاموش رہو۔“

”اوہ.... اچھا.... اب ہم کچھ نہیں بولیں گے۔“

پھر انپکٹر جمشید کے پستول سے پانچ گولیاں نکلیں اور ان دماغوں میں اتر گئیں.... پستول بے آواز تھا.... نشانہ انپکٹر جمشید کی ایک گولی بھی ضائع نہیں گئی.... وہ گرتے چلے گئے.... ساتھ ہی ان جمشید نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور اس کمرے کے دروازے سے نکلے.... جس میں باقی لوگ تھے۔

دروازہ دوسری طرف جا گرا.... اندر موجود لوگ اچھل پڑے اور انہوں نے دیکھا عامر جمالی اور گھر کے دوسرے لوگ بری طرح بندھے پڑے ہیں.... باقی پانچ آدمی کلاشن کوفیں منجھالے کھڑے تھے اس نئی صورت حال نے انہیں بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا.... انہوں نے کلاشن کوفوں کا رخ فوراً ان کی طرف کر دیا۔

”یہ سب کیا ہے بھئی.... آپ لوگوں نے انہیں کیوں بائیں ہے؟“ انپکٹر جمشید نے برا سامنہ بنایا۔

”اب تمہیں بھی باندھیں گے.... ارے.... مم.... مگر.... ہمارے پانچ ساتھیوں کو کیا ہوا.... انہوں نے تم لوگوں کو کیوں نہیں روکا۔“

”وہ بے چارے اب اس دنیا میں نہیں رہے.... ہاں ان لاشیں ضرور اس دنیا میں ابھی پڑی ہیں۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”کیا!!!“ وہ دھاڑے.... اور دروازے کی طرف دوڑے....



دیکھو۔۔۔ نامعلوم باس کی بات کرنے لگتا ہے۔۔۔ ہے کوئی تک۔۔۔ فاروق نے جلے کئے انداز میں کہا۔

”نہیں خیر۔۔۔ تک تو اس بات میں واقعی کوئی نہیں ہے۔۔۔ میں فاروق کی تائید کرتا ہوں۔۔۔ محمود مسکرایا۔

”خدا کا شکر ہے۔۔۔ تم نے بھی میری کسی بات کی تائید کی۔۔۔ آج تک کا ریکارڈ توڑ دیا۔“ فاروق خوش ہو کر بولا۔

”نن نہیں تو۔۔۔ میں نے تو نہیں توڑا ریکارڈ۔“ محمود نے بولا۔

”توبہ ہے۔۔۔ ہاں تو میاں کیا کام کی بات ہو رہی تھی۔“

”نامعلوم باس کی بات۔“

”ہاں جناب۔۔۔ آپ کا وہ نامعلوم باس کون ہے؟“ فاروق نے بلند آواز میں پوچھا۔

”خدا ہو گئی۔۔۔ جب وہ ہے ہی نامعلوم تو ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔“

ایک نے جل کر کہا۔

”بتا دیتے تو اچھا تھا۔۔۔ خیر آپ کی مرضی۔“ فاروق نے کہا۔

”آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے؟“ ایک نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ شک اور بھی بہت سے لوگوں کو گزر چکا ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

”کون سا شک؟“ اس نے فوراً پوچھا۔

”کہ میرا دماغ ٹھیک ہے۔“

”خدا ہو گئی۔۔۔ آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟“ وہ چیخ پڑا۔

”بتا دیں۔۔۔ آپ عام جمالی کو کیوں ہلاک کرنا چاہتے تھے؟“

”اس کا حکم۔“

”اور باس کیوں یہ کام کرنا چاہتا ہے؟“

”اس کو معلوم ہے۔“

”اور باس نامعلوم ہے۔“ محمود تڑ سے بولا۔

”ہاں! یہی بات ہے۔“

”خدا ہو گئی۔“ فرزانہ نے جل کر کہا۔

”فیو۔۔۔ اب آپ لوگ اپنے بارے میں بتا دیں۔۔۔ آپ اس

نام باس کے لیے کب سے کام کر رہے ہیں۔۔۔ وہ آپ سے کیا کام

۔۔۔ اور آپ کو کیا تنخواہ دیتا ہے اور کس طرح ادا کرتا ہے۔۔۔

آپ لوگ رہتے کہاں کہاں ہیں۔۔۔ یہ سب باتیں بھی آپ بتا سکتے

ہیں یا نہیں بتا سکتے؟“

”ہاں! واقعی۔۔۔ یہ باتیں ہم ضرور بتا سکتے ہیں۔“

”بہت خوب! چلئے پھر یہی بتا دیں۔۔۔ اس کے بعد ہم سوچیں

کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔“ محمود نے سرد آہ بھری۔

”تو یہ ابھی کیوں نہیں سوچ لیتے؟“

”مشورہ کر کے سوچیں گے۔“ فاروق ہنس دیا۔



”کیا کہا۔۔۔ مشورہ کر کے سوچیں گے۔“ ایک نے حیران کہا۔  
 ”مطلب یہ کہ مشورہ کریں گے۔۔۔ اس بارے میں جائے۔“

”حد ہو گئی۔“ دوسرا جل کر بولا۔

”ہو گئی ہو گی حد۔۔۔ پھر ہم کیا کر سکتے ہیں اس میں۔“

”ہم کئی سال سے اس کے لیے کام کر رہے ہیں۔۔۔ وہ

صرف مار پیٹ کے کام لیتا ہے۔۔۔ فلاں کی مرمت کر آؤ۔۔۔

ٹھکائی کر آؤ۔۔۔ اور فلاں کو موت کے گھاٹ اتار دو۔۔۔ وغیرہ

کے احکامات دیتا ہے بس ہمیں۔“

”وہ آپ کو کتنی تنخواہ دیتا ہے؟“

”پچیس ہزار روپے ماہانہ۔“

”اور ملتے کس طرح ہیں؟“

”ہم نے ایک مکان کرائے پر لے رکھا ہے۔۔۔ اس کی ایک

اس کے پاس ہے۔۔۔ اسی کی ہدایت پر ہم نے وہ مکان کرائے

تھا۔۔۔ اور اس نے ہدایت کی تھی کہ ایک چابی فلاں ٹیلی فون بولڈ

فرش پر بچھے قالین کے نیچے رکھ آؤ۔۔۔ ہم نے چابی وہاں رکھ دی

بس ہماری میننگ وہیں ہوتی ہے۔۔۔ احکامات بھی وہیں ملتے

تنخواہ بھی وہیں سے مل جاتی ہے۔۔۔ یہ آج تک معلوم نہیں ہو

کب اور کس وقت وہاں تنخواہ رکھ جاتا ہے۔۔۔ ہم نہیں جانتے، وہ کون ہے اور کیا کرتا ہے۔۔۔ اس کا کاروبار کیا ہے۔“

”ہوں۔۔۔ اچھا خیر۔۔۔ ہمیں اس مکان کا پتا بتاؤ۔۔۔ اس کی چابی اسے دو۔“

”یہ رہی چابی۔۔۔ پتا ہے ۳۰ نیا گرا روڈ۔“

انہوں نے ان پانچوں کو اور لاشوں کو سادہ لباس والوں کے

اگلے کر دیا۔۔۔ انہیں دفتر لے جانے کی ہدایت دی۔۔۔ اور خود ۳۰

نیا گرا روڈ پہنچے۔۔۔ وہ مکان اچھا بھلا بڑا تھا۔۔۔ تالا کھول کر وہ اندر داخل

ہوئے۔۔۔ مکان کے آثار اندر سے دیکھنے پر انہیں اندازہ ہو گیا کہ وہ

اس واقعی اس جگہ آتے جاتے تھے۔۔۔ وہاں ہر چیز دس کی تعداد میں

موجود تھی۔۔۔ مثلاً ”دس گلاس، دس پلیٹیں، دس بستر۔۔۔ لیکن کمرے اس

مکان میں دس نہیں۔۔۔ صرف تین تھے۔۔۔ گویا اگر انہیں وہاں سونے کی

ضرورت پیش آتی تو وہ سوتے بھی تھے۔

انہوں نے فنگر پرنٹ سیکشن کو فون کر کے عملے کو وہاں بلا

لیا۔۔۔ پورے مکان سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے۔۔۔ پھر وہ دفتر

پہنچے۔۔۔ ان دس کی انگلیوں کے نشانات لیے گئے۔۔۔ ان نشانات سے

ملائے گئے۔۔۔ وہ ان کے تھے۔۔۔ وہاں سے کسی گیارہویں آدمی کے

نشانات نہیں مل سکے۔۔۔ جس کا مطلب تھا۔۔۔ باس کوئی اثاڑی نہیں

تھا۔۔۔ وہ اس مکان میں اگر تنخواہ کی رقم رکھنے کے لیے آتا تھا تو ہاتھوں



پر دستاں پہن کر آتا تھا۔۔۔ اس طرح ان کے بیان کے تصدیق ہو گئی۔۔۔ اب وہ پھر عامر جمالی کے پاس آئے۔

”آپ بتائیں۔۔۔ اب وہ نامعلوم آدمی آپ کو ہلاک کیوں کرنے پر تل گیا ہے۔۔۔ جب کہ پہلے وہ آپ کو صرف بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔“

”اس بات پر تو میں خود بھی حیران ہوں۔“

”آپ اس ڈاک بنگلے میں کیوں گئے تھے۔۔۔ جب کہ آپ نے اسے رقم دینے کا فیصلہ کر لیا تھا؟“

”اس نے ہدایت دی تھی کہ انپکٹر جمشید کے بچے بنکوں تک چکر لگا رہے ہیں۔۔۔ لہذا میں محتاط ہو جاؤں۔۔۔ کسی سنسان جگہ پر چلا جاؤں۔۔۔ وہاں رہ کر اپنے کسی آدمی کے ذریعے بنک سے رقم نکلواؤں۔۔۔ پھر اس سنسان جگہ سے رقم وہ خود حاصل کر لے گا۔“

”اوہ۔۔۔ تو یہ اس کا پروگرام تھا؟“

”جی ہاں۔“ اس نے کہا۔

”تب پھر اس نے آپ کو قتل کرانے کی کوشش کیوں کی؟“

”اگر یہ بات مجھے معلوم ہوتی تو میں ضرور بتا دیتا۔۔۔ میری تو اپنی

سمجھ میں یہ بات نہیں آ سکتی۔“ اس نے الجھن کے عالم میں کہا۔

”اچھی بات ہے۔۔۔ آپ واپس شہر چلیں۔۔۔ اب آپ کو خفیہ پولیس کی نگرانی میں رکھا جائے گا۔ تاکہ وہ پھر آپ پر وار نہ کر

لیکن اس طرح تو میں قید ہو کر رہ جاؤں گا۔“

”اوہ۔۔۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔۔۔ وہ آپ کو ہلاک کرنے لگ گیا ہے۔۔۔ جب تک وہ ہمارے ہاتھ نہیں لگ جاتا۔۔۔ اس وقت آپ کو ہماری نظروں کے سامنے رہنا پڑے گا۔“

”او کے۔۔۔ جیسے آپ کہیں گے۔۔۔ میں کروں گا۔“ آخر اس نے ان کو کہا۔

”بہت اچھے۔۔۔ چلے پھر آپ۔“

سادہ لباس والے اسے اپنے ساتھ لے گئے۔۔۔ انہوں نے اس کو ہاتھ سے بھی انگلیوں کے نشانات اٹھوائے۔۔۔ لیکن انپکٹر جمشید کا دل ان تینوں کی سمجھ میں نہ آ سکا۔۔۔ فرزانہ سے رہا نہ گیا۔۔۔ بول

”آخر آپ نے یہاں سے نشانات کیوں اٹھوائے ہیں؟“

”جس طرح ہم سب لوگوں پر شک کرنے پر مجبور ہیں۔۔۔ اسی

معلقہ عمارت سے نشانات اٹھوانے پر بھی مجبور ہیں۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

”اوہو! یہ تو ایک اور مسئلہ پیدا ہو گیا عامر جمالی صاحب کے

ایسے میں فرزانہ چونک اٹھی۔

”کیا مطلب۔۔۔ کون سا مسئلہ؟“



”اب وہ رہیں گے خفیہ پولیس کی نگرانی میں.... تب وہ بلیک کو رقم کیسے ادا کریں گے.... اگر رقم ادا نہیں کریں گے تو وہ ان فائل اخبارات کو دے دے گا.... اور.... اور کہیں یہ فائل ویسی نہیں جیسی ابرار خان کی ہے۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے.... ابرار خان کی فائل نے تو مجھے ہلا کر دیا ہے۔“

”ہم ابھی شہر چل کر ان سے اس بارے میں پوچھیں گے یہاں شاید ان کا دھیان اس طرف نہیں گیا۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے وہ شہر آئے.... سیدھے عامر جمالی کے پاس پہنچے۔

”اب کیا ہے؟“ انہوں نے جھلا کر کہا۔

”اب بہت کچھ ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

”دیکھئے! میں بہت پریشان ہوں.... آپ مجھ سے سیدھی بات کریں۔“

”چلئے.... سیدھی طرح کر لیتے ہیں.... اب آپ کی نگرانی کر رہے خفیہ پولیس.... آپ بلیک میلر کو رقم کس طرح ادا کریں گے۔“

ان کی بات سن کر وہ مسکرا دیے.... پھر بولے۔

”وہ میں ادا کر چکا۔“

”ہائیں.... کیا مطلب.... کب ادا کر چکے۔“

”یہاں سے جانے سے پہلے ہی ادا کر چکا.... اسی لیے تو ڈاک

”کما تھا میں۔“

”ہم سمجھ نہیں۔“ محمود نے بوکھلا کر کہا۔

”آپ سمجھ بھی کیسے سکتے ہیں.... وہ بلیک میلر اتنا سیدھا نہیں.... وہ آپ کو ناکوں چنے چبوائے گا.... نگنی کا ناچ نچائے گا۔“ انہوں نے ادا کرنے والے انداز میں کہا۔

”وہ ہم کر لیں گے.... آپ اپنی بات کریں۔“

”میری بات یہ ہے کہ اس نے مجھے پروگرام بتایا.... اس نے کہا کہ آپ لوگ اب اس کا سراغ لگانے کے چکر میں ہیں.... لہذا جب آپ کو چکر نہیں دیا جائے گا.... اس وقت تک میں رقم وصول کر سکوں گا.... آپ ایسا کریں کہ بنک سے ٹریولرز چیک منگوا لیں.... کچھ دیر بعد یہاں ایک بڑی گاڑی آئے گی.... اس پر مزدور بیٹھے ہوں گے.... آپ ان مزدوروں کے ساتھ اپنا کچھ ضروری سامان اس گاڑی پر لدوائیں اور شہر سے باہر اپنے ڈاک بنگلے میں منتقل ہو جائیں.... اور راستے میں وہ ٹریولرز چیک دستخط کر کے گاڑی کے ڈرائیور کو دے دیں.... رقم مجھ تک پہنچ جائے گی۔“

”کیا!!!“ وہ چلا اٹھے.... ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

”ہاں جی.... یہی ہوا ہے.... اور اس کے بعد اس نے کہا تھا کہ وہ ماہ وہ کوئی اور ترکیب لڑا لے گا۔“



”حد ہو گئی.... آخر آپ اتنی بڑی رقم ہر ماہ اسے کس طرح کریں گے.... آپ کی مجبوری کیا ہے۔“

”میں بتا نہیں سکتا۔“ انہوں نے کہا۔

”پہلے ہم آپ کو ایک شخص کی مجبوری بتا دیں اور اس کا کیا ہوا.... یہ بھی بتا دیں.... پھر آپ اپنے بارے میں سوچنے لگیں۔“

”کیا مطلب؟“ وہ چونک اٹھا۔

”کہانی سن لیں پہلے.... پھر کہہ لیجئے گا.... کیا مطلب؟“

اور پھر انہوں نے ابرار خان کی کہانی سنانا شروع کر دی.... جمال کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی چلی گئیں.... آخر میں انہوں نے جشید نے کہا۔

”اب میں آپ سے پوچھتا ہوں.... کیا آپ کا معاملہ بھی ایسا ہے.... کیا آپ کی فائل میں بھی ایسی کچھ ہے.... کیا آپ بھی ملک راز دشمن کے حوالے کرتے رہتے ہیں۔“

”توبہ توبہ.... ابرار خان تو سیاسی لیڈر ہے.... حکومت کے لوگوں سے اس کا بے تحاشا ملنا جلنا ہے.... وہ راز حاصل کر لیتا ہو گا.... میں ایسا معاملہ کسی سے ہی نہیں تو میں ملک کے راز حاصل کس طرح کر سکتا ہوں.... اور جب حاصل نہیں کر سکتا تو کسی کو دے کیسے ہوں۔“

”تب پھر وہ کیا بات ہے جس کی بنیاد پر وہ آپ کو بلیک میل

رہا ہے؟“

”افسوس! میں نہیں بتا سکتا.... وہ میرا گھریلو راز ہے۔“

”آپ کی مرضی.... ویسے آپ چاہیں تو ہم آپ کو آپ کی فائل اس سے لا کر دے سکتے ہیں۔“

”آپ کو تو اس کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں کہ پھر یہ کام کس طرح کر سکیں گے۔“

”آپ کو اس سے کیا.... آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں.... ہم فائل آپ کو لا دیں گے۔“

”بھلا آپ وہ فائل پڑھے بغیر مجھے دے سکیں گے؟“ عامر جمالی نے کچھ سوچ کر کہا۔

”اس کا ہم وعدہ نہیں کرتے.... ہاں ایک دوسرا وعدہ کر سکتے ہیں۔“

”اور وہ کیا؟“

”اگر فائل میں آپ کا کوئی گھریلو راز ہوا.... تب ہم آپ کو کچھ نہیں کہیں گے.... فائل بھی آپ کو دے دیں گے.... لیکن اگر وہ معاملہ ہوا ملکی.... تب ہم ایسا نہیں کر سکیں گے۔“

”اچھی بات ہے.... میں تعاون کروں گا.... لیکن اب تو وہ ایک ماہ بعد رابطہ کرے گا۔“

”ایک ماہ بعد ہی سہی۔“



”ٹھیک ہے۔۔۔ اب جب اس کا فون آئے گا۔۔۔ میں آپ کو خبردار کر دوں گا۔۔۔ اور جو طریقہ بتائے گا۔۔۔ میں آپ کو بتا دوں گا۔“  
”بس ٹھیک ہے۔“

باہر سادہ لباس والے موجود تھے۔۔۔ انہوں نے ہاتھ کا اشارہ دیا تو  
۔۔۔ نزدیک آ گئے۔

”سامان لادنے کے لیے جو گاڑی آئی تھی۔۔۔ اس کا نمبر کیا تھا؟“  
”جے ایل ۵۰۳۵ سر۔“ ایک نے فوراً کہا۔  
”اچھی بات ہے۔۔۔ شکریہ۔۔۔ اب پھر کوئی ایسی گاڑی یہاں نظر  
آئے تو فوراً مجھے فون کر دینا۔“  
”جی ہرتر۔“ وہ بولے۔

وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔۔۔ چاروں سوچ میں گم تھے۔  
اس بلیک میلر کا طریقہ بہت عجیب ہے۔۔۔ اور میں اب تک۔۔۔“  
اچانک فون کی گھنٹی بجی۔۔۔ انسپکٹر جمشید کے الفاظ درمیان میں رہ  
گئے۔ انہوں نے فون کان سے لگا لیا۔

”ہیلو جمشید۔۔۔ جلدی پہنچو۔“ خان رحمان کی آواز سنائی دی۔  
”خیر تو ہے خان رحمان۔۔۔ کہاں پہنچنا ہے؟“  
”میرے گھر اور کہاں۔“

”ہوا کیا ہے؟“

”بس تم آ جاؤ۔“ انہوں نے بے چین ہو کر کہا۔

وہ آندھی اور طوفان کی طرح گاڑی چلاتے خان رحمان کے ہاں  
ظہور نے ان کا استقبال کیا۔۔۔ ساتھ ہی دانت بھی نکالے۔

”کیا ہوا بھی ظہور۔۔۔ خان صاحب کو؟“

”بس ہونا کیا تھا۔۔۔ کوئی صاحب آئے ہیں۔۔۔ ان کے دوست  
انہیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔۔۔ لیکن اس سے پہلے آپ کو  
مدد کرنا پڑے گی۔“

”کیا مطلب ظہور؟“ انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

”میں خان صاحب کی نوکری چھوڑ رہا ہوں۔“

”کیا کہ رہے ہو بھی۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ وہ حیران رہ

”بس مجبوری ہے۔۔۔ اب سوٹ جلانے اور ہانڈیاں جلانے کے  
اور وہ مجھے کچھ نہیں کہتے۔۔۔ ایک لفظ نہیں کہتے۔۔۔ جب میں انہیں  
کہا ہوں۔۔۔ کہ میں نے آج ان کا نیا سوٹ جلا دیا ہے تو بس صرف  
کہا دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ پھر میں انہیں خبر دیتا  
ہوں کہ آج میں نے ہانڈی بھی جلا کر کوئلہ کر دی ہے، وہ اس پر بھی  
کہا دیتے ہیں۔۔۔ پھر میں انہیں یاد دلاتا ہوں۔۔۔ وہ ہانڈی وہ تھی۔۔۔ جو  
ان کی پسندیدہ ترین تھی۔۔۔ یعنی تلیر بھنے ہوئے پکانے تھے کہ وہ جل  
گئے۔۔۔ جواب میں وہ ہنس کے کہتے ہیں۔۔۔ کوئی بات نہیں اور تلیر آ  
ہائیں گئے۔۔۔ اور سوٹ آ جائے گا۔۔۔ تم دال پکا لو۔“



”کیا کہا۔۔۔ دال۔۔۔ اور خان رحمان۔۔۔ یہ خان صاحب دال کے  
سے کھانے لگے؟“

”اسی بات پر تو میں حیران ہوں۔۔۔ پہلے جب میں کوئی ہانڈی  
تھا۔۔۔ تو وہ پہلے تو کان پکڑاتے تھے۔۔۔ پھر تھملا کر کہتے تھے۔۔۔ اب  
اور تیلر لے آؤ۔۔۔ اور مچھلی لے آؤ۔۔۔ اور مرغ لے آؤ۔۔۔ جاؤ دفع  
جاؤ۔۔۔ لیکن اب وہ مجھے ایک لفظ نہیں کہتے۔۔۔ اور کہتے ہیں دال  
لہذا میں ان کی نوکری چھوڑ رہا ہوں۔“

”اوہو بھئی۔۔۔ تمہاری تو عیش ہو گئی۔۔۔ کان پکڑنے سے  
گئے۔۔۔ اور دوبارہ گوشت لانے سے بھی بچ گئے۔۔۔ بھلا اس میں نوکری  
چھوڑنے کی کون سی بات ہے۔“

”آپ نہیں جانتے۔۔۔ جو مزا کان پکڑنے میں ہے۔۔۔ وہ  
ملنے میں نہیں۔“

”کیا کہ رہے ہو بھئی؟“ وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

”جی ہاں! اگر وہ کان پکڑانا شروع کر دیں تو میں رہ جاؤں گا  
ورنہ چلا جاؤں گا۔۔۔ کیونکہ اس صورت میں میں بازار نہیں جا سکتا  
گا۔۔۔ سوٹ نہیں جلا سکوں گا۔“

”کیوں۔۔۔ کیوں؟“

”جب سزا ہی نہیں ملے گی تو کیا کروں گا جلا کر اور جب  
نہیں سکوں گا تو نوکری کر کے کیا کروں گا۔“

انہیں ہنسی آگئی۔۔۔ ان کی ہنسی کی آواز خان رحمان کے کانوں  
تک پہنچ گئی۔۔۔ وہ بلند آواز میں وہیں سے بولے۔

”ہائیں۔۔۔ جھشید۔۔۔ تم آگئے ہو اور وہیں رک کر باتیں کرنے  
لگے ہو۔۔۔ سمجھا۔۔۔ اس گدھے نے تمہیں روک لیا ہو گا اور لگا رہا  
ہو گا میری شکایتیں۔۔۔ لیکن یہ لاکھ شکایتیں لگا لے۔۔۔ میں اب اسے  
نہیں پکڑاؤں گا۔“

”مم۔۔۔ مارا گیا۔“ ظہور ہکھلایا۔

”حد ہو گئی۔۔۔ یہاں تو گڑگا بالکل الٹی بہہ رہی ہے۔۔۔ کان نہ  
کانے پر یہ صاحب مارے گئے۔۔۔ ادھر یہ کیسا ہی نقصان کیوں نہ کر  
لیں۔۔۔ انکل انہیں سزا نہیں دیں گے اور اس پر یہ صاحب نوکری  
چھوڑنے پر تل گئے۔۔۔ ہے کوئی تک۔“

”جی ہے۔۔۔ بالکل ہے۔“ محمود نے فوراً کہا۔

”اچھا بھئی۔۔۔ آپ سے بعد میں بات کریں گے۔“ یہ کہہ کر  
انپکڑ جھشید اندر کی طرف بڑھے۔

”کوئی فائدہ نہیں ہو گا انپکڑ صاحب۔“

”کیوں۔۔۔ کیوں؟“

”جب تک یہ میری شرط نہیں مانیں گے۔۔۔ میں نوکری نہیں  
کروں گا۔“

”اچھا بات کرتے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔



”بتائیے انہیں۔“

”نہیں خان رحمان.... میں غلط جگہ آ گیا تھا۔“ امجد ابالی نے  
الٹے ہوئے کہا۔

”ارے ارے.... یہ کیا.... آپ جا رہے ہیں؟“

”اگر یہ شرط لگائے بغیر یہ کہتے کہ ہاں یہ میرا کام کر دیں گے....  
اس صورت میں ضرور بتا دیتا.... لیکن اب نہیں۔“

”نہیں ابالی صاحب.... آپ اس طرح نہ جائیں.... آپ میرے  
ساتھ اچھے دوستوں میں سے ہیں.... یہ آپ کا کام کریں گے ہر حال میں  
کریں گے.... بغیر شرط کے کریں گے۔“

”یہ آپ کہ رہے ہیں.... ان کے منہ سے یہ الفاظ کھلوائیں  
.... پھر مانوں گا۔“ امجد ابالی مسکرایا۔

”سن رہے ہو جمشید.... انہوں نے کیا کہا ہے؟“

”ایک منٹ خان رحمان.... اگر انہوں نے کوئی غیر قانونی کام مجھ  
سے کہا تو کیا میں پھر بھی کروں؟“

”نہیں.... یہ غیر قانونی کام کیوں کہنے لگے۔“

”آپ ان سے پوچھ لیں۔“

”میں جا رہا ہوں۔“ امجد ابالی نے جل کر کہا۔

”نہیں.... آپ نہ جائیں.... میں انسپکٹر جمشید کو سمجھاتا ہوں۔“

”آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔“

ڈرائنگ روم میں خان رحمان کے ساتھ ایک بہت بارعب  
آدمی بیٹھا نظر آیا۔

”السلام علیکم.... غالباً“ یہ امجد ابالی ہیں۔“

”بالکل ٹھیک پہچانا جمشید۔“ خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

”چند جگہوں پر انہیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے.... یہ تو یہاں کے  
مشہور و معروف وزیر ہیں.... صوبائی وزیر۔“

”ہاں! یہی بات ہے.... اور یہ میرے پاس آئے ہیں جمشید۔  
تمہیں ان کا ایک کام کرنا ہے.... لیکن جس طرح یہ کہیں.... اسی طرح  
کرنا ہے۔“

”خان رحمان.... کیا تم پوچھ چکے ہو.... کام کیا ہے؟“

”ابھی انہوں نے بتایا نہیں۔“

”جب پھر جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے.... کہ کام کیا ہے....  
ہم کوئی وعدہ نہیں کر سکتے۔“

”جمشید! یہ درخواست تم سے میں نے کی ہے۔“ خان رحمان  
ترپ کر بولے۔

”میں سمجھ رہا ہوں بھئی.... لیکن ذرا سوچو.... اگر وہ کوئی غیر  
قانونی کام ہوا؟“

”اس صورت میں میں نہیں کہوں گا.... لیکن یہ تو خود صوبائی  
وزیر ہیں.... سو یہ کیوں کوئی غیر قانونی کام کرانے لگے۔“



”کیا نہیں کر سکوں گا۔“

”انہیں نہیں سمجھا سکیں گے۔“

”حد ہو گئی۔ میں اور انپکٹر جمشید کو نہیں سمجھا سکوں گا۔“

بھنا کر بولے اور ان کی طرف مڑے۔

”جمشید۔۔۔ خدا کے لیے۔“

”خان رحمان۔۔۔ تم بھی بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔۔۔ اگر ان

کام غیر قانونی نہیں ہے۔۔۔ تو یہ بتا کیوں نہیں دیتے۔۔۔ بتانے سے پہلے

کیوں مجھ سے اقرار کروانا چاہتے ہیں۔“

خان رحمان کو ایک جھٹکا سا لگا۔ انہوں نے امجد ابالی کی طرف

دیکھا اور بولے۔

”آپ پہلے بتا کیوں نہیں دیتے؟“

”اس میں کیا مزے داری رہ جائے گی پھر۔“

”جمشید تم وعدہ کیوں نہیں کر لیتے۔“

”پھر میں پابند ہو جاؤں گا۔“

”ختم کریں خان رحمان۔۔۔ میرا خیال تھا کہ انپکٹر جمشید تمہارا

اتنے قریبی دوست ہیں کہ تمہاری بات سے انکار کر ہی نہیں سکتے۔

لیکن اب پتا چلا، یہ صرف سنی سنائی بات تھی۔۔۔ ورنہ انپکٹر جمشید

نزدیک دوستی بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔“

”یہ مجھے اور خان رحمان کو لڑانے کی بات کی ہے آپ نے

ان ہماری لڑائی ہو گی نہیں۔۔۔ آپ اس بات کو لکھ لیں۔“ انپکٹر  
نے جھٹکا کر کہا۔

”دیکھا آپ نے۔۔۔ انہوں نے مجھ سے کیسے لہجے میں بات کی

اب میں ایک منٹ بھی یہاں نہیں رک سکتا۔“

”اچھا جناب! آپ بتائیں۔۔۔ کام کیا ہے؟“

اچانک انپکٹر جمشید نے کہا۔۔۔ وہ اچھل کر ان کی طرف مڑے۔

ان کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی۔

”یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ امجد ابالی نے بوکھلا کر کہا۔

”کیا کیسے ہو سکتا ہے؟“ خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ کہ بغیر شرط کے انپکٹر جمشید وعدہ کر لیں۔“

”یہ ایسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ کا پروگرام سمجھ چکا ہوں۔۔۔

مجھے خان رحمان سے لڑوانے آئے ہیں۔“

”نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں اپنا مسئلہ لے کر جب

صاحب کی طرف روانہ ہونے لگا تو میرے ایک دوست نے کہا

خان رحمان بھی انپکٹر جمشید کے ذریعے یہ کام نہیں کرا سکیں

پہلے وہ ساری بات پوچھیں گے۔۔۔ پھر کریں گے۔“

”چلئے۔۔۔ اب تو بات ہو گئی۔۔۔ آپ تفصیل بتائیں۔۔۔ کام کیا

”کام بہت الجھن والا ہے۔“



اب اس کو سلجھانا ہو گا۔۔۔۔۔ ورنہ میں اور خان رحمان الجھ جائے گا۔ انہوں نے اداس انداز میں کہا۔

”یہ نہیں ہو گا جمشید“۔ خان رحمان مسکرائے۔

”کیا نہیں ہو گا خان رحمان؟“

”ہم نہیں الجھیں گے۔۔۔۔۔ اب تم بے شک انکار کر دو۔“

”کیا۔۔۔۔۔ کیا کہا خان صاحب۔۔۔۔۔ اب آپ کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔

جمشید میرا کام کرنے سے انکار کر دیں۔“ امجد ابالی چلا اٹھے۔

”ہاں! میری وجہ سے انسپکٹر جمشید نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔

لیکن میں انہیں ہتھیار ڈالتے نہیں دیکھ سکتا۔“

”یہ کیا الٹ پلٹ باتیں ہو رہی ہیں؟“ امجد ابالی نے بوکھا

کہا۔

”اب آپ بتائیں۔۔۔۔۔ آپ کو کون بلیک میل کر رہا ہے؟“

وہ بہت زور سے اچھلا۔



## احساس

امجد ابالی کا رنگ سفید ہو گیا۔۔۔۔۔ آنکھوں میں خوف جھانکنے

لگا۔۔۔۔۔ پھر اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

”آپ نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟“

”اس بات کو چھوڑیں اور کام کی بات کریں۔“

”ہاں! کوئی مجھے بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔“

”اور اس کے پاس ایک عدد فائل ہے۔۔۔۔۔ جس میں آپ کے

جرائم کی تفصیل ہے۔۔۔۔۔ اگر اس نے وہ فائل اخبارات کو دے دی تو

آپ کہیں کے نہیں رہیں گے۔“

”فائل میں ثبوت بالکل جھوٹے ہیں۔۔۔۔۔ لیکن اخبارات والوں کو یہ بات

کون سمجھائے گا۔۔۔۔۔ لہذا اس کا حل صرف اور صرف یہ ہے کہ آپ

مجھے وہ فائل لا کر دے دیں۔“

”اور اگر فائل میں ثبوت سچے ہوئے؟“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”تو جو سزا چور کی۔۔۔۔۔ وہ میری۔“

”لیکن آپ تو مجھے وہ فائل دیکھنے کا موقع ہی نہیں دیں گے۔“



”اوہ ہاں! یہ بھی ہے۔“

”جب اس فائل میں ثبوت جھوٹے ہیں تو آپ مجھے اس فائل کو دیکھنے کی اجازت کیوں نہیں دے دیتے۔“

”نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔ آپ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ بتائیے۔۔۔ فائل کس کے پاس ہے؟“

”مجھے کیا معلوم۔۔۔ ہاں میں اس کی آواز سنوا سکتا ہوں۔“

”چلئے۔۔۔ یہی بہت ہے۔“

اس نے ٹیپ پر اس شخص کی آواز سنوا دی۔ جس نے امجد اہالی سے فون پر بات کی تھی۔ فائل کے بارے میں۔۔۔ اور ایک کروڑ کی رقم کا مطالبہ کیا تھا۔

”بس! آپ چاہتے ہیں۔۔۔ ہم یہ فائل آپ کو لا کر دے دیں۔“

”ہاں۔۔۔ بس۔۔۔ لیکن آپ فائل کو دیکھیں گے نہیں۔“

”او کے۔۔۔ آج خان رحمان کے لیے یہ کام بھی سہی۔“ انیسٹر

جشید نے اس انداز میں کہا۔

”نہیں جشید۔۔۔ تم میری وجہ سے اپنے اصول کو نہ چھوڑو۔“

خان رحمان بولے۔

عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔۔۔ انداز پروفیسر داؤد کا تھا۔۔۔ انہوں نے ظہور کے تیز قدموں کی آواز سنی۔۔۔ گویا اس نے بھی

کافی کی آواز پہچان لی تھی۔۔۔ اور دروازہ کھولنے جا رہا تھا۔

اچانک انہوں نے ظہور کی چیخ سنی۔۔۔ پھر دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا۔۔۔ اس کے فوراً بعد ایک ہولناک دھماکا ہوا۔

ہوش آیا تو سب کے سب ہسپتال میں تھے۔۔۔ بم کافی طاقت ور تھا۔۔۔ کوٹھی کا ایک بڑا حصہ تباہ ہوا تھا۔۔۔ لیکن ان سب کو خاص

توجہ نہیں آئی تھیں۔۔۔ اس لیے کہ وہ دروازے سے بہت دور تھے۔۔۔ البتہ دھماکے کی شدت سے بے ہوش ضرور ہوئے تھے۔۔۔ ظہور

کا حال البتہ بہت پتلا تھا۔۔۔ اس لیے کہ اس نے دروازہ کھولا تھا۔۔۔

کافی اس نے دروازہ کھولا تھا، دستک دینے والے نے بم اندر پھینک دیا

تھا۔۔۔ ظہور بھی اس لیے بچ گیا کہ۔۔۔ اس نے بم دور پھینکا تھا۔۔۔ گویا

اس کی کوشش تھی کہ بم زیادہ سے زیادہ اندر کی طرف جا کر پھٹے۔۔۔ اگر

وہ عین دروازے پر پھٹتا تو ظہور بے چارہ تو چل بسا تھا۔۔۔ لیکن ابھی

اس کا وقت نہیں آیا تھا۔

”ارے مم۔۔۔ مگر دستک پروفیسر انکل کے انداز میں کیوں تھی؟“

”شاید وہ جانتا تھا۔۔۔ پروفیسر صاحب کس انداز میں دستک دیتے

اں۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”تب تو کیا یہ ایک کام کی بات معلوم نہیں ہو گئی ہمیں۔“

ارازہ مسکرائی۔

”کیا مطلب۔۔۔ وہ کیسے؟“



”ہم پھٹکنے والا پروفیسر صاحب کو اچھی طرح جانتا ہے۔۔۔ اور پروفیسر صاحب اکثر اس سے ملنے کے لیے جاتے رہتے ہیں، تبھی تو ان کے دستک دینے کے انداز کو پہچانتا ہے۔“ فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

”اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”بہت خوب فرزانہ۔۔۔ تم نے کمال کی بات کی۔“ انسپکٹر جشیہ نے خوش ہو کر کہا۔

”نن نہیں تو۔۔۔ میں نے کمال کی بات تو نہیں کی اباجان۔۔۔ میں نے تو اپنی بات کی ہے۔“ فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

”تمہاری اس بات پر ہنسی نہیں آئی۔۔۔ پھر بھی میں اخلاقاً ہنس دیتا ہوں۔“ فاروق نے کہا اور بھونڈے انداز میں ہنسنے لگا۔

”اس ہنسنے سے تو نہ ہنستا بہتر ہے۔“ فرزانہ جل گئی۔

”ارے۔۔۔ مہ۔۔۔ گم۔۔۔ ہائیں۔“ خان رحمان کی آواز سنائی دی۔

”آپ کو کیا ہوا انکل۔۔۔ طبیعت زیادہ خراب تو نہیں؟“

”میں اس بات پر حیران ہوں کہ پروفیسر صاحب کو کیا ہو گیا ہے۔۔۔ کیا انہیں اب تک اس حادثے کی اطلاع نہیں ملی؟“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ اور اکرام وغیرہ کو کیا ہو گیا ہے۔“

”اور امی جان وغیرہ کو کیا ہو گیا ہے۔۔۔ یہ لوگ یہاں کیوں نظر

نہیں آرہے۔“

”محترمہ نرس صاحبہ۔۔۔ کیا آپ کچھ بتانا پسند فرمائیں گی۔“

”کیا؟“ نرس بولی۔۔۔ وہ ان کے کمرے میں شاید ڈیوٹی پر موجود

”ہمارے رشتے دار، دوست احباب کیوں ملنے نہیں آئے؟“

”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“

”تب پھر شاید انہیں اب تک اطلاع نہیں مل سکی۔۔۔ ہم انہیں

ان کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ ہمیں فون دیں۔“

”ڈاکٹر صاحب کی اجازت کے بغیر آپ ایسا نہیں کر سکتے۔“

”ارے تو ڈاکٹر صاحب کو بلا لائیں نا۔۔۔ ہم ان سے اجازت لے

سکے۔“

”وہ آپ لوگوں کے ہوش میں آنے سے پہلے ہی راؤنڈ لگا کر

لے گئے۔۔۔ اب دو گھنٹے سے پہلے ان کا راؤنڈ نہیں ہو گا۔۔۔ آپ دو گھنٹے

انتظار کریں۔“

”ہمیں افسوس ہے محترمہ۔“ انسپکٹر جشیہ نے منہ بنایا۔

”کس بات پر؟“

”اس بات پر کہ ہم انتظار نہیں کر سکتے۔۔۔ انتظار کرنا دنیا کا

سب سے تیز کام ہے۔“

”اوہ ہاں! یہ بات تو آپ نے بالکل ٹھیک کہی۔۔۔ میرے خیال



میں بھی انتظار کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔“ نرس مسکرائی۔

”حد ہو گئی۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ ہم ابھی اور اسی وقت کریں گے۔ کیا ہمارے بارے میں آپ کو ہدایات نہیں ملیں۔“

”کیسی ہدایات؟“ نرس نے بھنویں اچکائیں۔

”یہ کہ ہم کون لوگ ہیں؟“

”ہاں! بتایا گیا تھا کہ بہت اہم لوگ ہیں آپ لوگ۔۔۔ لیکن

صاحب کی یہ ہدایت ہے کہ آپ دو گھنٹے سے پہلے ملیں تک نہ۔۔۔ نہ فون وغیرہ کریں۔“

”لیکن فون کرنے کے لیے ہلنا ضروری نہیں۔۔۔ آپ فون

ریسیور کان کے نزدیک کر دیں اور نمبر بھی آپ ملا دیں۔۔۔ بس

صرف ہونٹوں کو حرکت دیں گے۔“

”مجھے افسوس ہے۔“

”وہ تو خیر ہمیں بھی ہے۔“ وہ مسکرائے۔

”لہذا چپ چاپ لیٹے رہیں۔“

”یہی کام تو ہم نہیں کر سکتے۔۔۔ ہم اٹھ رہے ہیں۔“

”اس صورت میں میں ڈاکٹر کو فون کروں گی۔“

”یہی تو ہم چاہتے ہیں۔“

”او کے۔۔۔ میں ڈاکٹر صاحب کو بلاتی ہوں۔۔۔ آپ ان سے

کر لیں۔“

”شکریہ بہت بہت۔“

اس نے انٹرکام پر ڈاکٹر سے بات کی اور ریسیور رکھ دیا۔۔۔ پھر ان کی طرف رخ کر کے بولی۔

”وہ آرہے ہیں۔“

”خدا کا شکر ہے کہ وہ آرہے ہیں۔۔۔ ورنہ میں تو اس ہسپتال کے عملے کی شکایت صدر صاحب سے لگانے کے بارے میں سوچ رہا

”آپ ایسا ضرور کریں۔“ نرس نے مسکرا کر کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔ یہ آپ کہہ رہی ہیں۔“ انپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں! یہ میں کہہ رہی ہوں۔۔۔ آپ ایسا ضرور کریں۔۔۔ لیکن۔۔۔

اس کا فائدہ کوئی نہیں ہو گا۔۔۔ ملک کے صدر بھی اس ہسپتال کے

ڈاکٹروں اور نرسوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔۔۔ وہ کوئی ایکشن نہیں لے

سکیں گے۔“

”حد ہو گئی۔۔۔ یعنی کہ۔“ انہوں نے جل کر کہا۔

ایسے میں انہیں امجد ابالی کا خیال آیا۔۔۔ ان سب کو ایک ہی ہال

میں لٹایا گیا تھا۔۔۔ انہوں نے ادھر سے ادھر دیکھا۔۔۔ لیکن وہ نظر نہ

آئے۔

”یار خان رحمان۔۔۔ وہ تمہارے ابالی صاحب کہاں گئے؟“



”ان کریں۔۔۔ کل تک آپ بہتر ہو جائیں گے۔“

”لیکن ہمیں تو کچھ نہیں ہوا۔۔۔ ٹھیک ٹھاک ہیں ہم۔“

”اچھا۔۔۔ ذرا اپنا دایاں بازو ہلا کر دکھائیں۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔“ انپکٹر جمشید نے کہا اور اپنے دائیں

”حرکت دینے کی کوشش کی۔۔۔ لیکن حرکت نہ دے سکے۔“

”دیکھا آپ نے۔۔۔ آپ تو ابھی اپنے ہاتھ پیر ہلا بھی نہیں

۔۔۔ اور کہہ رہے ہیں۔۔۔ ہم ٹھیک ٹھاک ہیں۔“

”یہ بات ابھی معلوم ہوئی۔۔۔ لیکن ہم بول تو سکتے ہیں۔۔۔ سن تو

ہیں۔۔۔ فون کرنے کے لیے ہاتھوں اور پیروں کی اتنی ضرورت نہیں

۔۔۔ آپ بس ریسپور میرے قریب کر دیں اور نمبر ملا دیں۔“

”سوری! ہم کل سے پہلے ایسا نہیں کر سکتے۔“

”حد ہو گئی۔۔۔ آخر اس میں ایسی کیا مشکل ہے؟“

”یہ ہم نہیں جانتے۔۔۔ ہمارے ایم ایس صاحب کی یہی ہدایت

”آپ مہربانی فرما کر ایم ایس صاحب کو بلائیں۔“

”ان کی ڈیوٹی کا وقت ختم ہو گیا ہے۔۔۔ وہ اب کل آئیں

”اف۔۔۔ یہ کیا ہسپتال ہے۔۔۔ میں اس ہسپتال کی بنیادیں ہلا

”کا۔“

”ہائیں۔۔۔ کیا وہ نہیں ہیں کسی بستر پر۔“ خان رحمان حیرت زدہ

سے رہ گئے۔

”نظر تو نہیں آ رہے۔۔۔ کیوں نرس صاحبہ۔۔۔ جب دھماکا ہوا تو

ہمارے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے۔۔۔ جو اتفاق سے صوبائی وزیر بھی

ہیں۔۔۔ وہ یہاں نظر نہیں آ رہے۔“

”وزیروں والے حصے میں ہیں وہ۔۔۔ انہیں آپ کے ساتھ نہیں

رکھا جاسکتا تھا۔۔۔ ورنہ وہ ہنگامہ کر دیتے۔“

”اوہ اچھا۔۔۔ لیکن حیرت ہے۔۔۔ ہمارے گھر والے کیوں اب

تک نہیں آئے۔“

”اس دھماکے کی خبر کو خفیہ رکھا گیا ہے۔“

”کیوں۔۔۔ وجہ؟“ انپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

”عین اس وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔۔۔ اور پھر وہ

ڈاکٹر اور چند نرسیں اندر داخل ہوئے۔“

”ہاں نرس۔۔۔ کیا معاملہ ہے؟“

”یہ آپ سے ملنے کے لیے بری طرح بے چین تھے۔“

”تو ہم اپنے وقت پر آ ہی جاتے۔“ ایک نے جھلا کر کہا۔

”یہ فون کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ جب کہ آپ کی ہدایات ہیں۔۔۔

انہیں ابھی فون وغیرہ نہ کرنے دیا جائے۔“

”ہاں بالکل۔۔۔ ابھی آپ لوگوں کی حالت ایسی نہیں کہ آپ کی



”پہلے ہاتھ پیر ہلانے کے قابل ہو جائیں۔۔۔ اس وقت تک ایس صاحب آ جائیں گے۔۔۔ پھر شاید آپ کو ہسپتال کی بنیادیں ہلانے کی ضرورت نہیں رہ جائے گی۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ میں آپ سب کو دیکھ لوں گا۔“

”دیکھنے کے تو آپ قابل ہیں جناب۔۔۔ بلاوجہ ہمیں دھمکائیں۔“

”اوکے۔“ وہ منہ بنا کر رہ گئے۔

”سب کو ایک انجکشن لگا دو۔“ ڈاکٹر نے نرسوں کی طرف اشارہ کیا۔

”اوکے ڈاکٹر۔“

”اب کیا ضرورت ہے؟“

”ابھی بہت ضرورت ہے۔۔۔ اعصاب کام کرنا چھوڑ چکے ہیں اسی لیے تو آپ ہاتھ پیر نہیں ہلا رہے۔۔۔ لہذا آپ کو ان انجکشنوں بہت ضرورت ہے۔“

اور پھر انہیں انجکشن لگا دیے گئے۔۔۔ ان کے گتے سے انہوں نے محسوس کیا۔۔۔ ان کے ہاتھ پیر اور دماغ اور سن ہوتے جا رہے ہیں۔۔۔ یہ کیسے انجکشن ہیں۔۔۔ یہ تو اور سن کر رہے ہیں۔“

”ہمارے پاس تو بس ایسے ہی انجکشن ہیں۔۔۔ ایک انجکشن تمہیں لگے گا اور تم جان جاؤ گے کہ ایسی مصیبت میں تم لوگ کیا کر سکتے ہو۔“

”پہلے کبھی نہیں پھنے ہو گے۔“

”کک۔۔۔ کیا مطلب؟“ وہ ایک ساتھ بولے۔

”بس۔۔۔ اب تک نہیں سمجھے۔“

”سمجھ گئے۔۔۔ اب سمجھ گئے۔۔۔ یہ فرضی ہسپتال ہے۔“

”جسٹس جلد سمجھ گئے۔۔۔ اب تم لوگوں کو ان بستروں

الٹا نصیب نہیں ہو گا۔۔۔ انہیں بستروں پر تمہارا آخری وقت آئے

میں چاہتا تو ایک ہی انجکشن ایسا لگا دیتا کہ تمہارا کام تمام ہو

لیکن ہم نے سوچا۔۔۔ تم زندگی کے کچھ اور مزے لے لو۔۔۔ چند

اور اس دنیا میں رہ لو۔“

وہ سکتے میں آ گئے۔۔۔ ڈاکٹر اور نرسیں چلی گئیں۔

”خان رحمان! ہم اس بار واقعی بہت برے پھنے ہیں۔“

”لیکن جشید۔۔۔ پورے شہر کی پولیس اس وقت ہمیں تلاش کر

رہی ہو گی۔۔۔ صدر صاحب اور آئی جی صاحب بھلا کب چین سے

ہیں گے۔“

”ہاں! لیکن یہ ہسپتال کسی ایسی جگہ ہو گا۔۔۔ جہاں ان کا خیال

نہیں جائے گا۔“

”اس صورت میں وہ انسپکٹر کامران مرزا کو بلائیں گے۔۔۔ تم فکر

کر۔“



”اوہ ہاں! یہ ایک امید افزا بات ہے۔“

”کیا ہم میں سے کوئی ہاتھ پیر ہلانے کے قابل نہیں.... کیونکہ ہم ایک فون کرنے کے قابل ہو گئے تو.... لیکن نہیں.... ہم اگر کرنے کے قابل ہو گئے تو بھی.... بتائیں گے کیا.... ہم کہاں ہیں.... نہیں جانتے.... اور اس وقت شہر کی پولیس کے لیے سب سے الجھن یہی ہو گی کہ ہم کہاں ہیں.... کم بختوں نے خوب وار کیا ہے مجرم دراصل اب خوف محسوس کرنے لگا ہے کہ ہم اس کا سراغ لیں.... اسی لیے اس نے سوچا.... ہمارا کٹنا ہی کیوں نہ نکال دے....“

”لیکن.... وہ ہمیں وہیں ختم کر سکتا تھا.... ہم دھماکے میں.... زیادہ طاقت ور بم پھینک کر.... اس نے یہ جھنجھٹ کیوں مول لیا....“

”بس.... شاید وہ مزے لینا....“

عین اس لمحے انسپکٹر جمشید کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ ایک دم خاموش ہو گئے۔



## صرف ایک قدم

”تین دن گزر گئے.... ان کا اب تک کوئی سراغ نہیں ملا....“

اب میں تنگ آ چکا ہوں اور انسپکٹر کامران مرزا کو ہلانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ آئی جی صاحب میٹنگ میں کہہ رہے تھے۔

ان کے ماتحت برے سے منہ بنا کر رہ گئے.... دراصل وہ تو سب کی پہاڑی تھے کہ انسپکٹر جمشید نہ ملیں.... اب تک ان لوگوں نے اردوایاں بھی بس اوپری سطح کی کی تھیں.... ایک اکرام اور اس کے ماتحت تھے.... وہ انہیں تلاش کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے.... جگہ جگہ چھاپے مار رہے تھے.... لیکن انہیں بھی کامیابی نہیں ہوئی تھی.... لہذا اکرام نے فوراً کہا۔

”یہ بالکل ٹھیک رہے گا سر.... انہیں بلانا چاہیے۔“

”میں ابھی فون کرتا ہوں.... وہ شام تک پہنچ جائیں گے۔“

یہ کہہ کر آئی جی صاحب نے انسپکٹر کامران مرزا کو فون کیا....

ان کی آواز سن کر وہ بولے۔

”بھئی کامران مرزا.... کیا تم نے اخبارات میں خبریں پڑھیں؟“



”جی بالکل پڑھیں ہیں۔۔۔ لیکن ایسا تو ہم لوگوں کے ساتھ رہتا ہے۔۔۔ کیا وہ اب تک نہیں ملے۔“

”نہیں ملے۔۔۔ دھماکے کے بعد ان کے دروازے پر ایک ساز کی ایسولینس آکر رکی تھی۔۔۔ ایسولینس کے عملے نے اندر سے ہوش لوگوں کو نکال کر اس میں ڈالا اور لے گئے۔۔۔ اب ہر کوئی سمجھتا رہا کہ انہیں سرکاری ہسپتال لے جایا جا رہا ہے۔۔۔ لیکن وہ سرکاری ہسپتال نہیں پہنچی۔۔۔ تین دن گزر گئے۔۔۔ ہم انہیں نہیں کر سکے۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ ہم آ جاتے ہیں۔۔۔ ان شاء اللہ ہم تلاش کر لیں گے۔۔۔ آپ اکرام کو کہیں نہ جانے دیں۔۔۔ ہم ساتھ رکھیں گے۔۔۔ بلکہ ان کے ماتحتوں کو بھی۔۔۔ یعنی توحید احمد اور حسین آزاد کو۔“

۔۔۔ ”ٹھیک ہے۔“ وہ بولے اور فون بند کر دیا۔

پھر اسی شام۔۔۔ وہ ان کے دفتر پہنچ گئے۔۔۔ انہوں نے ایک تفصیلات سنیں۔۔۔ اور اکرام وغیرہ کو ساتھ لے کر خان رحمان کے شدہ مکان پر پہنچے۔

”اکرام! تم نے اندر سے اس کا بغور جائزہ لیا تھا؟“

”جی۔۔۔ جی ہاں! لیا تھا۔۔۔ میں نے ہی نہیں۔۔۔ سب لے تھا۔۔۔ یہاں تک کہ آئی جی صاحب تک نے لیا تھا۔“

”تب پھر۔۔۔ کیا کچھ ملا؟“ انہوں نے پوچھا۔

”کیا مطلب۔۔۔ کیا کچھ ملا؟“ اکرام نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ہاں بھئی۔۔۔ غور کرو۔۔۔ پہلے ایک شخص نے اندر بم پھینکا۔۔۔

دھماکا ہوا۔۔۔ پھر ایک بڑے ساز کی ایسولینس آئی۔۔۔ اس کا عملہ نیچے

اڑا۔۔۔ اور ان لوگوں کو نکال کر لے گیا۔۔۔ اس ساری کارروائی میں کسی

کی تو کوئی چیز گری ہو گی۔۔۔ ان کے جوتوں کے نشانات تو ملے ہی ہوں

گئے۔“

”جی ہاں! بالکل۔۔۔ کچھ چیزیں ملی تھیں۔۔۔ اور جوتوں کے نشانات

میں ملے تھے۔۔۔ لیکن ریکارڈ میں ہم ان چیزوں سے کچھ پتا نہیں چلا

سکے۔“

”اچھا خیر کوئی بات نہیں۔۔۔ آؤ۔۔۔ ایک بار اور جائزہ لے لیں

ار۔“ انہوں نے کہا اور اندر داخل ہونے لگے۔۔۔ اسی وقت فون کی

گھنٹی بجی۔۔۔ دوسری طرف ملک کے صدر تھے۔

”آپ آگئے کامران مرزا۔۔۔ یہ اچھا کیا۔۔۔ میں ان لوگوں کے

لیے بہت بے چین ہوں۔۔۔ یہ تین دن میں نے کس طرح گزارے۔۔۔

کچھ میں ہی جانتا ہوں۔“

”آپ فکر نہ کریں سر۔۔۔ ہم کام شروع کر چکے ہیں۔۔۔ ان شاء

اللہ کل تک لن کا سراغ لگا لیں گے۔“

”مجھے آپ لوگوں سے یہی امید ہے۔“



”یہ آج آپ ہم سے آپ سے کیوں بات کر رہے ہیں  
آپ تو ہمیشہ ہم سے ”تم“ سے بات کرتے ہیں اور ہمیں وہی اچھا  
ہے۔ اس میں اپنائیت کا احساس ملتا ہے۔“

”اوہ ہاں۔۔۔ بس۔۔۔ میں پریشانی کے عالم میں آپ کہہ گیا۔  
کوئی خیال نہ کرو۔۔۔ کامران مرزا۔۔۔ انہوں نے فوراً کہا۔۔۔ وہ  
دیے۔۔۔ پھر فون بند کر دیا گیا۔

وہ خان رحمان کے گھر میں داخل ہوئے۔۔۔ یہ اس وقت  
طرح پڑا تھا۔

”ہاں تو اکرام۔۔۔ وہ چیزیں کہاں ہیں۔۔۔ نشانات کہاں ہیں؟“  
”انسپکٹر فاضل کے پاس۔۔۔ اس کیس کا انچارج انہی کو  
ہے۔“

”حیرت ہے۔۔۔ کیا ڈی آئی جی صاحب نہیں جانتے۔۔۔ وہ ان  
کس قدر مخالف ہے۔“

”جانتے ہیں۔۔۔ لیکن باقی بھی تو مخالف ہیں۔۔۔ لہذا دفتر  
کارروائی کے لیے کسی کو تو چارج دینا ہی تھا۔۔۔ ورنہ انہوں نے مجھ  
علحدگی میں کہا تھا کہ اس کیس پر اصل کام اکرام تمہیں کرنا ہے اور  
نے جواب دیا تھا کہ میں سمجھتا ہوں سر۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔۔۔  
اس بار کا مجرم شاید بہت چالاک ہے۔۔۔ اس نے اپنا کوئی سراغ  
چھوڑا سر۔“ اکرام نے جلدی جلدی کہا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے اکرام؟“ وہ مسکرائے۔

”کیا مطلب؟“

”مجرم لاکھ کوشش کرے۔۔۔ کہ وہ کوئی سراغ نہ چھوڑے۔۔۔  
لیکن کوئی نہ کوئی چیز یا نشان وہ پھر بھی چھوڑ کر جاتا ہے۔۔۔ یہ قدرتی امر  
ہے۔۔۔ لہذا ہم بھی یہاں سے کچھ نہ کچھ تلاش کر کے رہیں گے۔“  
انہوں نے پرجوش انداز میں کہا۔

”لیکن جناب۔۔۔ جو کچھ یہاں سے ملا۔۔۔ وہ تو پہلے ہی سمیٹ  
لیا گیا ہے۔“ اکرام بولا۔

”میرا مطلب ہے۔۔۔ ان چیزوں کے علاوہ بھی ہم کوئی چیز تلاش  
کر کے رہیں گے۔۔۔ ویسے تم انسپکٹر فاضل سے وہ چیزیں منگوا لو۔۔۔ لیکن  
خود انہیں فون نہ کرنا۔۔۔ پتہ جائیں گے۔۔۔ آئی جی صاحب کو فون کرو  
میرا پیغام انہیں دو۔“

”جی اچھا۔“ اس نے کہا۔ اور فون کرنے لگا۔ انسپکٹر کامران  
مرزا باریک بینی سے تباہ شدہ چیزوں کا جائزہ لے رہے تھے، آفتاب  
آصف اور فرحت بھی اس کام میں ان کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ ادھر  
اکرام فون کر کے فارغ ہوا، ادھر فرحت کے منہ سے نکلا۔

”ارے یہ کیا؟“

یہ کہتے ہوئے وہ جھکی اور صوفے کے پاس پڑی کوئی چھوٹی سی چیز  
اٹھالی۔۔۔ انہوں نے دیکھا۔۔۔ وہ نیلے رنگ کی ایک بال پوائنٹ پنسل



تھی۔ فرحت نے اسے ایک سرے سے پکڑ کر اٹھایا تھا۔

”یہ چیز تمہیں اور باقی لوگوں کو کیوں نظر نہیں آئی اکرام؟“

”شاید اس لیے کہ یہ صوفے کے نیچے پائے کے دوسری طرف

تھی۔“ اکرام نے شرمندہ ہو کر کہا۔

”اب دیکھو اکرام۔۔۔ فرحت کو یہ نظر آگئی۔۔۔ یہی فرق ہے۔۔۔

ہم میں اور دوسروں میں۔۔۔ ہم چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی زیادہ سے

زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔۔۔ اور سراغ رسانی میں اگر ہم ایسا نہ کریں تو ہر

کامیاب نہیں ہو سکتے۔۔۔ تم کو گے۔۔۔ ایک بال پوائنٹ کی کیا اہمیت۔۔۔

تو میں بتاتا ہوں۔۔۔ باقی چیزیں جو ملی ہیں۔۔۔ کیا ان پر انگلیوں کے نشانات

ملے۔“

”نہیں سر۔“

”لیکن بال پوائنٹ پر انگلیوں کے نشانات ضرور ملیں گے۔۔۔ اس

لیے کہ آخر اس سے انگلیوں سے پکڑ لکھا جاتا ہے۔“

”جی ہاں! یہ تو ہے۔“

”تب پھر فوراً اس پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھاؤ۔“

اکرام نے وہ بال پوائنٹ اپنے ایک ماتحت کو دے دیا۔۔۔ جلد

انگلیوں کے نشانات کا فوٹو ان کے سامنے تھا۔

”اکرام۔۔۔ اپنے ریکارڈ میں ان نشانات کو چیک کر لو۔“

”جی ہاں۔۔۔ میں نے ریکارڈ منگوایا ہے۔“ اکرام مسکرایا۔

”اس کا مطلب ہے۔۔۔ ہم کامیابی کے قریب ہیں۔“ آصف نے

پر جوش انداز میں کہا۔

”ابھی کچھ کہا نہیں جاسکتا۔“

پھر نشانات مل گئے۔۔۔ جلد ہی اکرام کی پر جوش آواز سنائی

دی۔

”نشانات مل گئے سر۔۔۔ یہ گوندل کے ہیں۔“

”گوندل؟“ ان کے منہ سے نکلا۔

”آئیے سر چلیں۔۔۔ میں جانتا ہوں۔۔۔ گوندل کہاں ملے گا۔“

”بہت خوب! یہ ہوئی ثابا۔۔۔ اب ہم کامیابی کی طرف ایک

قدم بڑھے ہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

”صرف ایک قدم۔۔۔ ایک قدم سے کیا ہو گا انکل۔“ فرحت

نے منہ بنایا۔

”بھئی ایک ایک قدم کر کے ہی بہت سے قدم ہوں گے۔“

آنتاب مسکرایا۔

اور پھر وہ ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے رکے۔

”اس ہوٹل کا مالک گوندل کا دوست ہے سر۔۔۔ اور یہ ہو نہیں

سکتا کہ وہ یہاں نہ آتا ہو۔۔۔ ان میں بہت گاڑھی چھنتی ہے۔۔۔ ایک

ہلک ڈبکتی میں گوندل کو سزا ہوئی تھی۔۔۔ سزا کاٹ کر وہ سیدھا اس

ہوٹل میں آیا تھا اور اس کے بعد بھی اکثر اسے یہیں دیکھا گیا۔۔۔ ویسے



اس کے بعد وہ کسی واردات میں ملوث نہیں پایا گیا۔  
”بہت خوب! آؤ۔“

وہ آگے بڑھے۔۔۔ کاؤنٹر پر ایک موٹا آدمی بیٹھا تھا۔۔۔ اس کا رنگ کالا تھا۔

”ہیلو مسٹر آرڈی۔“

موٹے نے چونک کر اکرام کو دیکھا۔۔۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔

”اوہو! یہ آپ ہیں انسپکٹر صاحب۔۔۔ فرمائیے۔۔۔ کیسے آنا ہوا۔۔۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔۔۔ ویسے آپ یقین کریں۔۔۔ اس ہوٹل میں کوئی غیر قانونی کام نہیں ہوتا۔“

”ہمیں گوندل سے ملنا ہے۔“

”اوہ گوندل۔۔۔ آپ نے تھوڑی دیر کر دی۔“ اس نے افسوس ناک انداز میں کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔ دیر کر دی۔“

”جی ہاں! اب وہ کل مل سکے گا۔۔۔ وہ ابھی ابھی تو گیا ہے۔۔۔ اور یہاں سے کہاں گیا ہے۔۔۔ یہ مجھے نہیں معلوم۔“

”جانے دو بھائی۔۔۔ کیوں جھوٹ پوچھتے ہو۔“ اکرام نے منہ بنایا۔

”جی۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ جھوٹ۔۔۔ میں نے کیا جھوٹ بولا جناب۔“

”یہ کہ گوندل ابھی ابھی یہاں سے گیا ہے۔۔۔ وہ دیکھو۔۔۔ اوپر والے ہال میں ایک میز پر بیٹھا ہے۔۔۔ لیکن اس نے ابھی ہمیں نہیں دیکھا۔۔۔ ورنہ اس میز سے کبھی کا اٹھ کر دوسری طرف چلا گیا ہوتا۔“ اکرام نے جلدی جلدی کہا۔

”اوہ! آپ اس گوندل کی بات کر رہے ہیں۔“ اس نے چونک کر کہا۔

”کیوں! یہاں اور کتنے گوندل آتے ہیں؟“ انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر پوچھا۔

”میرے ہوٹل میں آنے والے کم از کم تین آدمیوں کے نام گوندل ہیں۔“

”بہت بری بات ہے۔۔۔ گوندل تو ایک بھی کافی تھا۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

وہ مسکرا کر رہ گئے۔

”اچھا آپ یہیں ٹھہریں۔۔۔ ہم خود اس سے جا کر مل لیتے ہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

”آپ کی تعریف؟“ آرڈی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”انسپکٹر کامران مرزا۔“

”ارے باپ رے۔“ اس کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

”اکرام تم ذرا یہیں ٹھہرو۔۔۔ یہ صاحب گوندل کو ہوشیار نہ کر



دیں۔۔۔ اور وہ نکل نہ جائے۔۔۔

”جی ہمت۔“

”مجھے ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ آرڈی نے منہ بنایا۔

”اگر آپ کو ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تو پھر گوندل کے

بارے میں یہ کیوں کہا۔۔۔ وہ ابھی ہوٹل سے چلا گیا ہے۔“

”وہ میں نے دو ہرے گوندل کے بارے میں کہا تھا۔“

”ارے میاں جاؤ۔۔۔ کسی اور کو چکر دینا۔“ آصف نے جھلا

کہا۔

”آپ نہیں یقین کرتے تو نہ کریں۔“

”اگر بات یہی ہے تب ہمارے پوچھتے ہی آپ کو یہ کہنا چاہیے

تھا۔۔۔ آپ کون سے گوندل کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جناب! یہاں

تو تین گوندل آتے ہیں۔“

اس کا رنگ اڑ گیا۔۔۔ یہ دیکھ کر آفتاب مسکرا دیا۔

”دیکھا۔۔۔ ہو گئے نا لا جواب۔۔۔ ہم میں بس یہی بات بڑی ہے۔

دوسروں کو لا جواب کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔“

”حد ہو گئی۔۔۔ جب جواب نہیں رکھتے تو یہ بات بری کیسے

گئی؟“ فرحت نے اسے گھورا۔

”تم بلاوجہ بال کی کھال نہ اتارا کرو۔“ آفتاب اس کی طرف

مڑا۔

”آوے۔۔۔ وقت نہ ضائع کرو۔“

وہ اوپر آئے۔۔۔ اور گوندل کے سامنے پہنچ کر بولے۔

”کیا ہم یہاں بیٹھ سکتے ہیں؟“

گوندل چونکا۔۔۔ پھر ان کی طرف دیکھ کر اور زور سے چونکا، گویا

”انہیں اچھی طرح پہچانتا تھا۔۔۔ پھر تنگ کر بولا۔

”کیوں جناب۔۔۔ ہال میں تو بہت سی میزیں خالی ہیں۔“

”لیکن ہمیں یہی میز پسند ہے۔“ آصف بولا۔

”تب آپ یہاں تشریف رکھیں۔۔۔ میں دوسری میز پر بیٹھ جاتا

اوں۔“

”نہیں۔۔۔ ہمیں یہی میز پسند ہے۔ لیکن صرف اس صورت

میں جب آپ بھی اس میز پر ہوں۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“ اس نے جل کر کہا۔

”ہمیں دراصل آپ سے ملنا ہے۔“

”اوہ تو یہ کہیں نا۔۔۔ فرمائیے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

”یہ بال پوائنٹ آپ کی ہے۔“

”جی۔۔۔ جی نہیں۔۔۔ ایسی بال پوائنٹ پنسلیں تو عام ملتی ہیں۔۔۔

کسی کی بھی ہو سکتی ہے۔“

”تب پھر اس پر آپ کی انگلیوں کے نشانات کیوں ہیں؟“

”کیا مطلب۔۔۔ میری انگلیوں کے نشانات کا اس پر کیا کام؟“



یہ کہہ کر انہوں نے پوری بات سنا دی۔۔۔ سن کر گوندل گہری  
 آج میں ڈوب گیا۔۔۔ اب اس کی ساری شوخی رخصت ہو گئی تھی۔

”اب آپ کیا کہتے ہیں؟“

”میں نہیں جانتا۔۔۔ خان رحمان کے گھر کیا ہوا ہے۔۔۔ میرا اس  
 معاملے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔“

”تمہاری اس بات پر دنیا کی کوئی عدالت اعتبار نہیں کر سکتی۔۔۔  
 چونکہ جائے واردات پر تمہاری یہ پینل ملی ہے اور اس پر تمہاری  
 اگلیوں کے نشانات ہیں۔۔۔ لہذا تم لاکھ انکار کرو۔۔۔ کوئی یقین نہیں  
 کرے گا۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ وہ دھک سے رہ گیا۔

”لہذا تم سچ اگل دو۔“

”سچ یہی ہے۔۔۔ یہ پینل میری ضرور ہے۔۔۔ لیکن میرا اس  
 واردات سے کوئی تعلق نہیں۔“

”اوہو۔۔۔ یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔۔۔ آپ کی اس بات پر کون  
 یقین کرے گا۔۔۔ سوال تو یہ ہے۔“

”آپ کریں گے اس بات پر یقین۔“ اس نے پر یقین لہجے میں  
 کہا۔

”حد ہو گئی۔۔۔ ہم کیوں کرنے لگے یقین۔“

”کیونکہ۔۔۔ مجھے ایک بات یاد آ رہی ہے۔“

”یہی تو ہم آپ سے پوچھ رہے ہیں۔۔۔ آپ نے الٹا ہم سے  
 پوچھنا شروع کر دیا۔“

”آپ کا مطلب ہے۔۔۔ میری انگلیوں کے نشانات اس پر کیوں  
 ہیں۔۔۔ ذرا دکھائیں۔۔۔ شاید یہ میری ہو۔“

انہوں نے بال پوائنٹ پینل اس کی طرف سرکا دی۔۔۔ وہ اس کو  
 ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھنے لگا۔۔۔ پھر بولا۔

”ہاں شاید۔۔۔ یہ میرا ہو۔“

”شاید نہیں۔۔۔ یقیناً۔۔۔ اس لیے کہ اس پر آپ کی انگلیوں کے  
 نشانات موجود ہیں۔“

”چلے خیر۔۔۔ مان لیا۔۔۔ یہ مجھ سے کہیں گر مٹی ہو گی۔۔۔ پھر اس  
 سے کیا ہوتا ہے؟“

”یہی تو مشکل ہے چناب۔“ فرحت نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”مشکل۔۔۔ کون سی مشکل۔“

”یہ ہمیں ایک ایسی جگہ سے ملی ہے۔۔۔ جہاں بم پھینکا گیا تھا اور  
 پھر زخمی ہونے والوں کو وہاں سے ایک بڑی ایمبولینس میں سوار کر کے  
 لے جایا گیا۔“

”آپ پتا نہیں کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔ مہربانی فرما کر وضاحت  
 کریں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ سن لیں وضاحت۔“



”یہ کیا بات ہوئی.... آپ کو ایک بات یاد آ رہی ہے....“  
کوئی تک۔

”میں غلط نہیں کہہ رہا.... دو دن پہلے میں یہاں اس میز پر بیٹھا تھا.... کہ میرا ایک دوست آیا.... اس نے کچھ لکھنے کے لیے باتوں باتوں میں مجھ سے یہ پنسل مانگی.... میں نے نکال کر دے دی.... اس نے اس سے کچھ لکھا اور پھر شاید بے خیال میں اپنی جیب میں رکھ لی.... اس طرح جب وہ گیا تو پنسل پھر اس کی جیب میں چلی گئی.... اس کا مطلب ہے.... اس واردات میں دراصل اس کا ہاتھ ہے۔“

”واہ.... کہانی خوب گھڑی.... لیکن چالاک صاحب.... آپ ایک بات بھول گئے۔“ انسپکٹر کامران مرزا ہنسے۔

”کیا مطلب؟“

”وہ زور سے چونکا۔“



## ناموں کی رفتار

”تک.... کیا ہوا ابا جان.... آپ خاموش کیوں ہو گئے؟“ فرزانہ حیران ہو کر پوچھا۔

”بھلا یہاں کون کون ہیں؟“

”بس ہم ہی ہیں۔“ محمود کی آواز سنائی دی۔

”نہیں.... ہم میں ظہور اور بیگم ظہور نہیں ہیں۔“

”اوہ ہاں.... لیکن انہوں نے انہیں کہیں اور رکھا ہو گا.... اس

میں عجیب بات کیا ہے۔“

”وہ اس طرف.... تین بستر اور خالی پڑے ہیں.... وہ ان دونوں

کو اس طرف لٹا سکتے تھے.... لیکن انہیں یہاں نہیں رکھا گیا.... آخر

کیوں؟“

”پتا نہیں.... لیکن ہمیں تو اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں

آتی۔“ خان رحمان نے منہ بنایا۔

”لیکن مجھے آتی ہے.... سنو.... ظہور اور اس کی بیوی سے انہیں

کوئی خطرہ نہیں تھا.... لہذا انہیں الگ رکھا گیا.... گویا انہیں یہ انجکشن



نہیں دیے جا رہے۔“

”لیکن اس سے کیا فرق پڑ گیا اباجان۔“ فاروق نے مارے کے کہا۔

”بھئی سمجھا کرو۔۔۔ یہ انجکشن بہت زیادہ قیمتی ہیں۔“

”تب وہ انہیں انجکشن نہ لگاتے۔۔۔ رکھ تو اسی کمرے میں تھے۔“

”نہیں۔۔۔ کیونکہ اس صورت میں ہم ان سے کوئی کام لے سکتے۔۔۔ وہ تو ہاتھ پیر ہلا سکتے ہوں گے نا۔“

”اوہ ہاں! اب بات سمجھ میں آئی۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ انجکشن بہت زیادہ قیمتی ہیں یا نایاب ہیں۔۔۔ لیکن مجبوری کی وجہ انہیں لگانا پڑ رہے ہیں۔“

”چلے خیر۔۔۔ موجودہ صورت حال میں اس سے کوئی فرق نہیں رہا۔“

”ہاں! یہ کہا جا سکتا ہے۔“

”تو کیا اباجان! ہم یونہی پڑے رہیں گے۔“ محمود نے کہا۔

”نہیں ہمیں کچھ نہ کچھ کام تو کرنا ہو گا۔“ وہ مسکرائے۔

”حد ہو گئی۔۔۔ کام کرنے کے قابل ہم ہیں نہیں۔۔۔ اور کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔۔۔ آخر کیا کرنا ہو گا اور کیسے کرنا ہو گا۔“ فاروق نے جملے کئے انداز میں کہا۔

”بھئی عقل سے تو کام جاری رکھ ہی سکتے ہیں۔۔۔ ہماری عقلیں

کام کر رہی ہیں۔۔۔ ان انجکشنوں کا ان پر تو کوئی اثر نہیں ہے۔“

”چلے پھر۔۔۔ لیں عقل سے کام۔۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔۔۔

ن کر خوشی ہوئی ہے۔“ فاروق نے واقعی خوش ہو کر کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔ اس میں خوشی کہاں سے ٹپک پڑی۔“ فرزانہ

اپنے میں حیرت تھی۔

”بھئی خوشی کا کیا ہے۔۔۔ وہ تو کیس سے بھی ٹپک سکتی ہے۔“

اسکرایا۔

”تم بتاؤ۔۔۔ فاروق اس میں خوش ہونے کا کیا مقام۔“

”بھئی دماغ سے کام لینے کے ماہر ہیں اباجان اور فرزانہ۔۔۔ میری

دور کی چھٹی۔“

”میری تو خیر نہیں ہوئی چھٹی۔۔۔ تم چونکہ دماغ سے ویسے ہی

لنڈا تم چھٹی منا سکتے ہو۔۔۔ میں تو بہر حال سوچنے میں ان کا

دول گا۔۔۔ رہ گئے تم اکیلے۔“

”تم کوئی فکر نہ کرنا فاروق۔۔۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔“ خان

نے ہانک لگائی۔

اور وہ مسکرا کر رہ گئے۔۔۔ پھر وہ سوچنے لگے۔۔۔ کہ آخر اس کیس

کیا ہے۔۔۔ یہ سارا چکر کسی بلیک میلر کا چلایا ہوا تھا۔۔۔ خوفناک

بلیک میلر کا۔۔۔ لیکن اس کا طریقہ شاید دنیا کے بلیک میلروں



”ہاں! اس بات کا امکان ہے۔“

”کاش ہم ہاتھ پیرہلا سکتے۔۔۔ اس صورت میں ہم اب تک یہاں نکل بھی گئے ہوتے۔“ فرزانہ نے سرہ آہ بھری۔

”اور اگر اٹکل کامران مرزا بھی تلاش کرتے ہم تک نہ پہنچے۔۔۔“

”تو کیا ہو گا؟“ فاروق نے کانپ کر کہا۔

”ماریوسی کی باتیں نہ کرو۔۔۔ اللہ مدد کریں گے۔“ انسپکٹر جمشید نے

”اس میں کوئی شک نہیں۔“ وہ بول اٹھے۔

عین اس وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔۔۔ دروازہ کھلا

اور ایک بھاری بھر کم آدمی اندر داخل ہوا۔۔۔ اس کے جسم پر ڈاکٹروں

والا لباس تھا، آنکھوں پر عینک تھی۔۔۔ اس شخص کو انہوں نے پہلی بار

دیکھا تھا۔۔۔ لیکن انہیں محسوس ہوا۔۔۔ اس سے پہلے بھی کہیں دیکھ چکے

”ہیلو۔۔۔ آپ لوگ کیسے ہیں؟“

”آپ کی تعریف؟“

”یہ ڈاکٹر شاطر ہیں۔“

”ڈاکٹر شاطر۔۔۔ حیرت ہے۔۔۔ اب لوگ ایسے نام بھی رکھنے لگے

”انسپکٹر جمشید بولے۔

”کیا کیا جائے۔۔۔ مجبوری ہے۔۔۔ دنیا کی رفتار کو دیکھ کر ناموں کی

سے عجیب تھا۔۔۔ وہ فائل تیار کرتا تھا اور کسی اور جرائم پیشہ کو آگے فروخت کر دیتا تھا۔۔۔ جس کی مثال ان کے سامنے آئی تھی۔۔۔ گویا اس طرح اس نے خود کو حد درجے محفوظ بنا لیا تھا۔۔۔ براہ راست ہر ایک سے لین دین کرنے کی اسے ضرورت نہیں تھی۔۔۔ گویا اس کا سراغ بہت مشکل تھا۔۔۔ اگر وہ اپنے ہر ایک شکار سے خود تعلق رکھتا، ہر ایک خود اس سے رقم وصول کرتا تو سے نہ جانے کتنے آدمیوں سے بار بار لینا پڑتی اور کہیں نہ کہیں اس سے غلطی ہو جاتی۔۔۔ لیکن اس نے فائلیں فروخت کرنے کے طریقے کو اپنا کر گویا خود کو حد درجے محفوظ

لیا تھا۔۔۔ تاہم ان سے وہ خوف زدہ تھا۔۔۔ پتا نہیں کیوں۔۔۔ شاید وہ

خوف زدہ تھا۔۔۔ یا اس لیے خوف تھا کہ یہ لوگ بھی آخر کار کسی نہ کسی طرح مجرم تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔۔۔ ان کی تاریخ یہی تھی۔۔۔ وہ

دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے۔۔۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عجیب رویہ عامر جمالی کا ہے۔

آخر وہ اپنی کوٹھی سے ڈاک بنگلے کیوں گئے تھے۔“

”انہوں نے اس کی وجہ بتائی تھی۔۔۔ ایسا کرنے کا حکم ان

بلیک میلر نے دیا تھا۔۔۔ اس چکر میں اس نے رقم وصول کر لی تھی۔

”رقم براہ راست وصول کرنا اس کا طریقہ نہیں۔“

”ہو سکتا ہے۔۔۔ اس نے ایک آدھ شکار کو اپنے ہی قابو

رکھنے کا فیصلہ کیا ہو۔۔۔ اور عامر جمالی ان میں سے ایک ہو۔“



رفتار بھی بدھانا پڑتی ہے۔“

”کیا کہا۔۔۔ نن۔۔۔ ناموں کی رفتار۔“ فاروق نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

”کیوں جناب! آپ کو کیا ہوا؟“ ڈاکٹر شاطر اس کی طرف مڑا۔

”میرا مطلب ہے۔۔۔ یہ نام تو کسی ناول کا بھی ہو سکتا ہے۔“

”ناولوں کے ناموں کا یہاں کیا ذکر۔“ ڈاکٹر چونک کر بولا۔

”یہ ذکر یہ کیسے بھی کر سکتے ہیں۔“ فرزانہ مسکرائی۔

”خیر خیر۔۔۔ مجھے تو اپنا کام کرنا ہے۔۔۔ آپ لوگوں کے ساتھ یہاں

کوئی برا سلوک تو نہیں ہو رہا۔“

”اگر ہو رہا ہو تو کیا آپ اس کا کچھ علاج کر سکیں گے؟“

”ہاں کیوں نہیں۔۔۔ میں یہاں میڈیکل سپرنٹنڈنٹ ہوں آخر۔“

”تب پھر یہاں ہمیں جو انجکشن لگائے جا رہے ہیں۔۔۔ وہ نہ

لگائے جائیں۔“

”آپ کو کون سے انجکشن لگانے ہیں اور کون سے نہیں۔۔۔ یہ

ڈاکٹروں کا کام ہے۔۔۔ آپ کا نہیں، آپ اس میں دخل اندازی نہیں کر سکتے۔“

”لیکن جناب! ان سے ہمارے ہاتھ پیر کام کرنے کے قابل نہیں

رہ گئے۔“ محمود نے کہا۔

”وہ چند دن کی بات ہے۔۔۔ اس کے بعد یہ اثر ختم ہو جائے

۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ ویسے آپ کا چہرہ جانا پہچانا سا لگ رہا ہے۔۔۔

الہم نے آپ کو آج پہلی بار دیکھا ہے۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ ڈاکٹر مسکرایا۔

”کیا خیال ہے آپ کا؟“ فاروق نے کہا۔

”یہ کہ ہم پہلی بار ملے ہیں۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو اور اگر ہم پہلے بھی کیس مل چکے ہیں تو

آپ کے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔“ محمود بول اٹھا۔

”کیا مطلب۔۔۔ میرے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔۔۔ بھئی ڈاکٹر

صاحب۔۔۔ ان کے تو چھل بل اسی طرح ہیں۔۔۔ یہ تو ذرا بھی نرم نہیں

اوتے۔۔۔ اکٹروں اسی طرح ہے۔“

”خوراک ڈبل کر دیتے ہیں۔“ پیچھے کھڑے ڈاکٹر نے فوراً کہا۔

”بالکل ٹھیک۔۔۔ کل سے انہیں ڈبل خوراک دی جائے۔۔۔ آئندہ

اب میں ان سے ملاقات کروں تو ان کا لہجہ بدلا ہوا ہونا چاہیے۔۔۔ اب

ارام میں آلہ لگا کر دیکھ لوں۔۔۔ انجکشن نے ان کے دماغوں کو کس حد

تک قابو کیا ہے۔۔۔ اور ابھی ہمیں کتنے دن اور لگیں گے۔“

”کیا مطلب۔۔۔ کس چیز میں کتنے دن اور لگیں گے۔“ فاروق

نے چونک کر کہا۔

”یہ انجکشن جہاں ہاتھ پیر سن کرتے ہیں۔۔۔ وہاں دماغ کی پلیٹ



کو بھی صاف کر دیتے ہیں۔۔۔ ہاتھ پیر تو خیر کام کرنے کے کسی حد تک قابل ہو جاتے ہیں۔۔۔ لیکن سوچنے سمجھنے اور یاد رکھنے کی طاقت بالکل زائل ہو جاتی ہے۔۔۔ چند دن بعد آپ کو یہاں سے فارغ کر دیا جائے گا۔۔۔ لیکن آپ اس ہسپتال کو تلاش نہیں کر سکیں گے۔۔۔ آپ اپنے ساتھیوں اور پولیس کو اس عمارت تک نہیں لائیں گے۔۔۔ بلکہ یہاں کے بارے میں ایک بات بھی نہیں بتا سکیں گے۔۔۔ یہاں تک کہ میرا نام تک آپ کو یاد نہیں رہ جائے گا۔۔۔ بھلا کیا نام ہے میرا؟“ وہ کہنے لگے۔

”ڈاکٹر شاطر۔“

”بالکل ٹھیک۔۔۔ اس وقت تو آپ لوگ بتانے کے قابل ہیں۔۔۔ لیکن دو تین دن بعد اتنا بھی نہیں بتا سکیں گے۔۔۔ اور پھر ہم آپ لوگوں کو آزاد کر دیں گے۔۔۔ آپ کو یہاں رکھنے کی ضرورت ہی کیا رہ جائے گی۔۔۔ کیا سمجھے۔“

”ہوں۔۔۔ سمجھ گئے۔۔۔ بہت خوف ناک پروگرام ہے آپ کا۔“ انسپٹر جمشید فکر مندانہ انداز میں بولے۔

”چلو تم نے اس پروگرام کو خوفناک تو خیال کیا۔۔۔ میں نے تو سمجھا تھا۔۔۔ تم کسی کے پروگرام کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔“ ڈاکٹر شاطر ہنسا۔

”اگر آپ اہمیت دلوانے کے چکر میں ہیں تو ہم جس قدر اہمیت

آپ چاہیں دینے کے لیے تیار ہیں۔“  
”اوہ اچھا۔“ اس نے منہ بنایا۔

پھر اس نے ایک آلہ ان سب کے دماغوں پر باری باری لگا کر ایک کیا اور آخر فارغ ہو کر اپنے ساتھی ڈاکٹر اور نرسوں کی طرف ہٹا۔  
”حالت ان کی ہمارے پروگرام کے عین مطابق ہے۔۔۔ دو تین دن اور لگیں گے۔“

”بہت خوب ڈاکٹر۔۔۔ مزا آجائے گا پھر تو۔“

”ہاں! اب ہم اس تجربے سے بھی دولت کما سکیں گے۔“

”جج۔۔۔ جی کیا مطلب؟“ اس کے ساتھی چونکے۔

”اس دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں۔۔۔ جو دنیا کے غموں اور پریشانیوں سے تنگ رہتے ہیں۔۔۔ ایسے لوگ اس انجکشن سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔“

”اوہ۔۔۔ ہاں۔۔۔ واقعی۔“

پھر وہ لوگ چلے گئے۔۔۔ وہ سوچ میں ڈوب کر رہ گئے۔

”اس شخص کو ہم نے کہاں دیکھا ہے۔۔۔ اگرچہ یہ اس وقت تک آپ میں ہے۔۔۔ لیکن پھر بھی یہ جانا پہچانا کیوں لگ رہا ہے۔“ محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”اور اس کی آواز۔۔۔ ایسا لگتا ہے۔۔۔ ہم سن چکے ہیں۔“ فاروق



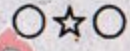
”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ فرزانہ نے ان کی تائید کی۔  
 ”لیکن اگر ہم یہ بات سوچ بھی لیں۔۔۔ تو۔۔۔ تو کیا فائدہ۔“  
 فرزانہ نے اداس انداز میں کہا۔

”ہاں واقعی۔۔۔ ہم تو ہاتھ پیر تک نہیں ہلا سکتے۔“

”اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے۔۔۔ چند دن بعد یہ لوگ  
 ہمیں چھوڑ دیں گے۔۔۔ لیکن اس وقت ہمارے دماغ کام کرنے کے  
 قابل نہیں رہ جائیں گے۔“

”اوہ۔۔۔ ارے ہائیں۔۔۔ مجھے یاد آگیا۔“

محمود بہت زور سے اچھلا۔



## عجیب منظر

”میں بتاتا ہوں۔۔۔ مسٹر گوندل۔۔۔ تمہارا کہنا ہے کہ تم نے اپنا  
 بال پوائنٹ ایک دوست کو دے دیا تھا۔۔۔ اور وہ واپس کرنا بھول گیا  
 تھا۔۔۔ تب اس پر اس کی انگلیوں کے نشانات کیوں نہیں ہیں؟“ انسپکٹر  
 کامران مرزا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”اوہ! اس بات پر میں نے دھیان نہیں دیا۔۔۔ لیکن میں اس پر  
 ہر ت ہی ظاہر کر سکتا ہوں۔۔۔ اس لیے کہ۔۔۔ میں نہیں جانتا۔۔۔ اس کی  
 انگلیوں کے نشانات بال پوائنٹ پر کیوں نہیں آئے۔۔۔ اصولی طور پر تو  
 آنے چاہیے تھے۔“

”اس کا وہی جواب ہے۔۔۔ یہ کہ آپ کی کمائی جھوٹی ہے۔۔۔  
 آپ نے یہ بال پوائنٹ پنسل کسی کو نہیں دی تھی۔۔۔ اور یہ آپ سے  
 اس مکان میں گری ہے۔۔۔ جس میں آپ لوگوں نے بم دھماکا کیا  
 تھا۔۔۔ اور پھر وہاں سے لوگوں کو کسی اور جگہ لے گئے۔۔۔ ہمیں اس جگہ  
 لانا چاہیے اور بس۔۔۔ اور وہ ہم تم سے معلوم کر لیں گے۔“ وہ کہتے  
 چلے گئے۔



”تب پھر آپ میری بھی ایک بات سن لیں۔“ اس نے پختہ لہجے میں کہا۔  
 ”ہاں کو۔“

”میرے اس دوست کا نام الیاس لنگڑا ہے۔ جس کو میں نے اپنا یہ بال پوائنٹ دیا تھا۔ اگر اس میں کیا حرج ہے کہ آپ میرے بیان کی تصدیق کر لیں۔ ہو سکتا ہے۔ اس نے بال پوائنٹ جان بوجھ کر مجھے سے لے لیا ہو۔ اسے تو اس پروگرام کا علم تھا نا۔ اور اس نے سوچا ہو کہ وہ میرا یہ بال پوائنٹ وہاں گرا آئے گا۔ تاکہ میں جاؤں۔“ اس نے جلدی جلدی کہا۔

”لیکن وہ تو تمہارا دوست ہے۔ وہ تمہیں پھنسانے کا پروگرام کیوں بنائے گا؟“

”اس کی کوئی بھی وجہ ہوگی۔ جو میں نہیں جانتا۔ میں تو اس کی ایک بات کہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ آپ اس بات کو چیک کیوں نہیں لیتے۔“

”اچھی بات ہے۔ بتاؤ۔ الیاس لنگڑا کہاں ملے گا۔“  
 ”اپنے گھر ملے گا۔ یہ وقت اس کے گھر میں ملنے کا ہے۔“  
 ”اور اس کا گھر کہاں ہے؟“

”اُخلدون روڈ۔“  
 وہ اُخلدون روڈ کی طرف چل پڑے۔ مکان کے سامنے پہنچ کر

کاڑی سے اترے۔ آصف نے آگے بڑھ کر دستک دی۔ جواب میں ایک لڑکا باہر نکلا۔ اس نے سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔  
 ”الیاس لنگڑا کو بلاؤ۔“

جلد ہی دروازہ کھلا اور لڑکا باہر نکلا۔ لیکن اس کے چہرے پر اایاں اڑ رہی تھیں۔

”وہ۔۔۔ وہ ابو کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ جلدی چلے۔“  
 وہ بے تحاشا اندر کی طرف دوڑ پڑے۔ ایک کمرے میں ایک لڑکا چوڑا آدمی خون کی تہ کرتا نظر آیا۔ اس پر جان کنی کی حالت طاری تھی۔ آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔ اور چہرے کا رنگ نیلا ہو چکا تھا۔ جونہی وہ اندر داخل ہوئے۔ اس نے دم توڑ دیا۔

”ارے باپ رے۔۔۔ یہ تو مر گیا۔“ آصف نے چلا کر کہا اور اس کا لڑکا بے تحاشا رونے لگا۔ باہر اس کی بیوی کے رونے کی آواز سنائی دی۔ وہ گھبرا گئے۔ کہ یہ اچانک کیا ہوا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے ایسے میں بھی اوسان بحال رکھے اور لڑکا کمرے کا جائزہ لیا۔ انہیں باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکی نظر آئی۔ وہ کھلی ہوئی تھی اور اس میں سلاخیں بھی نہیں تھیں۔  
 ”کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔“

یہ کہہ کر انہوں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ چکر کاٹ کر وہ لڑکی طرف آئے۔ اس طرف ایک کھلا میدان تھا۔ کھڑکی کے نیچے



قدموں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے وہیں سے آواز دی۔  
”آصف۔۔۔ تم باہر نکل کر کھڑکی کے پاس آ جاؤ۔“

آصف ان کے پاس آ گیا۔

”ان نشانات کے پاس ٹھہرو۔۔۔ یہ ضائع نہ ہونے پائیں۔۔۔ قاتل  
بہت جلدی میں ادھر آیا تھا۔۔۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ ہم اس کی طرف  
روانہ ہوئے ہیں۔۔۔ لہذا اس نے بھی الیاس کی طرف دوڑ لگا دی۔۔۔ اور  
ہم سے پہلے یہاں پہنچ گیا۔۔۔ اس لیے کہ ہم تو معمول کی رفتار  
روانہ ہوئے۔۔۔ افسوس یہ ہمیں بہت کچھ بتا سکتا تھا۔۔۔ کم از کم  
والی واردات میں ضرور شریک تھا۔“

”تب پھر اس کا مطلب ہے۔۔۔ گوندل کا بیان درست ہے۔“

”ہاں! اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔“ انسپکٹر کامران

بولے۔

”او کیے۔۔۔ اکرام کو بلا لو بھی۔۔۔ وہ اپنے ماتحتوں اور ماہرین کے  
ساتھ آ جائے۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔ قاتل زہر کے ذریعے کیا گیا ہے۔۔۔  
کھڑکی تک آیا اور بلو پائپ سے زہریلی سوئی اس کی طرف پھینک  
دی۔۔۔ جب اس نے دیکھا کہ زہر اپنا کام کر چکا ہے۔۔۔ تو پھر اس نے  
دوڑ لگا دی اور غالباً یہ زہر بھی کوئی بہت تیز تھا۔“ یہ کہتے ہوئے  
اچانک ان کی نظریں ایک کونے میں رکھی میز کی طرف پڑیں۔۔۔ وہ اس  
پر جھک گئے۔۔۔ اور غور سے دیکھتے رہے۔۔۔ وہاں باریک باریک نشانات

۔۔۔ پھر اکرام کو فون کیا گیا۔۔۔ معمول کی کارروائی شروع ہو گئی۔  
۔۔۔ میں فرحت بولی۔

”یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ پنل پر الیاس  
الراکی انگلیوں کے نشانات کیوں نہیں آئے۔“

”غالباً“ الیاس لنگڑا کو گوندل سے کوئی اندرونی دشمنی تھی۔  
۔۔۔ رحمان کے گھر بم پھینکنے کا حکم باس اسے دے چکا تھا۔۔۔ لہذا اس  
بھانے سے گوندل سے بال پوائنٹ مانگی اور اس طرح پکڑا کہ  
الوں کے نشانات اس پر نہ آ سکیں۔۔۔ اور دھماکے کے بعد جب وہ  
بے ہوش لوگوں کو نکال کر لے جا رہے تھے تو اس نے وہ پنل وہاں  
را دی۔۔۔ تاکہ گوندل کو پکڑا جائے۔“ آصف نے جلدی جلدی کہا۔  
”لیکن اس طرح تو وہ بھی پکڑا جاتا۔۔۔ ظاہر ہے۔۔۔ اگر گوندل کو  
لا کر اس سے پوچھا گیا۔۔۔ تو اس نے الیاس کا نام بتایا یا نہیں۔“  
رحمت نے برا سامنہ بنایا۔

”اوہ ہاں! واقعی۔۔۔ یہ بات تو سمجھ میں نہیں آتی۔“  
”انکل آپ اس بارے میں کچھ فرمائیں۔۔۔ ہماری تو عقلیں دنگ  
۔۔۔“  
”بھئی صاف اور سیدھی بات ہے۔۔۔ بلکہ بالکل سامنے کی بات  
۔۔۔ وہ مسکرائے۔  
”جی کیا مطلب۔۔۔ ہماری تو سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اور نہ



دکھائی دے رہی ہے۔۔۔ بلکہ ہمارے سامنے تو دیوار ہے۔“ آفتاب نے  
بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ارے! تو۔۔۔ دیوار پر لکھا پڑھ لو۔“ انسپٹر کامران مرزا ہنسے۔  
”آپ مذاق کے موڈ میں ہیں۔۔۔ دیوار پر تو کچھ بھی نہیں لکھا۔“  
”مار کھا گئے نا۔“ وہ بولے۔

”جی مار۔۔۔ کہاں کھا گئے۔۔۔ کس سے کھا گئے۔۔۔ یہ آج آپ  
کیسی باتیں کر رہے ہیں؟“

”یہ تم جو ہر وقت ہم لوگوں پر محاورات ٹھونٹے رہتے ہو۔۔۔ اور  
آج ایک محاورہ میری طرف سے سنبھال نہیں سکے۔۔۔ ہے کوئی تک۔“  
”اوہ تو آپ نے کوئی محاورہ بولا ہے۔۔۔ حیرت ہے۔۔۔ ہمیں  
دکھائی نہیں دیا۔۔۔ سنائی نہیں دیا۔“ آصف نے حیران ہو کر کہا۔  
”بھئی تم نے سنا نہیں۔۔۔ نوشتہ دیوار پڑھنا۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔“ ان کے منہ سے نکلا۔۔۔ پھر وہ شرمندہ ہو گئے اور  
انسپٹر کامران مرزا مسکرا دیے۔۔۔ ایسے میں فرحت نے چونک کر کہا۔  
”ٹھیک ہے۔۔۔ میں سمجھ گئی۔“

”کیا سمجھ گئیں تم؟“ انہوں نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔  
”لیکن انکل! اس میں گھورنے والی کون سی بات ہے؟“  
”بھئی گھورنے کا کیا ہے۔۔۔ گھورنے کی بات تو کسی بات میں  
ہو سکتی ہے۔“

”حد ہو گئی۔۔۔ آج تو آپ ہمارے کان کاٹنے پر تلے ہوئے

”اب کیا کروں۔۔۔ مجبور ہوں۔“

”چلے! اب آپ نے اس سے میں ایک عدد مجبوری بھی نکال  
آفتاب نے منہ بنایا۔

”بات کیا ہو رہی تھی اور کہاں پہنچ گئی۔۔۔ فرحت تم بتاؤ۔۔۔ تم  
کہہ لیں۔“

”الیاس لنگڑے کا ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔۔۔ یعنی گوندل کو  
انے کا۔۔۔ اس نے واقعی کسی ضرورت کے لیے پنسل مانگ لی تھی  
نیالی میں اس کو جیب میں رکھ لیا۔۔۔ اور وہ انکل کے گھر اس  
کر گئی۔“

”تب پھر اس پر الیاس لنگڑے کی انگلیوں کے نشانات کیوں

”ہو سکتا ہے۔۔۔ وہ عادتاً دستانے پنے رہتا ہو۔“

”اوہ اچھا۔۔۔ ہاں اس بات کا امکان ہے۔“ وہ بولے۔

”خیر! اس پر ہم پھر غور کریں گے۔۔۔ کہ پنسل پر اس کی انگلیوں

نشانات کیوں نہیں آئے تھے۔۔۔ فی الحال تو دیکھنا یہ ہے کہ مجرم ایک

صاف بیچ نکلا ہے۔۔۔ اور ہم اس کا سراغ لگانے میں بری طرح

نظر آ رہے ہیں۔۔۔ ان حالات میں سوچنا چاہیے۔۔۔ ارے ہاں۔۔۔



”لک۔۔۔ کیا ہوا بھی۔۔۔ کہیں تمہیں بخار تو نہیں ہو گیا۔“  
نے گھبرا کر کہا۔

”حد ہو گئی۔۔۔ بخار کا ذکر یہاں کہاں سے نکل آیا۔“ آصف نے  
گورا۔

”مم۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ اس طرح تو آدمی بخار میں ہی چیخ  
ہے۔“ وہ مسکرایا۔

”جی نہیں۔۔۔ کوئی خیال آنے پر بھی چیخ سکتا ہے۔۔۔ اور خیال یہ  
کہ ابھی ابھی انکل نے کہا ہے کہ جب مجرم کو پتا چلا کہ ہم

لنگڑے کی طرف جا رہے ہیں۔۔۔ تو مجرم کو پتا کیسے چل گیا کہ ہم  
لنگڑے کی طرف جا رہے ہیں۔۔۔ یہ بات صرف اور صرف گوندل

علوم تھی کہ ہم اس پنل کی وجہ سے اب الیاس لنگڑے کی طرف  
گئے۔۔۔ اور اسے گرفتار کر لیں گے۔۔۔ الیاس لنگڑا مجرم کے بارے

میں ضرور کچھ بتا سکتا تھا۔۔۔ لہذا اس نے بھی دوڑ لگا دی اور ہم  
پہلے اس تک پہنچ کر اسے ختم کر دیا۔“

”بہت خوب۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے خوش ہو کر کہا۔  
”ہے نا۔۔۔ بہت خوب۔۔۔ لہذا ہمیں گوندل کی طرف جانا

۔۔۔ بلکہ دوڑ لگا دینا چاہیے۔“  
”اوہ ہاں۔۔۔ واقعی۔۔۔ لیکن ذرا ٹھہرو۔۔۔ پہلے میں اس گھر کی چند

کا معائنہ کر لوں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا اور اس کام میں

ایک بات اور۔۔۔ آخر مجرم نے خان صاحب کے گھر بم کیوں پھنکوا  
”صاف ظاہر ہے۔۔۔ انہیں ختم کرانے کے لیے۔۔۔ ہم

ایمبولینس بھی اسی لیے اس نے بھیجی کہ اندر جا کر معلوم کر لیا جا  
وہ لوگ زندہ تو نہیں بچ گئے۔۔۔ اگر ایسی صورت ہو تو انہیں اغوا

جائے۔۔۔ اس افرا تفری میں کسے یہ ہوش تھا کہ ایمبولینس کو شک  
نظروں سے دیکھتا۔۔۔ جب اس کے آدمیوں نے یعنی الیاس لنگڑا

نے دیکھا کہ وہ لوگ زندہ بچ گئے ہیں تو انہیں ایمبولینس میں ڈال  
لے گئے۔“

”ارے باپ رے۔۔۔ آپ تو بہت زیادہ ہولناک بات کر  
ہیں۔۔۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے انہیں مار ڈالا۔“

”یہ نہیں کہا جاسکتا۔۔۔ ہو سکتا ہے وہ قید میں ہوں۔“  
”ہوں۔۔۔ واقعی۔۔۔ خیر۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ انہوں نے

ایسی بات معلوم کر لی تھی۔۔۔ جس کے ذریعے وہ مجرم تک پہنچنے  
قاتل ہو گئے تھے۔۔۔ اور یہ بات مجرم نے بھی محسوس کر لی تھی۔

اس نے یہ پروگرام ترتیب دے ڈالا۔۔۔ جب اسے پتا چلا کہ ہم  
الیاس لنگڑا۔“

”ایک منٹ انکل۔“ فرحت چلائی۔  
انہوں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔۔۔ فرحت کے

پر جوش ہی جوش تھا۔



لگ گئے۔

آخر وہ ہوٹل کی طرف دوڑ پڑے۔۔۔ جونہی وہ ہوٹل میں ہوئے۔۔۔ انہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔۔۔ وہ بری طرح بوکھلا

○☆○

## خوفناک خیال

وہ محمود کی طرف گھوم گئے۔۔۔ اپنے دھڑوں کو وہ ادھر ادھر کر رہے تھے۔

”کیا جان لیا تم نے؟“ انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

”یہ کہ میں نے اس شخص کو کہاں دیکھا ہے۔۔۔ دراصل اس

وقت یہ میک اپ میں تھا۔۔۔ اس لیے اتنی دیر لگی۔“

”ارے بھی تو بتاؤ نا۔۔۔ کہاں دیکھا تھا ہم نے اسے۔“

”جب ہم یونین کے صدر کے پاس گئے تھے۔۔۔ اور ان کے

کمرے سے نکل رہے تھے تو ہم نے بھلا کس شخص کو اندر داخل ہوتے

دیکھا تھا۔“

”کالا سوڈانی کو۔“

”کیا!!!“ انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔

ان کے اس طرح چلا اٹھنے پر انہیں بہت حیرت ہوئی۔

”تت۔۔۔ تم نے۔۔۔ تم نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی تھی۔“

”کک۔۔۔ کون سی بات؟“ محمود گھبرا گیا۔



”ہی۔۔۔ کالا سوڈانی والی۔“

”ہم بھول گئے۔۔۔ نہیں بلکہ ہماری ملاقات ہی کچھ وقت پہلے ہوئی تھی۔۔۔ اس لیے ہمیں خیال نہیں رہا۔۔۔ ورنہ ذہن میں یہ بات تھی۔۔۔ لیکن آپ اس طرح کیوں چوٹے؟“

”میں کالا سوڈانی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔ اور اب میں بھی بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ جو شخص اس وقت یہاں آیا تھا کالا سوڈانی ہی تھا۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ ایک بات اور یاد آرہی ہے اباجان۔“ اس مرد فاروق کی آواز سنائی دی۔

”چلو وہ بھی بتا دو۔۔۔ پتا نہیں کیا ہو گیا ہے ان باتوں کو۔۔۔ آئے چلی جا رہی ہیں۔“ خان رحمان نے منہ بنایا۔

اور وہ مسکرا کر رہ گئے۔۔۔ پھر فرزانہ نے کہا۔  
”توڑی بھائی عمے ہاں ہم نے کالا سوڈانی کو دیکھا ہے۔“

”اب چند دن بعد ہمارے دماغ بالکل ناکارہ ہو جائیں گے۔۔۔ ہم اس دنیا میں بھلا کس کام کے رہ جائیں گے۔۔۔ لوگ ہمیں پاگل پاگل کہا کریں گے۔۔۔ اور ہم بلاوجہ قہقہے لگایا کریں گے۔۔۔ ہنسا کریں گے۔۔۔ رویا کریں گے۔۔۔ بس جب ہمیں بھوک لگا کرے گی۔۔۔ کھا لیا کریں گے۔۔۔ جب نیند محسوس ہوا کرے گی سو جایا کریں گے۔“ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

”ایسی خوفناک باتیں نہ کرو۔“ خان رحمان چلائے۔

”ارے تو آپ چلا کر باتیں کیوں کر رہے ہیں۔“ محمود نے بھی لڑا کر کہا۔

”اور تم تو جیسے چٹختے ہی نہیں؟“ خان رحمان غرائے۔

”آپ۔۔۔ آپ کے لہجے سے مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔۔۔ اپنا لہجہ واپس لیں۔“

”کیا کہا۔۔۔ لہجہ واپس لوں۔۔۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔“ خان رحمان نے بلند آواز میں کہا۔

”نہیں۔۔۔ ابھی نہیں چلا۔۔۔ جب چلے گا۔۔۔ آپ کو بتا دوں گا۔“ فاروق مسکرایا۔

”حد ہو گئی۔۔۔ ارے ہاں۔۔۔ کیا کہا تھا تم نے۔۔۔ اپنا لہجہ واپس لوں۔۔۔ بھلا لہجہ بھی واپس لیا جاسکتا ہے۔“

”کیوں انکل۔۔۔ اگر الفاظ واپس لیے جاسکتے ہیں تو لہجہ کیوں نہیں لیا جاسکتا۔“

”توبہ ہے تم سے۔“

”توبہ کریں اللہ تعالیٰ سے۔“ محمود نے کہا۔

”کہیں یہ اس انجکشن کا اثر تو نہیں ہے۔“

”پتا نہیں۔۔۔ اب سے پہلے تو ہماری حالت ایسی ہوئی نہیں تھی۔“ انسپکٹر جمشید بلند آواز میں چٹختے۔



”کیا... کیا کہا... سنکل اوڈانی... یہ کیا ہوا؟“

”دراصل زبان پھسل گئی... اس طرح حروف اپنی جگہ بدل بیٹھے... کم بخت کہیں گے۔“

”کون کم بخت کہیں گے؟“ خان رحمان نے بے دھیانی کے عالم میں کہا۔

”حروف اور کون انکل... اب میں آپ کو تو کم بخت کہیں گے کہہ نہیں سکتا۔“

”کہہ کر دیکھو... وہ بے بھاؤ کی لگاؤں گا کہ ثانی اماں یاد آجائیں گی۔“ وہ چلائے۔

”حد ہو گئی... بے بھاؤ کی لگائیں گے کیسے... پہلے یہ تو بتا دیں... ہاتھ پیر ہلا تو سکتے نہیں۔“

”اوہ! یہ کیا بات یاد دلا دی... اگر یاد نہ دلائی ہوتی تو میں ان سب سے دو دو ہاتھ ضرور کرتا۔“ خان رحمان نے افسوس ناک انداز میں کہا۔

”آپ ہم سے دو دو ہاتھ کرتے... یا مجرموں سے؟“ فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

”چپ... چپ رہو۔“ کالا سوڈانی چلا اٹھا۔

”پہلے آپ خود تو چپ رہیں... اس قدر بلند آواز میں باتیں کر رہے ہیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔“ محمود نے مسکرا کر کہا۔

اور پھر تو ان سب پر گویا چیخنے کا دورہ پڑ گیا... وہ حلق پھاڑ کر چیخنے لگے... اچانک دوروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا... اور ساتھ ہی کالا سوڈانی اندر داخل ہوا۔

”کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو؟“

”دورہ پڑ گیا ہے ہم پر... چیخنے کا دورہ۔“ محمود چیخا۔

”ارے تو آرام سے بات کرو۔“ کالا سوڈانی بھی چیخ کر بولا۔

”حد ہو گئی... جب دورہ ہی چیخنے کا پڑا ہے... تو آرام سے بات کرو۔“

کس طرح کروں۔“ اس نے اور بھی زیادہ بلند آواز میں کہا۔

”ویسے ہم ایک شرط پر اپنا یہ دورہ واپس لے سکتے ہیں۔“ فرزانہ

مسکرائی۔

”کیا کہا... دورہ واپس لے سکتے ہیں۔“ سوڈانی نے ہنس کر کہا۔

”ہاں! لے سکتے ہیں... اس میں کون سی عجیب بات ہے۔“

”یہ کوئی سرکاری دورہ نہیں... جو واپس نہیں لیا دیا جاسکے۔“

یہ تو چیخنے چلانے کا دورہ ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے برا سامنہ بنایا۔

”کوئی بات نہیں اباجان... ان کی خاطر ہم پھر بھی اس دورے

واپس لے سکتے ہیں... اگر یہ... یہ بتا دیں کہ یہ کالا سوڈانی ہیں۔“

”اوہ! اچھا... تو تم نے مجھے پہچان لیا... خیر... اچھا کیا...“

میں کالا سوڈانی ہوں... لیکن... وہ کہتے کہتے رک گیا۔

”لیکن کیا... سنکل اوڈانی۔“ فاروق نے فوراً کہا۔



”توبہ ہے تم سے۔“ کالا سوڈانی نے جل کر کہا۔

”اچھا ابھی۔۔۔ ذرا دیر کے لیے پاگلوں والا پروگرام بند۔۔۔ ذرا عقل والوں کی بات سن لیتے ہیں پہلے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔۔۔ ہاں تو سوڈانی بابا۔۔۔ آپ کیا کہتے ہیں۔“ محمود نے کہا۔

”اے خبردار۔۔۔ میں سوڈانی بابا نہیں ہوں۔۔۔ میرا نام کالا سوڈانی ہے۔“

”اوہ سوری۔۔۔ یہ تو ہم بھول ہی گئے۔۔۔ ہاں تو سوڈانی صاحب۔۔۔ آپ فرمائیں۔“

”اس طرح چیخ چلا کر کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ ابھی آپ کے دماغوں کی پلیٹیں بالکل صاف نہیں ہوئیں۔“

”آخر ہم بھی انسان ہیں۔۔۔ کب تک انتظار کریں؟“

”چلو تم لوگوں کو ایک خبر بھی سنا دوں۔۔۔ تم لوگوں کو تلاش کرنے کے لیے حکومت نے انسپکٹر کامران مرزا کو بلوایا ہے۔۔۔ اب وہ اس سلسلے میں کوشش کر رہے ہیں۔“

”واہ! یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔“

”بالکل بھی نہیں۔۔۔ وہ یہاں نہیں آ سکیں گے۔“

”یہ بات تم اس قدر یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو آخر؟“

”تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ یہ ہسپتال کہاں ہے؟“

”ارے بھائی ہے تو اپنے ہی ملک میں نا۔“

”ہاں! ملک میں ہے۔۔۔ دارالحکومت میں ہی ہے۔۔۔ لیکن انسپکٹر

کامران مرزا یہاں نہیں آ سکتے۔“

”غیر دیکھا جائے گا۔۔۔ وہ نہیں آ سکیں گے تو ہم خود یہاں سے

چلے جائیں گے۔“

”ہاں! یہ ٹھیک ہے۔۔۔ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ گے۔۔۔ لیکن

ایسی حالت میں کہ تم لوگوں کے دماغوں کی پلیٹیں بالکل صاف ہو جائیں

گی۔۔۔ اور تم اس دنیا میں کسی کام کے نہیں رہ جاؤ گے۔“

”اچھا اللہ مالک ہے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”اب اگر تم لوگوں نے شور مچایا تو پھر میں تمہیں نیند کے

انجکشن لگا دوں گا اور تم تین دن تک سوتے رہو گے۔۔۔ اور پاگل پن

کے انجکشن بھی نیند کی حالت میں لگاتا رہوں گا۔“

”نہیں بس۔۔۔ اب ہم کیا کریں گے شور مچا کر۔۔۔ اتنی بہت سی

باتیں معلوم کر لیں اور یہ بھی جان لیا کہ انسپکٹر کامران مرزا آ گئے

ہیں۔۔۔ اور ہمیں کیا چاہیے۔۔۔ بلکہ یوں کہہ لیں۔۔۔ اندھا کیا چاہے۔۔۔

”آ نکھیں۔“ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

اور پھر سوڈانی چلا گیا۔۔۔ وہ سوچ میں ڈوب گئے۔۔۔ پھر انسپکٹر

ہشید نے کہا۔

”آخر یہ کالا سوڈانی اس قدر یقین سے کیوں کہتا ہے کہ انسپکٹر



اوہ نہیں

”کونڈل ہوٹل میں موجود تھا۔۔۔ انہیں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں  
 بہت دوڑ گئی۔۔۔ چائے کا کپ اس نے منہ تک لے جانے کی بجائے  
 اس پلیٹ میں رکھ دیا۔۔۔ وہ اس کی میز کے نزدیک پہنچ گئے۔  
 ”مسٹر گونڈل، کیا ہم یہاں بیٹھ سکتے ہیں۔“  
 ”اب پھر مجھ سے کیا کام آ رہا؟“  
 ”اصل کام تو ابھی شروع ہوا ہے۔“  
 ”اوہو اچھا۔۔۔ فرمائیے پھر۔“ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔  
 ”ہم دھماکے کی جگہ سے ہمیں آپ کی انگلیوں والا بال پوائنٹ ملا  
 ہے۔“  
 ”یہ تو بات اب سب کو معلوم ہے۔“ اس نے حیران ہو کر کہا۔  
 ”بہت خوب! اور اسی لیے ہم آپ تک پہنچے تھے۔“  
 ”یہ بات بھی معلوم ہے۔۔۔ کوئی نئی بات کریں نا۔“ اس نے  
 انداز میں کہا۔  
 ”آپ نے بتایا تھا کہ یہ بال پوائنٹ آپ سے الیاس لنگرے نے

کامران مرزا بھی یہاں نہیں پہنچ سکیں گے۔“  
 ”یہ اس کا خیال ہے جشید۔۔۔ یہ ہمارے طریقے کیا جانے۔۔۔ یہ  
 انسپکٹر کامران مرزا کو کیا جانے۔“ خان رحمان نے منہ بنایا۔  
 ”ہاں! لیکن ہمیں یہ سوچنا چاہیے۔۔۔ کہ اس بات پر اسے اس  
 قدر یقین کیوں ہے۔“  
 ”آپ کہتے ہیں تو کر لیتے ہیں غور۔۔۔ ورنہ ان حالات میں تو غور  
 کرنا بھی آسان کام نہیں ہے۔“ فرزانہ مسکرائی۔  
 وہ سوچ میں ڈوب گئے۔۔۔ انسپکٹر جشید بار بار ان دیواروں کو  
 دیکھنے لگے۔۔۔ اچانک ان کی آنکھیں حیرت زدہ انداز میں پھیل گئیں۔  
 وہ سرسراتے لہجے میں بولے۔  
 ”اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ سوڈانی ٹھیک کہتا ہے۔“  
 ”جی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ کیا ٹھیک کہتا ہے سوڈانی۔“ محمود جلدی  
 سے بولا۔  
 ”یہ کہ انسپکٹر کامران مرزا یہاں نہیں پہنچ سکیں گے۔“  
 ”کیا!!!“  
 وہ ایک ساتھ چلائے۔



کچھ لکھنے کے لیے لیا تھا۔ وہ بھی ہوٹل میں موجود تھا۔ چنانچہ آپ نے اسے یہ دے دیا۔ اور پھر آپ اس سے لینا بھول گئے۔ بعد میں یہ جائے واردات سے ملا۔ لیکن اس پر الیاس لنگڑا کی انگلیوں کے نشانات نہیں تھے۔ جب کہ اس نے اگر اس سے کچھ لکھا تھا تو اس کی انگلی کا نشان ہونا چاہیے تھا۔ اس سے آپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس کو بم دھماکے کے پروگرام کا علم تھا اور اس نے آپ کو پھنسانے کے لیے یہ پنسل آپ سے لی تھی۔ اس طرح اس نے یہ احتیاط کی تھی کہ اس کی انگلی کا نشان اس پر نہ آئے۔

”ہاں! یہی بات ہے۔“

”اب جب ہم اس سے ملاقات کرنے گئے تو ملاقات اس کی لاش سے ہوئی۔“

”اب تک یہ بات بھی پھیل چکی ہے کہ الیاس لنگڑا کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔“ اس نے پرسکون آواز میں کہا۔

”لہذا یہاں۔۔۔ سوال ایک پیدا ہو گیا ہے۔“ انسپٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”اور وہ کیا جناب؟“ اس نے برا سامنے بنایا۔

”آخر مجرم کو کیسے پتا چل گیا کہ ہم الیاس لنگڑا سے ملنے جا رہے ہیں۔ لہذا اس نے بھی الیاس لنگڑا کی طرف دوڑ لگا دی۔ اور ہم سے پہلے اس تک پہنچ کر اسے قتل کر دیا۔“

”بھلا میں اس بارے میں کیا بتا سکتا ہوں۔“ اس نے جھلا کر کہا۔

”جی نہیں۔۔۔ آپ کے سوا تو کوئی یہ بات بتا ہی نہیں سکتا۔۔۔ اس باس ضرور بتا سکتا ہے۔۔۔ لیکن باس تو ہمارے سامنے ہے نہیں۔ لیکن ہم یہ سوال آپ سے پوچھ سکتے ہیں۔ کیونکہ باس کو یہ اطلاع صرف اور صرف آپ نے دی تھی کہ ہم الیاس لنگڑا کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔۔۔ یہ بات یا تو آپ کو معلوم تھی یا ہمیں۔۔۔ ہم باس کو بتا نہیں سکتے تھے۔ لہذا صرف آپ بتانے والے بچے ہیں۔ اب ہمارا سوال آپ سے یہ ہے کہ آپ نے باس کو کس طرح اطلاع دی تھی۔ اور باس کون ہے۔۔۔ بس یہ دو باتیں آپ بتا دیں۔ آپ کے کام ہم آئیں گے۔“

”آپ کا دماغ چل گیا ہے جناب۔۔۔ میں یہ بات باس کو نہیں بتا سکتا تھا۔۔۔ اس لیے کہ میں نہیں جانتا۔۔۔ باس کون ہے۔ یا باس کا فون نمبر کیا ہے۔“

”لیکن ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ آپ نے ہی یہ بات باس کو بتائی۔ لہذا باس نے الیاس لنگڑے کی طرف دوڑ لگا دی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ باس کو اس قدر جلدی کیا پڑ گئی تھی الیاس لنگڑے کو ختم کرنے کی۔ اس کا صاف ستھرا جواب یہ ہے کہ وہ باس کے بارے میں جانتا تھا۔ لہذا باس کو خطرہ محسوس ہوا کہ وہ ہمیں باس کا



نام نہ بتا دے۔“

”آپ کا اندازہ بالکل غلط ہے۔۔۔ باس کے بارے میں تو کسی کو بھی نہیں معلوم کہ وہ کون ہے۔۔۔ تو الیاس کو کیسے پتا ہو سکتا ہے۔“

”تب پھر اسے ہلاک کرنے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔ یہ تم بتا دو۔“

وہ چکرا کر رہ گیا۔۔۔ کوئی جواب نہ جڑ سکا۔۔۔ آخر تنگ آ کر بولا۔

”یہ بات آپ باس سے پوچھیں۔۔۔ میں اس کا جواب کیسے دے سکتا ہوں۔۔۔ میں تو بس یہ بتا سکتا ہوں کہ الیاس کے بارے میں باس کو کچھ بتانے کے قابل نہیں۔۔۔ اس لیے کہ میں تو خود نہیں جانتا۔۔۔ باس کون ہے۔“

”حد ہو گئی بھئی۔“ آفتاب نے جل کر کہا۔

”بات اس طرح نہیں بنے گی۔۔۔ اکرام کو بلاؤ بھئی۔۔۔ انہیں کمر امتحان میں لے جانا ہو گا۔“

”آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔۔۔ یہ پورا ہوٹل آپ کے خلاف اٹھ کھڑا ہو گا۔“

”اس کا صرف عملہ یا ہوٹل کے گاہک بھی۔“ انہوں نے طنز انداز میں کہا۔

”پورا ہوٹل۔۔۔ گاہکوں سمیت۔“

”چلے پھر آپ اپنا کام کریں۔۔۔ ہم اپنا کام کرتے ہیں۔“

آصف اس وقت اکرام کے نمبر ملا کر خاص انداز میں ہوٹل

لے چکا تھا۔۔۔ پھر فوراً ”ہی اس نے فون بند کر دیا۔“

”گویا اب پولیس یہاں آئے گی۔۔۔ اور مجھے گرفتار کرے گی۔“

”بالکل۔“ آصف نے کہا۔

”او کے۔۔۔ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔“

”خبردار۔۔۔ میرے ہاتھ میں پستول ہے۔۔۔ اور میرا نشانہ خطا نہیں

اس وقت تو یوں بھی تم میرے بالکل سامنے ہو۔“

”آپ ہوش میں تو ہیں۔۔۔ آپ کو معلوم نہیں کہ یہ ہوٹل کس

کا ہے۔“

”کس کا ہے؟“

”آرڈی کا۔“ اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔

”آرڈی کا ہو یا ایس ڈی کا یا ڈی سی پی کا۔۔۔ ہمیں اس سے

ال فرق نہیں پڑتا۔“

”کس سے؟“ اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

”اس سے کہ یہ ہوٹل کس کا ہے۔“

”او کے۔۔۔ اب آپ یہاں جو کچھ بھی کریں گے۔۔۔ اس کی

داری آپ پر ہو گی۔“

”تم خود کو زیر حراست خیال کرو۔۔۔ فرار ہونے کی کوشش کرو

تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔۔۔ اور یقین کر لو۔۔۔ مجھے اس سلسلے میں

کو کوئی جواب نہیں دینا پڑے گا۔“ وہ مسکرائے۔



نے جل کر کہا۔

اسی وقت آرڈی نزدیک آ گیا۔ اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا اس کی طرف پستول تان ہوا تھا۔  
”یہ۔۔۔ یہ کیا گوندل؟“ وہ تیز آواز میں بولا۔ ساتھ ہی وہ کرسی پر گرا۔

”آپ شاید انہیں نہیں جانتے۔“

”نہیں۔۔۔ یہ کون لوگ ہیں؟“

”جانے دو بھائی۔۔۔ کیوں مذاق کر رہے ہیں۔۔۔ آپ ہمیں اچھی طرح جانتے ہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”کیا۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔ اور بات معلوم نہیں۔“ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

”معلوم ہے۔۔۔ معلوم کیوں نہیں ہے۔“

”اچھا۔۔۔ ذرا بتائیے پھر آپ کون ہیں؟“

”یہ انسپکٹر کامران مرزا ہیں۔۔۔ مسٹر آرڈی۔“ گوندل نے جل کر

”اوہ۔۔۔ اب سمجھا۔۔۔ بے چارے انسپکٹر جمشید کی تلاش میں ہیں۔“

”آئے نہیں مسٹر آرڈی۔۔۔ بلائے گئے ہیں۔“

”اوہ اب سمجھا۔۔۔ خیر۔۔۔ یہ تمہاری طرف پستول اٹھائے کیوں

”کیوں! کیا آپ کو بندے مارنے کا پر مٹ ملا ہوا ہے۔“

”تم جیسے آدمی مارنے کا پر مٹ ضرور ملا ہوا ہے مجھے۔“

”اب آپ اس ہوٹل میں آگئے ہیں تو دیکھ ہی لیں گے۔“

نے جھٹلا کر کہا۔

”دیکھ ہی لیں گے۔۔۔ کیا دیکھ ہی لیں گے۔“ آفتاب نے

ہو کر کہا۔

”یہ کہ آپ کہاں آ پھنسے ہیں۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ

کیا۔۔۔ اور اس کو عجیب سے انداز سے ہلایا۔

کیا کسی کو مدد کے لیے بلا رہے ہو؟“ انسپکٹر کامران مرزا پھنسے

”ہاں! میں نے آرڈی کو بلایا ہے۔“

”چلو اچھا ہے۔۔۔ اس طرح تمہارے آرڈی سے بھی ملاقات

جائے گی۔“

اسی وقت انہوں نے بھاری قدموں کی آواز سنی۔۔۔ نظریں

کر دیکھا تو بھاری بھرکم آدمی چلا آ رہا تھا۔

”یہ ہیں مسٹر آرڈی۔“

”یہ صرف آرڈی نہیں۔۔۔ پوری اے بی سی ہیں۔“ آفتاب

بوکھلا کر کہا۔

”ڈر گئے نا آپ انہیں دیکھ کر۔“

”انہیں دیکھ کر تو بھینس بھی ڈر جائے۔۔۔ میں تو ہوں کہ



بیٹھے ہیں۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ یہ میرا ہوٹل ہے۔“

”ہاں مسٹر آرڈی۔ میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ یہ آپ کا ہے۔ لیکن انہوں نے اس بات کا کوئی اثر ہی نہیں لیا۔“

”کوئی بات نہیں۔ اب لے لیں گے۔“

”کیا بات ہے بھئی۔ خیر تو ہے۔ بہت اکر رہے ہیں آپ انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر کہا۔“

”اور ہمیں کیا کرنا چاہیے بھلا۔“

”صبر اور سکون کا دامن تھام لینا چاہیے۔ بہت اچھا ہے۔“ آفتاب نے مشورہ دیا۔

”میرے پاس فالتو باتوں کا وقت نہیں۔ گونڈل تم بتاؤ۔ معاملہ ہے۔“

اب گونڈل اسے بتانے لگا۔ ساری بات بتا کر خاموش اس نے کہا۔

”بس! اتنی سی بات ہے۔“

”جی ہاں! بات تو بس اتنی سی ہی ہے۔“

”گونڈل نے اس نامعلوم آدمی کو ہرگز یہ بات نہیں بتائی کہ لوگ الیاس لنگڑے کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ آپ کا وہم ہے۔ اس وہم کی بنیاد پر آپ ہرگز گونڈل کو گرفتار نہیں کر سکتے۔ قانون کوئی چیز ہے۔“

”مسٹر گونڈل کو پوچھ گچھ کے لیے تو ہمیں لے جانا پڑے گا۔ اور آپ ہمیں روک نہیں سکیں گے۔“

”اوکے۔ تجربہ ہو جائے گا ابھی۔ گونڈل تم فکر نہ کرو۔“

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ پھر کسی کو فون کرنے لگا۔ اسی دنت اکرام اپنے ہاتھوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اور انہیں دیکھ کر تہ کی طرح ان کی طرف آیا۔

”کیا معاملہ ہے سر؟“

”اکرام۔ گونڈل کو گرفتار کر لو۔ اور کمرہ امتحان میں لے پلو۔“

”بہت بہتر سر۔ اس نے کہا اور اشارہ کیا۔“

محمد حسین آزاد نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دیں۔ اور اسے دروازے کی طرف لے چلے۔ اسی وقت آرڈی ان کی طرف مڑا اور یہ منظر دیکھ کر اس نے تالی بجا دی۔ فوراً ہی دس بارہ کے قریب کلاشن کوفوں والے دروازے پر آکھڑے ہوئے اور ان کی رائفلوں کے رخ ان کی طرف اٹھ گئے۔

”اب اگر آپ لوگوں نے ایک قدم بھی دروازے کی طرف بڑھایا۔ تو یہ لوگ فائرنگ کر دیں گے۔“ آرڈی کی سرد آواز گونجی۔

”بہت خوب! اب آپ کو بھی لے کر جائیں گے۔“

”کیا مطلب۔ آپ اور مجھے پولیس اسٹیشن لے کر جائیں“



گے۔

”ہاں! مجبوراً ایسا کرنا پڑے گا۔“

”فی الحال تو آپ پہلے ان لوگوں سے مٹ لیں۔“

”یہ کیا مشکل ہے۔ ابھی لیں۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی دھواں دھار انداز میں فائرنگ ہوئی اور کلاشن کوفیس ان کے ہاتھوں سے گرتی چلی گئیں۔ ان کی چیخوں سے ہال گونج اٹھا۔ وہ اپنے ہاتھ پکڑ کر بیٹھتے چلے گئے۔ ان سے خون بہا رہا تھا۔ انہوں نے ان کے ہاتھوں کے نشانے لیے تھے۔ کیونکہ وہ اندازہ لگا چکے تھے کہ آرڈی مرنے مارنے پر تل چکا ہے۔

جونہی کلاشن کوفیس گریں۔ گوندل کا رنگ اڑ گیا۔

”ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ ورنہ میں فائر کھول دوں گا۔“

اس کے اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ اٹھ گئے۔

”اب باہر نکلو۔ چلو۔“ وہ سرد آواز میں بولے۔

وہ انہیں ہوٹل سے باہر لائے۔ باہر پولیس کی بڑی گاڑی کھڑی تھی۔ ابھی وہ گاڑی کی طرف بڑھے ہی تھے کہ لمبے قد کا ایک آدمی

وکیلوں کے لباس میں ان کی طرف دوڑتا نظر آیا۔ ساتھ ہی وہ چلایا۔

”یہ۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ آپ انہیں کیوں غیر قانونی طور پر لے

جا رہے ہیں۔“

”ہائیں۔ کیا کہا۔ غیر قانونی۔۔۔ ان لوگوں نے ہم پر کلاشن

کولیں تائیں۔ ہمیں قتل کرنے کی دھمکی دی۔ اور آپ کہ رہے

ان غیر قانونی۔۔۔ ان کی مدد کرنے کے جرم میں ہمیں کہیں آپ کو بھی

گفتار نہ کرنا پڑ جائے۔ ویسے آپ کی تعریف؟“

”مجھے نواز بھائی کہتے ہیں۔ اس شہر کا مشہور وکیل ہوں۔“

”نام تو پہلی بار سن رہے ہیں ہم۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے حیران

ہو کر کہا۔ پھر سوالیہ انداز میں اکرام کی طرف دیکھا۔

”میں نے بھی یہ نام پہلی بار سنا ہے سر۔“

”آپ کہ رہے ہیں۔ آپ مشہور وکیل ہیں۔ اور نام آپ کا

ام نے پہلی بار سنا ہے۔“

”آپ ادھر کب رہتے ہیں؟“

”لیکن یہ تو یہاں رہتے ہیں اور یادداشت کے بہت مشہور

ہیں۔۔۔ کچھ لوگ انہیں چلا پھرتا انسائیکلو پیڈیا کہتے ہیں۔“

”اوہو اچھا۔ کیا نام ہے ان کا؟“

”سب انسپکٹر اکرام۔۔۔ یہ اگر ترقی لینا چاہتے تو اس وقت ایس پی

ہوتے۔“ وہ مسکرائے۔

”تب پھر انہوں نے ترقی کیوں نہ لی؟“ اس نے طنزیہ انداز میں

کہا۔

”اس لیے کہ انسپکٹر جمشید نے آج تک ترقی نہیں لی۔ اور یہ

صرف ان کی ماتحتی میں کام کرنا پسند کرتے ہیں۔“



”اوہ اچھا۔۔۔ یہ ہم کن باتوں میں الجھ گئے۔۔۔ آپ نے انہیں کیوں گرفتار کیا ہے؟“

”تفصیل سن لیں۔“

یہ کہہ کر انہوں نے ساری بات سنا دی۔۔۔ ان کے خاموش ہونے پر وکیل نے منہ بنایا اور بولا۔

”بس! اتنی سی بات۔۔۔ آپ انہیں اس بات پر گرفتار نہیں کر سکتے۔“

”ہمارا تو ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔۔۔ ان لوگوں نے ہی گرفتار کیا ہے۔۔۔ کلاشن کوفیں تان لیں ہم پر۔“

”چلئے۔۔۔ یہ اس بات کی معافی مانگ لیتے ہیں۔“

”او کے۔۔۔ لیکن ہمیں تفتیش کے لیے گوندل کو ساتھ تو جانا ہو گا۔“

”خدا جو گئی۔۔۔ گوندل میں اور آرڈی میں کیا فرق ہے بھلا نواز بھٹا نے بھنا کر کہا۔“

”بہت اچھا۔۔۔ اگر ان میں کوئی فرق نہیں تو ہم دونوں کو ساتھ لے جاتے ہیں۔۔۔ اور ساتھ میں ان کلاشن کوفوں والوں کو بھی۔۔۔ ان میں سے ایک اور ان میں بھی کوئی فرق نہیں ہو گا۔“ انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”آپ کسی کو بھی نہیں لے جا سکتے۔۔۔ یہ قانون کی خلاف ورزی ہے۔“

”اگر ہم قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہیں تو آپ ہم پر مقدمہ کر دیں۔“

”او کے۔۔۔ اب ہماری ملاقات عدالت میں ہو گی۔۔۔ مسٹر آرڈی اور مسٹر گوندل آپ فکر نہ کریں۔۔۔ میں سیدھا عدالت میں جا رہا ہوں۔۔۔ سب سے پہلے آپ کی ضمانت کراؤں گا۔“

”بہت بہتر۔۔۔ شکریہ وکیل صاحب۔“ آرڈی نے خوش ہو کر کہا۔

اور پھر وہ انہیں باہر لے آئے۔۔۔ پولیس کی گاڑی میں بٹھایا اور دفتر لے آئے۔

”انہیں ذرا کمرہ امتحان میں لے چلو اکرام۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”او کے سر۔“

وہ سب کمرہ امتحان میں آ گئے۔

”مسٹر گوندل۔۔۔ آپ ان مشینوں کو دیکھ رہے ہیں۔۔۔ کبھی آپ کو ان میں کسے جانے کا اتفاق ہوا ہے؟“

”نہیں۔“ اس نے مارے خوف کے کہا۔

”ان میں کسے جانے کے بعد جب بجلی کا بٹن دبایا جاتا ہے تو انسان اس قدر بلند آواز میں چیختا ہے کہ اس سے زیادہ بلند آواز میں وہ چیخ ہی نہیں سکتا۔“



”نہیں۔“ وہ چلا اٹھا۔

”آپ تو ابھی سے چلانے لگے۔۔۔ ابھی تو آپ نے نمونہ بھی نہیں دیکھا۔“

”آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں۔۔۔ یہ سب غیر قانونی ہے۔“ آرڈی نے تیز آواز میں کہا۔

”مسٹر آرڈی۔۔۔ یہ آپ کا ہوٹل نہیں ہے۔۔۔ محکمہ سراغ رسانی کا کمرہ امتحان ہے۔۔۔ یہاں اچھے اچھوں کا امتحان لیا جاتا ہے۔۔۔ اور زیادہ تر لوگ فیل ہو جاتے ہیں۔۔۔ ان مشینوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔۔۔ چند

ایک ڈھیٹ ایسے ہوں گے۔۔۔ جو ان میں سے جانے کے باوجود زبان کھولنے پر تیار نہیں ہوتے۔۔۔ لیکن ایسوں کے لیے ہمارے پاس اور بھی طریقے ہیں۔۔۔ ان کی وضاحت اپنے وقت پر کی جائے گی۔۔۔ آپ فی

الحال ان سے ہی کام چلا لیں۔۔۔ آپ سے سیدھا سادا سوال یہ ہے کہ آپ نے یہ بات کسے بتائی تھی کہ ہم الیاس لنگڑے کی طرف جا رہے

ہیں؟“

”میں نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔“

”تب پھر ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے اسے قتل کس طرح کر دیا گیا۔۔۔ ادھر ہم وہاں پہنچے۔۔۔ ادھر قاتل وہاں سے فرار ہوا۔“

”مجھے نہیں معلوم۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ اسے پہلے شکنجے میں کس دو، یہ اس طرح

نہیں مانے گا۔“

”لو کے سر۔“

”آپ۔۔۔ دیکھ رہے ہیں مسٹر آرڈی۔۔۔ آپ کے ہوتے ہوئے میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟“

”ابھی تو ان کے ساتھ بھی یہی ہو گا۔۔۔ یہ تو اپنے لیے کچھ نہیں کر سکیں گے۔“

”ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ وکیل صاحب ابھی ہماری ضمانت کے کاغذات لاتے ہوں گے۔۔۔ اس کے بعد ہم ان سے عدالت میں باتیں کریں گے۔“

”چلو کر لیتا۔۔۔ فی الحال تو یہاں ہمیں بتا دیں۔۔۔ گوندل نے کس خبر کی تھی؟“

”کسی کو بھی نہیں۔“

”بٹن دبا دو بھی۔۔۔ ذرا دیکھیں تو سہی۔۔۔ یہ کس حد تک طاقت ور ہے۔“ انہوں نے کہا۔

اور پھر بٹن دبا دیا گیا۔۔۔ اس کی چیخیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔۔۔ پھر وہ پکارا۔

”بند کرو۔۔۔ بند کرو۔۔۔ بتاتا ہوں۔“

انسپکٹر کامران مرزا نے اشارہ کیا۔۔۔ بٹن آف کر دیا گیا۔۔۔ دو منٹ تک وہ لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔۔۔ اس کے بعد بھی نہ بولا تو انسپکٹر



کامران مرزا نے کہا۔

”ہم اس سے زیادہ انتظار نہیں کر سکتے۔“

اس نے آرڈی کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ سفید نظر آ رہا تھا۔

”اب میں کیا کروں مسٹر آرڈی؟“

”وکیل آنے والے ہیں۔ ذرا دیر کے لیے اور انتظار کر لو

گوندل۔“

”آپ کو نہیں معلوم۔۔۔ اس مشین کا جب بٹن دبایا جاتا ہے تو

جان پر بن جاتی ہے۔“

”لیکن گوندل۔۔۔ تم انہیں بتا کیا سکتے ہو۔۔۔ تمہیں تو کچھ معلوم

ہی نہیں ہے۔“

”مہو معلوم ہے۔۔۔ وہ تو بتا سکتا ہوں۔“

”وہ ان کے کس کام آئے گا۔۔۔ تم صرف یہ بتا سکتے ہو کہ۔۔۔“

”ایک منٹ مسٹر آرڈی۔ گوندل کو سبق پڑھانے کی کوشش نہ

کرو۔“ انسپکٹر کامران مرزا گر بجے۔

وہ ساکت رہ گیا۔۔۔ ایسے میں دروازہ پر دستک ہوئی۔

”وہ مارا۔۔۔ وکیل صاحب آ گئے۔“

”دروازہ نہ کھولنا بھئی۔“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”کیا مطلب؟“ وہ چونک اٹھا۔

”جب تک دروازہ نہیں کھلے گا۔۔۔ وکیل صاحب اندر نہیں آ

اس کے۔۔۔ ہم بھی ایسوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں۔“

”اوہ نہیں۔“

عین اس وقت پھر زوردار انداز میں دستک دی گئی۔۔۔ اور پھر باہر

ایک تیز آواز گونجی۔۔۔ ایسے میں ان کے فون کی کھنٹی بجی۔

○☆○



## سوچنے کی کوشش

”آپ نے یہ بات کیسے کہ دی اباجان کہ انکل کامران مرزا یہاں نہیں پہنچ سکیں گے۔“ محمود نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔  
 ”ان دیواروں کو غور سے دیکھو۔“ وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

”ان دیواروں میں آپ کو ایسی کیا خاص بات نظر آگئی؟“ فاروق کے منہ سے نکلا۔  
 ”بھڑا تم دیکھو تو سہی۔“ وہ جھلا کر بولے۔

”انہوں نے نظریں دیواروں پر جما دیں۔۔۔ کافی دیر تک بغور دیکھ رہے کے بعد بھی ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔۔۔ آخر فرزانہ بولی۔

”ہمارے بچے تو کچھ بھی نہیں پڑا اباجان۔“

”حد ہو گئی۔“ انہوں نے برا سامنہ بنایا۔

”چلے مان لیتے ہیں۔“ محمود مسکرایا۔

”کیا مان لیتے ہیں؟“ انہوں نے محمود کو گھورا۔

”یہ کہ حد ہو گئی۔“

”توبہ ہے۔۔۔ تم لوگوں سے۔“

”آخر ان دیواروں میں آپ کو کیا نظر آگیا۔۔۔ جو ہمیں بغور

پر بھی نظر نہیں آ رہا۔۔۔ اور جس سے آپ نے یہ خوفناک نتیجہ

لیا کہ انکل یہاں نہیں پہنچ سکیں گے۔“ فرزانہ نے جلدی جلدی

”کک۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ خوفناک نتیجہ۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”کیوں! تمہیں کیا ہوا؟“

”مم۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

”اوہ ہاں۔۔۔ ان لمحات میں اسی کی تو کسر رہ گئی تھی۔۔۔ یعنی

ان کے ناموں کی۔“ انپکٹر جمشید نے برا سامنہ بنایا۔

”مہربانی فرما کر آپ خود ہی بتا دیں۔۔۔ ان دیواروں میں کیا بات

”یہ دیواریں اینٹوں کی نہیں ہیں۔۔۔ نہ پتھر کی ہیں۔“

”تب پھر؟“ وہ ایک ساتھ بولے۔

”اوہ جمشید۔۔۔ اوہ۔“ خان رحمان چلا اٹھے۔

”آپ کو کیا ہوا انکل؟“ محمود گھبرا گیا۔

”اب میں سمجھا۔۔۔ جمشید ہماری توجہ کس چیز کی طرف دلا رہا

”وہ بولے۔

”کس چیز کی طرف دلا رہے تھے؟“



”ہم اب بھی نہیں سمجھے۔“

”ہمارے ملک میں ابھی تک پلاسٹک کی دیواروں والی عمارات  
نہیں بنائی گئیں۔۔۔ اور یہ عمارت مکمل طور پر پلاسٹک کی ہے۔“

”تب پھر ہم کہاں ہیں۔۔۔ کس ملک میں ہیں؟“

”میں نہیں جانتا۔۔۔ جب ہمیں خان رحمان کے گھر سے اس  
لینس میں ڈالا گیا تو ہم سب بے ہوش تھے۔۔۔ اور وہیں ہمیں مزید  
بے ہوش رکھنے کے لیے انجکشن لگائے گئے ہوں گے۔۔۔ اس طرح ہم  
بے ہوشی کی حالت میں اپنے ملک سے کسی اور ملک میں پہنچا  
دئے گئے۔“

”لیکن اباجان۔۔۔ کیا یہ کام اس قدر آسان ہے۔۔۔ دوسرے ملک  
کی انتظامیہ نے اتنے بہت سے لوگوں کو کانڈات کے بغیر آخر کس طرح  
داخل ہونے کی اجازت دے دی۔“

”اسی لیے تو میں نے یہ بات کہی تھی کہ انپکٹر کامران مرزا یہاں  
میں پہنچ سکیں گے۔“

”جی۔۔۔ کیا مطلب؟“

”ہم اس وقت جس ملک میں یا جس ریاست میں ہیں۔۔۔ اس  
ملک کے حکمرانوں کی مرضی سے ہیں۔۔۔ گویا ہمیں اغوا کرنے والا اس  
ملک سے بہت گہرے تعلقات رکھتا ہے۔۔۔ اور ہم یہاں جسمانی طور پر  
اپنے ہی بے کار ہیں۔۔۔ ان حالات میں سوچو۔۔۔ کیا ہو گا۔“

”یہ دیواریں نہ تو پتھر کی ہیں۔۔۔ نہ اینٹوں کی۔۔۔ نہ ریت  
سیمنٹ کی۔۔۔ بلکہ یہ دیواریں پلاسٹک کی ہیں۔“

”پپ۔۔۔ پلاسٹک کی۔۔۔ کیا مطلب؟“ فاروق نے بوکھلا کر کہا  
”بھئی پلاسٹک کی دیواروں کا مطلب پوچھ رہے ہو۔“  
رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

”نہیں۔۔۔ اس بات پر حیرت ظاہر کر رہا ہوں کہ اگر  
دیواریں پلاسٹک کی ہیں تو اس سے کیا فرق پڑ گیا۔۔۔ کیا انکل کا  
مرزا پلاسٹک کی دیواروں سے ڈرتے ہیں؟“

”یہ بات نہیں۔“ انپکٹر جمشید اداس انداز میں مسکرائے۔  
”تب پھر آپ وہ بات بتا دیں نا۔۔۔ جو کہ ہے۔“

”یہ ہسپتال ہمارے ملک میں نہیں ہے۔“  
”کیا!!“ وہ ایک ساتھ چلائے۔

”ہمارے ملک میں ایسا کوئی ہسپتال نہیں ہے۔۔۔ جس کی دیوار  
پلاسٹک کی ہیں۔۔۔ اور انپکٹر کامران مرزا ہمیں تلاش کر رہے  
اپنے ملک میں۔“

”لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ ہسپتال ہو۔۔۔ یہ تو ان لوگوں  
فرضی ہسپتال بنا رکھا ہے۔“

”ہاں! اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔۔۔ کہ وہ نہیں پہنچ سکیں گے  
ہمیں خود ہی کچھ کرنا ہو گا۔“ انپکٹر جمشید نے سرسراہٹ آواز میں کہا۔



ایادہ کروٹ لے سکتے ہیں اور بس.... اور جوں جوں ہمیں انجکشن لگیں گے.... ہمارے ہاتھ پیر اور پورا جسم بے کار ہوتا چلا جائے گا.... ایک وقت آئے گا.... جب ہم میں شاید آنکھیں کھولنے کی بھی طاقت نہ رہ جائے.... ایسا وقت آنے سے پہلے پہلے کچھ کر گزرنا ہو گا.... سوچو....

فرزانہ سوچو.... ورنہ ہم گئے کام سے۔  
”مم.... میں.... میں کوشش کرتی ہوں اباجان۔“ فرزانہ نے ہلکا کر کہا۔

”کوشش کرتی ہوں.... جس کی چیز کی کوشش؟“ فاروق نے اسے گھورا۔

”سوچنے کی کوشش.... اور کس چیز کی۔“

وہ سب سوچ میں ڈوب گئے.... پہلی مشکل یہ تھی کہ وہ اپنے ملک میں نہیں تھے.... دوسری مشکل یہ تھی کہ وہ ہاتھ پیر نہیں ہلا سکتے تھے.... تیسری مشکل یہ تھی کہ ان کا دشمن انہیں کسی قسم کی کوئی مہلت دینے کے لیے تیار نہیں تھا.... روزانہ انجکشن لگا کر بالکل بے کار کر دینے پر تلا ہوا تھا.... ان حالات میں انہیں سوچنا تھا کہ وہ کیا کر سکتے ہیں۔“

پھر بہت دیر گزر گئی.... لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا.... فرزانہ بار بار اپنے سر کو جھٹکے دے رہی تھی.... اس طرح ایک گھنٹا گزر گیا.... انسپکٹر جمشید نے تنگ آ کر پوچھا۔

”بس ہو گا کیا.... ہم موت کی نیند سو جائیں گے۔“

”وہ ہم اپنے وقت سے پہلے ہرگز نہیں سوئیں گے.... ہمیں سوچنا یہ ہے کہ ان حالات میں بھی ہم کچھ کر سکتے ہیں یا نہیں.... کچھ کر سکیں گے یا نہیں۔“

”اف مالک! آپ نے تو ہمارے ہوش اڑا دیے.... اب تک ہمیں اگر کوئی اطمینان تھا.... تو صرف یہ کہ انکل کامران مرزا ہم تک پہنچ جائیں گے۔“

”اور یہی ہماری سب سے بڑی غلطی تھی۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”جی.... کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ ہمیں یہ نہیں سوچنا چاہیے تھا.... کہ کامران مرزا یہاں پہنچ جائیں گے.... بلکہ یہ سوچنا چاہیے تھا کہ تعالیٰ ضرور کوئی نہ کوئی سبب ایسا بنا دیں گے کہ ہم یہاں سے بچ جائیں گے۔“

”اوہ ہاں.... واقعی۔“ وہ بولے۔

اور پھر سب سوچ میں ڈوب گئے۔

”تب پھر موجودہ صورت حال یہ ہے کہ یہ لوگ ہمیں روزانہ انجکشن لگا رہے ہیں.... ان کی وجہ سے ہم ہاتھ پیر نہیں ہلا سکتے.... صرف دیکھ سکتے ہیں.... سوچ سکتے ہیں.... سن سکتے ہیں.... یا زیادہ



”فرزانہ کوئی بات سوچھی۔“

”ابھی تک نہیں اباجان۔“ اس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

”حد ہو گئی۔“ وہ بولے۔

”لیکن اس میں میرا کیا قصور اباجان؟“

”ہاں واقعی۔۔۔ تمہارا کوئی قصور نہیں۔“ وہ مسکرا دیے۔

”ہمارے پاس ایک ترکیب ہے جشید۔“ ایسے میں خان رحمان

کی آواز ابھری۔

”تو پھر بتائیے نا۔“

”جب کوئی ترکیب سمجھ میں نہ آئے۔۔۔ جب کچھ بھائی نہ

دے۔۔۔ اور انسان ہاتھ پیر بھی نہ ہلا سکے۔۔۔ تو پھر صرف اور صرف اللہ

سے دعا کر سکتے ہیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ ضرور کوئی بات سمجھا دیں گے۔۔۔ تجربہ

کر لو جشید۔۔۔ میرا تو یہ بارہا کا تجربہ ہے۔“

”تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ ہم اب یہی کریں گے۔“

اور وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے۔۔۔ دل کی گہرائیوں سے دعا

کرنے لگے۔

”ایسے میں دروازہ کھلا اور کالا سوڈانی دوسرے ڈاکٹروں اور

نرسوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔۔۔ وہ چونک اٹھے۔

”ہاں نے حکم دیا ہے۔۔۔ اب جلد از جلد تم لوگوں کی دماغ کی

پلیٹوں کو صاف کر دیا جائے۔۔۔ لہذا آج سے ڈبل انجکشن شروع کر

اں۔۔۔ انپکٹر جشید۔۔۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں، میری آنکھوں میں

س ڈال کر مجھ سے بات تو کریں۔“ اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

”اس کا جملہ سن کر وہ زور سے چوٹے۔۔۔ ان کا دل زور سے

۔۔۔ اور پھر انہوں نے کالا سوڈانی کی طرف دیکھا۔۔۔ اس کی آنکھوں

کے۔۔۔ وہ بھی ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”یہ دیکھ لو انپکٹر جشید۔۔۔ ڈبل انجکشن۔۔۔ اب بس تم لوگ چند

ل مار ہو۔۔۔ پہلا انجکشن میں تمہیں ہی لگاؤں گا۔۔۔ کیونکہ تم ان

سے خطرناک ہو۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ لیکن تم نے مجھ سے یہ کیوں کہا تھا کہ

اں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو۔۔۔ کیا میں تم سے ڈرتا ہوں۔۔۔ یہ

ال دیں آنکھیں آنکھوں میں۔“

”اوہ۔۔۔ یہی تو دیکھنا تھا۔۔۔ تم میں کتنی ہمت باقی ہے۔“

”اب میری ہمت بھی دیکھ لو۔۔۔ اور اپنی ہمت کو بھی آزما لو۔“

”کیوں! میری ہمت کو کیا ہوا۔۔۔ مجھے کون سا یہ انجکشن لگا رہے

”اس کے باوجود تمہاری ہمت جواب دے رہی ہے۔“ انپکٹر

نے عجیب سے انداز میں کہا۔

”نہیں۔۔۔ یہ تمہارا وہم ہے۔۔۔ یا پھر خوش فہمی ہے۔“

”ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ تمہاری ہمت جواب دے چکی ہے۔۔۔



تم درست جگہ انجکشن لگانے کی ہمت باقی نہیں رہی.... تم اب وہ جگہ انجکشن نہیں لگا سکو گے.... ہاں۔“

”کیسی پاگلوں جیسی بات کر رہے ہو انپکٹر جمشید.... اس واقعہ.... ان حالات میں.... اور ان انجکشنوں کے لگنے کے بعد تم جیسی باتیں نہیں کرو گے تو کیا کرو گے۔“

”او کے.... لگاؤ پھر انجکشن۔“

”یہ لو.... میں تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انجکشن ہوں.... ہا ہا ہا۔“

اور پھر اس نے آگے بڑھ کر انجکشن لگا دیا.... اسی طرح انجکشن لگتے چلے گئے.... پھر ایک دن سو ڈانی نے آکر اعلان کیا۔ ”کیا تم کچھ سوچ سکتے ہو.... تم کون ہو.... بتا سکتے ہو؟“

”تم بولو.... تم۔“

وہ ایک ایک کے پاس گیا.... کوئی بھی درست جواب نہ دے سکا۔

”ابھی نہیں.... پہلے آلے کی مدد سے چیک کیا جائے گا....“ صاحب آلے آئیں، اس نے اپنے ساتھ کھڑے ڈاکٹر سے کہا۔ ”لیس سر۔“

اب ان کے دماغوں پر آلہ رکھ کر چیک کیا گیا.... اور آخر نے اعلان کیا۔

”ان سب کے دماغوں کی پلیٹیں بالکل صاف ہو چکی ہیں.... انہیں ان کے ملک کی سرحدوں میں داخل کر آؤ.... لیکن ایسے راستے سے داخل کرنا کہ یہ واپس ادھر نہ آئیں.... اپنے ملک میں ہی جائیں۔“

”کیا وہاں کے ڈاکٹر ان کا علاج نہیں کر سکیں گے سر؟“ ڈاکٹر نے پوچھا۔

”نہیں بے وقوف ڈاکٹر.... نہیں.... اس انجکشن کا توڑ ابھی بن ہی نہیں سکا۔“

”اوہ.... اوہ۔“ نرس اور ڈاکٹر کے منہ سے نکلا۔

اب انہیں ایک بڑی گاڑی میں لادایا گیا۔

”کیا.... اب ان کی آنکھوں پر پٹی باندھنے کی ضرورت نہیں رہی سر؟“ ڈاکٹر نے کہا۔

”بالکل نہیں.... جب یہ اپنے ملک میں جا کر کسی کو کچھ بتا نہیں سکیں گے.... تو پٹی کی کیا ضرورت؟“

کئی گھنٹے کے سفر کے بعد انہیں ایک جگہ اتار دیا گیا.... وہ لڑھکنے کے انداز میں آگے بڑھنے لگے.... کچھ ہی آگے گئے ہوں گے کہ سخت آواز آئی۔

”خبردار! رک جاؤ.... ورنہ گولی مار دیں گے۔“

وہ شاید اس آواز پر رکتے بھی نہ.... لیکن.... انپکٹر جمشید عین



اس وقت زمین پر گر گئے۔۔۔ وہ مل کر انہیں اٹھانے لگے۔۔۔ اس سے فوجیوں نے خیال کیا کہ وہ رک گئے ہیں۔۔۔ اب فوجی کی آواز ابھری۔  
”کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی اسلحہ ہے؟“  
وہ کچھ نہ بولے۔

”ارے! تم بولتے کیوں نہیں۔۔۔ کیا ہم فائرنگ کریں؟“  
وہ اب بھی کچھ نہ بولے۔۔۔ آخر فوجی حیرت زدہ سے آگے بڑھے۔۔۔ اور جب انہوں نے دیکھا۔۔۔ ان کے پاس ہتھیار نہیں ہیں تو انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔

”کون ہو تم؟“  
”سپ۔۔۔ پتا نہیں۔“  
”کیا کہا۔۔۔ پتا نہیں؟“  
”ہاں۔۔۔ پتا نہیں ہم کون ہیں۔۔۔ کیا ہیں۔۔۔ کیوں ہیں؟“ انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔  
”یہ۔۔۔ یہ آواز تو جانی پہچانی لگتی ہے۔“

اب انہوں نے ٹارچوں کے ذریعے ان کے چہروں کو دیکھا۔۔۔ پھر ان میں سے ایک اچھل پڑا۔  
”یہ۔۔۔ یہ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ہیں۔“

”اوہ ہاں۔۔۔ یاد آیا۔۔۔ ان کے بارے میں تو ہدایات مل چکی ہیں۔۔۔ آؤ انہیں کیپٹن کے پاس لے چلتے ہیں۔“

کیپٹن نے انہیں دیکھ کر حیرت زدہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔  
”آپ لوگ یہاں سرحد پر کیسے پہنچ گئے۔۔۔ آپ کو تو پورے میں تلاش کیا جا رہا ہے۔“

”ہمیں کچھ پتا نہیں۔۔۔ ہم کچھ نہیں جانتے۔۔۔ کہ ہم کون ہیں۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔  
”اوہ۔۔۔ اوہ۔“

کیپٹن زور سے اچھلا اور پھر کسی کو فون کرنے لگا۔۔۔ جلد ہی وہاں ای آفسر آدھمکے۔۔۔ انہوں نے ان سے ان گنت سوال کیے۔۔۔ پھر میں بات چیت کرنے لگے۔

”لگتا ہے۔۔۔ دشمنوں نے ان کی برین واشنگ کر دی ہے۔۔۔ اور“ ملٹری ہسپتال پہنچانا چاہیے۔۔۔ اور ان کے گھر والوں اور ان کو خبر کر دینا چاہیے۔“ کرنل نے کہا۔  
”یہ ٹھیک رہے گا سر۔“

پھر ایسا ہی کیا گیا۔۔۔ ہسپتال میں انہیں لایا گیا۔۔۔ فون کیے گئے۔۔۔ افراد اور آئی جی صاحب، ڈی آئی جی صاحب کے ساتھ جلد لائے گئے۔۔۔ انہیں دیکھ کر پہلے تو سب بے تحاشا خوش ہوئے۔۔۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ ذہنی طور پر بالکل بے کار ہو چکے ہیں تو وہ ہوش پھوٹ کر رونے۔۔۔ کچھ دیر رونے کے بعد آئی جی صاحب کو انہوں نے انسپکٹر کامران مرزا کے موبائل نمبر ملائے۔۔۔ جلد



ہی ان کی آواز سنائی دی۔

”السلام علیکم انسپکٹر کامران مرزا۔۔۔ یہ لوگ مل گئے۔“

”جی۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ یہ لوگ مل گئے۔“

”ہاں مل گئے۔۔۔ اس وقت ملٹری ہسپتال میں ہیں۔۔۔ آپ فوراً

یہاں آ جائیں۔“

”بہت بہتر۔۔۔ ہم آرہے ہیں۔“ انہوں نے کہا۔۔۔ پھر وہ

امحان کے نگرانوں سے بولے۔

”دروازہ کھول دو بھی۔۔۔ وہ لوگ مل گئے ہیں۔“

”جی۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ کون مل گئے ہیں۔“

”انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی۔“ وہ مسکرائے۔

”کیا!!!“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”کیا!!!“ گوندل اور آرڈی بھی چلائے۔۔۔ ان کے چہروں پر

ہی حیرت نظر آئی۔

”دیکھا۔۔۔ انہیں کس قدر حیرت ہوئی۔۔۔ گویا ان کا خیال

وہ مل ہی نہیں سکتے۔“ انسپکٹر کامران مرزا ہنسے۔

گوندل اور آرڈی نے کوئی جواب نہ دیا۔۔۔ اتنے میں وکیل

آگیا۔۔۔ اس کے پاس ان کی ضمانت کے کاغذات تھے۔۔۔ انسپکٹر

مرزا اب وہاں ٹھہرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔۔۔ لہذا بولے۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ آپ انہیں لے جائیں۔۔۔ بعد میں ان

رہیں گے۔“

اور پھر وہ ملٹری ہسپتال پہنچے۔۔۔ انہیں ان کے کمرے میں لایا

کہا۔

”السلام علیکم۔“ ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

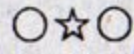
جواب میں وعلیکم السلام نہ سن کر انہوں نے ان کی طرف حیرت

انہیں انداز میں دیکھا۔۔۔ پھر آئی جی اور گھر کے لوگوں کو روتے دیکھ کر وہ

شوک سے رہ گئے۔۔۔ ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا بہت زور سے اچھلے۔

ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔۔۔ پھر فون کی گھنٹی نے ان

کی حیرت ختم کی۔





## الجھن

فون آئی جی صاحب کے موبائل پر آیا تھا۔۔۔ انہوں نے فوراً کان سے لگایا اور بولے۔

”شیخ ثار احمد بات کر رہا ہوں۔“

”شیخ صاحب۔۔۔ میں نے سنا ہے۔۔۔ انپکٹر جمشید اور ان ساتھی مل گئے ہیں۔“ صدر صاحب کی آواز سنائی دی۔

”وہ ملے نہیں سر۔۔۔ انہیں واپس کر دیا گیا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ روئے گئے۔

”آرے! یہ کیا۔۔۔ شیخ صاحب آپ رو رہے ہیں؟“  
”تو میں اور کیا کروں سر۔۔۔ دشمنوں نے ان کے دماغوں کی بالکل صاف کر دی ہیں۔“

”کیا۔۔۔ نہیں!!!“ وہ چلائے۔

پھر چند سیکنڈ سکے کے عالم میں گزر گئے۔۔۔ آخر صدر نے کہا۔  
”میں تو بات کچھ اور کرنے لگا تھا۔۔۔ لیکن اب کیا کہوں۔۔۔

میں خود آ رہا ہوں۔“

”کوئی بات ہے تو کہہ دیں سر۔۔۔ ہم لوگ تو ہر حالت میں کام کرنے کے عادی ہیں۔“

”نہیں! میں خود آ رہا ہوں۔“

اور پھر صدر بھی وہاں پہنچ گئے۔۔۔ انہوں نے جب ان کی حالت دیکھی اور یہ دیکھا کہ وہ نہ انہیں پہچانتے ہیں۔۔۔ نہ کسی بات کا جواب دے سکتے ہیں تو وہ بھی رو پڑے۔

”اب۔۔۔ سر۔۔۔ اب آپ کیوں رو رہے ہیں؟“ آئی جی صاحب دوتے ہوئے بولے۔

”یہ۔۔۔ یہ مجھے اپنے بچوں کی طرح عزیز ہیں۔“ صدر بولے۔  
”یہی حالت میری ہے سر۔۔۔ میں تو انہیں اپنے بچوں سے بھی زیادہ چاہتا ہوں۔“

پھر وہ سب ان کے کمرے سے نکل آئے۔۔۔ ایسے میں صدر صاحب بولے۔

”شیخ صاحب۔۔۔ اور انپکٹر کامران مرزا صاحب۔۔۔ اب س بلیک

نے بہت پر پرزے نکال لئے ہیں۔۔۔ بہت ہاتھ پاؤں پھیلا لئے

۔۔۔ اس کی وجہ سے بڑے بڑے لوگ پریشان ہونا شروع ہو گئے

۔۔۔ حیرت ہے۔۔۔ وہ ان لوگوں کے خلاف معلومات کیسے حاصل کر لیتا

۔۔۔ اب میں مزید صبر نہیں کر سکتا۔۔۔ آپ لوگ جلد از جلد اسے

تلاش کریں اور پھر مجھ سے انپکٹر جمشید وغیرہ کی حالت بھی دیکھی نہیں



اور پھر وہ سردار تیمور خان کے ہاں پہنچ گئے۔۔۔ آئی جی بھی ساتھ  
 سردار تیمور لمبے قد کے صحت مند انسان تھے۔۔۔ ان کے ہاتھ پیر  
 قد دیکھ کر ان کے طاقت ور ہونے کا احساس ہوتا تھا۔۔۔ ان کی  
 ادا میں بلا کی چمک تھی۔

وہ ان سے نہایت گرم جوشی سے ملے۔۔۔ پھر حیران ہو کر بولے۔  
 ”لیکن یہ کیا۔۔۔ میرا خیال تھا کہ صدر صاحب خود آئیں گے۔“  
 ”اگر آپ ان کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو ہم انہیں بھی  
 دیتے ہیں۔“

”نہیں خیر۔۔۔ رہنے دیں۔۔۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو بلا لیں  
 فی الحال آپ میری کہانی سن لیں۔۔۔ اور ہاں انپکٹر جمشید کا کیا  
 وہ لوگ مل گئے ہیں۔“

”ارے اچھا۔۔۔ تب تو اب یہ کیس اور آسان ہو گیا۔“  
 ”جی نہیں! ایسا نہیں ہے۔۔۔ اب یہ کیس اور مشکل ہو گیا  
 اس شخص نے ان کے دماغ کی پلیٹیں صاف کر دی ہیں۔۔۔ اور وہ  
 کام کے نہیں رہ گئے۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔“ وہ دھک سے رہ گئے۔۔۔ پھر بولے۔  
 ”خیر! اس بلیک میلر کو اب آپ میری مدد سے پکڑ سکیں گے، ان  
 اللہ۔“

جا رہی۔۔۔ انہیں بھی تو اس حالت کو اسی نے پہنچایا ہے۔۔۔ خیر۔۔۔ فی  
 الحال آپ لوگ سردار تیمور خان سے مل لیں۔۔۔ وہ بھی اس بلیک میلر  
 کا شکار ہو گئے ہیں اور میرے بہت اچھے دوست ہیں۔۔۔ ان کا کہنا  
 ہے۔۔۔ انہیں اس بات کی پروا نہیں کہ بلیک میلر ان کے خلاف کیا چیز  
 اخبارات میں دیتا ہے۔۔۔ وہ تو بس۔۔۔ چاہتے ہیں کہ بلیک میلر پکڑا  
 جائے۔۔۔ تاکہ دوسروں کی زندگی اجیرن نہ ہو۔“

”سردار تیمور خان۔“ شیخ صاحب نے حیران ہو کر کہا۔  
 ”کیوں! آپ ان کا نام سن کر حیرت زدہ کیوں ہو گئے۔“

نے پوچھا۔  
 ”اس لیے کہ میرے خیال میں وہ حد سے زیادہ نیک اور شریف  
 انسان ہیں۔۔۔ کسی بھی قسم کے جرم یا بے ایمانی سے ان کا دور کا کسی  
 واسطہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ پھر بھلا ایسے شخص کو کوئی کس طرح بلیک میل  
 سکتا ہے۔۔۔ آخر بلیک میلر کے پاس ان کے خلاف کیا چیز ہے۔“

”یہ بات وہ خود آپ کو بتا دیں گے۔۔۔ اس لیے کہ وہ اس  
 پکڑوانے پر مل گئے ہیں۔۔۔ لہذا ان سے بہتر شخص اس معاملے میں  
 ہمارے لیے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔“ صدر صاحب نے جلدی ہلا  
 کہا۔

”آپ کا یہ خیال سو فیصد درست ہے۔۔۔ لہذا ہم ان کی طرف  
 رہے ہیں۔“



”بہت خوب! اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟“ اس کا مران مرزا خوش ہو گئے۔

”وہ مجھے بھی بلیک میل کر رہا ہے۔۔۔ میں ایک سال سے اسے ایک بڑی رقم ادا کر رہا ہوں۔“

”اوہ۔۔۔ نہیں۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”جی ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ لیکن اب میں تنگ آ گیا ہوں۔ تو مجھے ساری زندگی پریشان کرے گا۔۔۔ گویا میں مرتے دم تک اس خوف کا شکار رہوں گا۔۔۔ لیکن میں نے تنگ آ کر یہ فیصلہ کیا ہے اب میں اس کے ہاتھوں بلیک میل نہیں ہوں گا۔۔۔ میں یہ سب چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔“

”جی۔۔۔ کیا مطلب سردار صاحب۔۔۔ آپ کیا کچھ چھوڑنے کے لیے تیار ہیں۔“

”اپنا سب کچھ۔۔۔ ہر چیز۔۔۔ کیونکہ اس کی دھمکی یہی ہے۔“ بولے اور ان کی آنکھوں میں آنسو آئے۔

”ہم اب بھی نہیں سمجھے۔۔۔ مہربانی فرما کر وضاحت کر دیں۔“

”ایک سال پہلے وہ میرے پاس آیا تھا۔۔۔ وہ ایک نوجوان آدمی ہے۔۔۔ اس نے مجھے ایک فائل دی تھی۔۔۔ اور کہا تھا کہ فائل کی اصل اس کے پاس محفوظ ہے اور ایک ایسی جگہ موجود ہے اگر وہ اپنے گھر نہ پہنچے گا تو وہ فائل پولیس اور اخبارات کے حوالے

دی جائے گی۔۔۔ لہذا آپ سردار صاحب مجھے ہلاک کرنے کی بات پہنچنے کا بھی نہیں۔۔۔ میں اس کی یہ بات سن کر حیران ہوا کہ بھلا میں کون اسے ہلاک کرنے کی بات سوچوں گا۔۔۔ لیکن اس کی بات میری بات میں بہت دیر بعد آئی۔۔۔ اس فائل کے مطابق میرا پر دارا ایک بہت بڑے ڈاکو تھے۔۔۔ اس فائل میں ان کی تصویر بھی موجود تھی۔۔۔ اس تصویر میں ان کے بیٹے یعنی میرا دادا کی تصویر بھی تھی۔۔۔ وہ بھی ایک بہت بڑے ڈاکو تھے۔۔۔ پھر میرے والد کی تصویر دادا کے ساتھ تھی۔۔۔ ان میرے والد ڈاکو نہیں تھے۔۔۔ بہر حال اس فائل میں میرے دادا اور دادا پر ڈاکو ہونے کے ایسے حیرت انگیز ثبوت تھے کہ میں سکتے میں رہ سکتا۔۔۔ اس وقت اس نوجوان نے مجھ سے کہا۔۔۔ سردار صاحب۔۔۔ اگر فائل پولیس کو دے دی جائے۔۔۔ اور اخبارات میں شائع کرا دی جائے تو یہ ساری دولت آپ کو نہیں بچا سکتی۔۔۔ بے شک آپ نے کوئی جرم نہیں کیا۔۔۔ لیکن آپ نے آج تک کوئی کام بھی نہیں کیا۔۔۔ آپ اسی دولت پر عیش کر رہے ہیں۔۔۔ وہ دولت بنکوں میں پڑی ہے۔۔۔ اور اس کا سود یعنی حرام مال کھا رہے ہیں۔۔۔ اس کا سود ہی اتنا بن جاتا ہے کہ آپ کو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ خوب کھل کر خرچ کرتے ہیں۔۔۔ پھر بھی دولت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔۔۔ بلکہ سود مزید اضافہ ہوتا جاتا ہے۔۔۔ اور یہ دولت آپ کے پردادا کے زمانے سے بنک میں چلی آ رہی ہے۔۔۔ گویا یہ لوگوں سے لوٹی ہوئی دولت ہے۔۔۔ آپ کا



ان کو جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا۔

”وہ نوجوان آپ سے رقم کون سی تاریخ کو لینے آتا ہے۔“

”ہر ماہ کی یکم کو۔۔۔ رات کے گیارہ بجے اور آج یکم ہی ہے رات کے گیارہ بجے وہ آئے گا۔“

”اس کا مطلب ہے۔۔۔ ہم آج ہی اسے گرفتار کر سکتے ہیں۔“

”اسی لیے تو میں نے آج کے دن آپ لوگوں سے رابطہ

ہے۔۔۔ اگر اسے آپ لوگوں کے یہاں آنے کا علم نہ ہوا تو وہ

”اور اگر اسے علم ہو گیا تو وہ فائل اخبارات کو دے دے گا

پولیس کے حوالے کر دے گا۔۔۔ لیکن اب آپ کو اس بات کی کوئی

نہیں رہ گئی۔۔۔ آپ تو خود یہ ساری دولت حکومت کے حوالے کر

آبادہ ہو گئے ہیں۔“

”ہاں! یہی بات ہے۔“

”تب حکومت آپ کا شکریہ ادا کرے گی۔۔۔ جرم آپ نے

کیا تھا اور نہ آپ کو معلوم تھا کہ پردادا اور دادا کیا کرتے رہے ہیں

آپ کے والد نے جرم کا یہ راستا اختیار نہیں کیا۔۔۔ البتہ باپ سے

ہوئی دولت پر وہ عیش کرتے رہے۔۔۔ لیکن شاید انہیں یہ بات معلوم

ہوئی ہو کہ ان کے والد ایک ڈاکو تھے۔۔۔ خیر۔۔۔ اب سوال یہ ہے

آپ کیا کریں گے؟“

اس جرم میں حصہ نہ سہی۔۔۔ لیکن یہ دولت آپ کی تو نہیں ہے۔۔۔ یہ

دولت تو لوگوں کی ہے۔۔۔ لہذا آپ مجھے ایک کروڑ سالانہ ادا کریں۔۔۔

یہ فائل پولیس کو دے دی جائے گی۔۔۔ اور آپ کی یہ تمام دولت

سرکاری خزانے میں جمع کر لی جائے گی۔“

میں اس کی یہ تقریر سن کر سکتے میں آ گیا۔۔۔ اس وقت سے وہ ہر

سال سے رقم وصول کر رہا ہے۔۔۔ ایک سال ہو گیا ہے۔۔۔ گویا میں

اب تک اسے ایک کروڑ کے لگ بھگ رقم ادا کر چکا ہوں۔۔۔ یہ بھی

میں نے خود کہا تھا کہ وہ ہر ماہ ایک کروڑوں کا بار ہوں حصہ وصول کرے

۔۔۔ یہ نہیں کہ سال بعد آ کر ایک کروڑ وصول کیا کرے گا۔۔۔ میں

مرا کیا نہ کرتا۔۔۔ اسے رقم دیتا رہا۔۔۔ لیکن اب میں اس زندگی سے

آگیا ہوں۔۔۔ میں یہ ساری دولت سرکاری خزانے میں خود جمع

رانے کے لیے تیار ہوں۔۔۔ اب وہ مجھے کس طرح بلیک میل کرے گا

۔۔۔ یہاں تک کہ کر سردار تیمور خان خاموش ہو گئے۔

”آپ کی کہانی بہت زیادہ حیرت انگیز ہے۔“ انپکٹر کامران مرزا

بہ ہلکائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

”اگر آپ کے پردادا ڈاکو تھے۔۔۔ تو آج کے ایک نوجوان کو اس

مانے کی باتوں کا کس طرح پتا چل گیا۔“

”اس پر تو میں نے غور نہیں کیا۔۔۔ اس فائل میں جو ثبوت تھے



”کیا مطلب.... میں کیا کروں گا۔“ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔  
 ”ہاں! ساری دولت حکومت کے حوالے کرنے کے بعد آپ  
 کریں گے۔“

”یہ میں نے نہیں سوچا۔“

”کیا آپ کو کوئی کام آتا ہے۔“

”نہیں.... دولت نے کچھ سیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں  
 ہونے دی تھی۔“

”آپ کتنے پڑھے لکھے ہیں۔“

”میں میٹرک میں فیل ہو گیا تھا.... پھر میں نے پاس ہونے کی  
 ضرورت بھی نہیں سمجھی.... وہی دولت مندی آڑے آگئی.... ذہن نہ  
 کہا تھا.... اس قدر تو دولت پاس ہے.... میں کیا کروں گا پڑھ کر  
 میٹرک پاس کر کے کون سا مجھے کسی دفتر میں کلرک لگتا ہے۔“

”لیکن اب.... اب آپ کیا کریں گے۔“

”میں.... یہ سوال میرے لیے بہت پریشان کن ہے.... اگر آپ  
 لوگ میری مدد کریں تو میں کچھ کر سکتا ہوں۔“

”کیا مطلب.... آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟“

”صدر صاحب بھی میرے دوست ہی ہیں.... وہ بھی میری مدد  
 کر سکتے ہیں۔“

”آپ کس قسم کی مدد چاہتے ہیں۔“

”برٹائن میں میرے کئی رشتے دار رہتے ہیں.... سنا ہے.... وہاں  
 جیسوں کو ملوں یا فیکٹریوں میں مزدور کے طور پر فوراً رکھ لیا جاتا  
 ہے.... میرے دو رشتے دار بھی یہی کچھ کرتے ہیں.... وہ مجھے بھی وہاں  
 لے کر لگوا دیں گے.... لہذا آپ لوگ صرف اتنا کریں کہ ہمیں برٹائن  
 جانے کا انتظام کر دیں۔“

”مزدوری تو آپ کو یہاں بھی مل سکتی ہے۔“

”لیکن یہاں اجرت بہت کم ملتی ہے.... برٹائن جیسی جگہوں پر  
 مزدوری بہت مل جاتی ہے.... اور آپ جانتے ہیں کہ ہم کن حالات میں  
 زندگی گزارتے رہے ہیں اب تک.... یہاں کی مزدوری سے ہمارے دن  
 نہیں بسر ہوں گے.... عادت جو پڑ گئی ہے.... وہاں کی تنخواہ سے پھر کچھ  
 کام چل جائے گا۔“

”اچھی بات ہے.... ہم یہ کام آپ کا کروا دیں گے.... اخراجات  
 ہی ہم اپنی جیب سے کر دیں گے.... آپ فکر نہ کریں۔“ آئی جی  
 لے۔

”آپ لوگ.... بہت اچھے ہیں.... بہت اچھے۔“ یہ کہہ کر وہ رو  
 پے۔

”بلکہ ہم آپ کی کہانی اخبارات میں شائع نہیں ہونے دیں  
 گے.... اخبارات کو ہدایت کر دیں گے کہ ایک شخص جب سب کچھ  
 ہموں چھاڑ کر جانے کے لیے تیار ہے.... تو کیوں اس کی عزت کو اچھالا



جائے۔۔۔ لہذا یہ معاملہ راز میں رکھا جائے گا اور بلیک میلر کو ہم آج ہی پکڑ لیں گے ان شاء اللہ۔

”شکریہ بہت بہت۔۔۔ اسی لیے میں نے صدر صاحب سے رابطہ کیا تھا۔“ وہ بولے۔

اسی روز رات کے وقت وہ سب وہاں موجود تھے۔۔۔ گھر کے دروازے اندر سے بند کر دیے گئے۔۔۔ پروگرام طے ہو چکا تھا۔۔۔ آخر ٹھیک گیارہ بجے۔۔۔ دروازے کی گھنٹی بجائی گئی۔۔۔ ان کے کان کھڑے گئے۔۔۔ سردار تیمور دروازے کی طرف چلے گئے۔۔۔ انہوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔۔۔ پھر انہوں نے سردار تیمور کے الفاظ سنے۔

”میں آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا۔۔۔ آئیے۔“

انہوں نے قدموں کی آوازیں سنیں۔۔۔ وہ اسے لیے ڈرائنگ روم کی طرف جا رہے تھے۔۔۔ اور ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔۔۔ پھر جب انہوں نے محسوس کر لیا کہ وہ ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ چکے ہیں۔۔۔ تو دبے پاؤں اپنی جگہوں سے نکلے اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے۔۔۔ انہوں نے دیکھا۔۔۔ اندر ایک نوجوان موجود تھا۔۔۔ ادھر اس نے انہیں دروازے پر رکتے دیکھا۔۔۔ اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔۔۔ اس کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا۔

”یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ یہ کیا سردار صاحب؟“

”ان کا تعلق پولیس سے ہے جناب۔“

”آپ نے ایسا کیوں کیا۔۔۔ کیا آپ اپنی فائل کو اخبارات میں شائع کروانا چاہتے ہیں؟“ نوجوان چلا اٹھا۔

”ہاں! یہی بات ہے۔“

”کیا کہا۔۔۔ یہی بات ہے۔۔۔ کیا آپ کا دماغ چل گیا ہے۔“

”ہاں! میرا دماغ چل گیا ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔ پتا بھی ہے۔۔۔ اس کا انجام کیا ہو گا۔۔۔ یہ ساری دولت حکومت اپنے قبضے میں لے لے گی اور آپ ایک ایک پیسے کے محتاج ہو جائیں گے۔“

”ہاں یہ بھی میں جانتا ہوں۔۔۔ بالکل ایسا ہی ہو گا۔“

”اور اس کے باوجود آپ نے پولیس کو خبردار کیا۔“

”ہاں کیا۔۔۔ انہیں گرفتار کر لیں۔۔۔ یہی ہیں وہ۔۔۔ جن کے پاس فائل ہے۔“

اکرام کے ماتحتوں نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دیں۔۔۔ ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”سردار صاحب! اب آپ اور آپ کے گھروالے یہاں نہیں رہ سکتے۔۔۔ یہ حکومت کا مال ہے۔۔۔ آپ کو اسی وقت اپنے جسم کے پکڑوں میں یہاں سے نکلنا ہو گا۔۔۔ ہم آپ کو اپنے گھر لے جائیں گے۔۔۔ ایک آدھ دن آپ وہاں رہیں گے۔۔۔ اس وقت تک کاغذات ہار ہو جائیں گے۔۔۔ پھر ہم آپ کو برٹائن بھیج دیں گے۔“



کس کا فون

مکرہ امتحان میں اب ان کے ساتھ وہ نوجوان موجود تھا۔ وہ اسے تیز نظروں سے گھور رہے تھے۔

”اب آپ بھی کچھ کہ دیں۔“

”میں کہ دوں۔۔۔ کیا کہ دوں۔“ اس نے پرسکون انداز میں کہا۔  
”آپ جو لوگوں سے یہ رقوم جمع کرتے ہیں۔۔۔ یہ کس کے لیے جمع کرتے ہیں؟“

”اپنے لیے۔۔۔ اور میں کس لیے جمع کرتا بھلا۔“ وہ ہنسا۔

”بہت خوب! تو وہ بلیک میلر آپ خود ہیں۔“

”ہاں! میں ہی ہوں۔۔۔ اس میں کوئی شک نہیں۔۔۔ لیکن میں ذیلی بلیک میلر ہوں۔“ وہ پھر ہنسا۔

”ذیلی بلیک میلر۔۔۔ کیا مطلب؟“ ان کے منہ سے ایک ساتھ

”ہاں جی۔۔۔ ذیلی بلیک میلر۔۔۔ یا یوں کہ لیں کہ دوسرے نمبر اصل کوئی اور ہے۔۔۔ اصل تو بس اس قسم کی فائلیں دوسرے

”بہت بہتر! میں آپ کا شکر گزار ہوں گے۔۔۔ حد درجہ شکر گزار۔“

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔ ایسے میں انہوں نے سردار تیور کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھے۔۔۔ وہ زار و قطار رو رہے تھے۔۔۔ انہوں نے اس موقع پر ایک عجیب سی پریشانی محسوس کی۔۔۔ عجیب سا غم۔ اور عجیب سی الجھن۔





فائل کا مطالعہ کر لوں۔۔۔ میں نے اس سے ملاقات کی۔  
 ”ایک منٹ۔۔۔ کہاں ملاقات کی۔“  
 ”ہوٹل آرڈی کے ایک کمرے میں۔“  
 ”اوہ۔۔۔ پھر وہی ہوٹل۔“

”جی ہاں! ہوٹل کے اس کمرے میں وہ پہلے سے موجود تھا۔۔۔  
 وہ اس وقت میک اپ میں تھا۔۔۔ کم از کم میں نے یہی محسوس کیا  
 خیر۔۔۔ میں نے اس فائل کو دیکھا۔۔۔ اس فائل کے ذریعے میں  
 رفیق چاولہ سیاسی لیڈر کو بلیک میل کر سکتا تھا۔“  
 ”کیا۔۔۔ رفیق چاولہ کو۔۔۔ تب پھر تم سردار تیور کو کیسے بلیک  
 کرنے لگے؟“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”آپ بس سنتے جائیں۔۔۔ ویسے مزا آ رہا ہے یا نہیں؟“  
 ”ہاں آ رہا ہے۔۔۔ کچھ زیادہ ہی آ رہا ہے۔“ آصف جھلا اٹھا۔  
 ”اے بھریور انداز میں مسکرایا۔۔۔ پھر بولا۔  
 ”میں نے وہ فائل اس سے خرید لی۔“

”کتنے میں۔۔۔ اتنے پیسے تمہارے پاس کہاں سے آئے۔“ فرحت  
 ہلکا کر کہا۔

”حد ہو گئی۔۔۔ بتایا نہیں۔۔۔ میں بنکوں میں ڈاکے ڈالا کرتا تھا۔“  
 ”ابھی تمہیں اس بات کا بھی ثبوت دینا ہو گا۔۔۔ ورنہ مشین میں  
 جاؤ گے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

درجے کے بلیک میلروں کو فروخت کر دیتا ہے۔۔۔ یعنی وہ تو بس ایک بار  
 ہم سے فائل کے پیسے لے لیتا ہے۔۔۔ اور ہم اس فائل سے مستقل  
 طور پر پیسے وصول کرتے رہتے ہیں۔“  
 ”بھئی ذرا تفصیل سے بتائیں۔۔۔ یے آپ کی باتیں ہیں  
 دلچسپ۔“

”بہت بہتر! جس قدر تفصیل سے آپ چاہیں گے بتا دوں گا۔۔۔  
 ویسے آپ مجھے تو یہاں بیکار ہی لائے ہیں۔۔۔ میں ذرا اور قسم کا بھج  
 ہوں۔۔۔ کچھ نہیں چھپاؤں گا۔۔۔ جو معلوم ہے، فر فر بتا دوں گا۔۔۔ اور  
 چپ چاپ جیل چلا جاؤں گا۔۔۔ جیل کاٹ کر آؤں گا، پھر خاموشی سے  
 اپنا کام شروع کر دوں گا۔“  
 ”لیکن کون سا کام؟“

”پہلے میں صرف بنکوں میں ڈاکے ڈالا کرتا تھا۔۔۔ ایک روز اس  
 کا فون مجھے ملا۔“

”اس کا فون۔۔۔ بھئی کس کا فون۔۔۔ گول مول باتیں تو نہ کر  
 نا۔“ فرحت مسکرائی۔

”جی اچھا۔۔۔ اسی اصل بلیک میلر کا فون۔۔۔ اس نے کہا تھا کہ  
 جو میں بنکوں میں ڈاکے ڈالتا ہوں۔۔۔ یہ تو بہت خطرناک کام ہے۔۔۔  
 بہت آسان اور زیادہ منافع والے کام مجھے بتا سکتا ہے۔۔۔ میں نے کہا کہ  
 بتائیں پھر۔۔۔ اس نے کہا کہ اس کے پاس ایک فائل ہے۔۔۔ آکر اس



”کیا مطلب جناب.... کس بات کا ثبوت؟“

”اس بات کہ تم بکوں میں ڈاکے ڈالتے رہے ہو.... تفصیل سے بتانا ہو گا کہ تم نے کب اور کس بک میں ڈاکا ڈالا تھا وغیرہ.... الحال یہ بتاؤ۔ اس فائل کے تم نے کتنے پیسے اس بلیک میلر کو دیے تھے۔“

”دو کروڑ۔“

”اوہ اچھا.... خیر.... پھر۔“

”میں نے اس فائل کی کاپی رفیق چاولہ کو بھیج دی اور اسے دیا کہ اگر اس نے ہر ماہ مجھے ایک بڑی رقم دینا منظور نہ کی تو یہ فائل اخبارات کی زینت بن جائے گی۔ اور اگر یہ اخبارات کی زینت بن جائے تو وہ جیل میں ہو گا۔ کہاں وہ سیاسی لیڈر ہے۔ لہذا اس مجھے پہلی قسط ایک کروڑ کی ادا کی۔ پھر اس کے بعد دس لاکھ روپے باہر دینے لگا۔ یہ کام مجھے کافی محفوظ اور فائدہ مند نظر آیا۔ کچھ دن بعد اس نے پھر مجھے فون کیا۔ اور بتایا کہ دو فائلیں اور فروخت کر چاہتا ہے۔ اگر میں سودا کرنا چاہوں۔ آرڈی ہوٹل کے اسی کمرے میں اس نے مجھ سے ملاقات کی۔ میں نے ان دونوں فائلوں کو دیکھا۔ ان فائلوں کے ذریعے میں عامر جمالی اور سردار تیمور کو بلیک میل کر سکتا تھا۔ اور بس۔ میں نے تو اس سے صرف یہ تین فائلیں خریدی تھیں۔ ویسے میرا خیال ہے۔ وہ اس قسم کی اور بہت

فائلیں دوسرے لوگوں کو فروخت کر چکا ہے۔“

”حیرت ہے.... اس کے پاس اس قسم کی اتنی فائلیں کہاں سے آ گئیں.... یہ سردار تیمور کے پردادا، دادا تو چلو ڈاکو تھے.... اس کا اپنا کوئی جرم نہیں تھا.... عامر جمالی اور رفیق چاولہ کا کیا چکر ہے۔“

”ان دونوں کے خاندان والے بھی ڈاکے مارا کرتے تھے۔“

”اوہ.... اوہ.... حیرت ہے.... اس قدر پرانی معلومات اس بلیک میلر کو کہاں سے مل گئیں.... اس نے ان کی فائلیں کس طرح بنا لیں۔“

”یہ مجھے کچھ معلوم نہیں جتا۔“

”گویا اب ہمیں عامر جمالی اور رفیق چاولہ کی دولت بھی سرکاری الزامے میں جمع کرانا پڑے گی.... خیر.... وہ ہم کر لیں گے.... پہلے تم تفصیل بتا دو.... باقی دو فائلیں کہاں ہیں۔“

”میرے گھر میں ایک خفیہ جگہ پر۔“

”اور اگر تمہیں ان میں سے کوئی مار ڈالتا.... تو؟“

”اس صورت میں میری بیوی ان فائلوں کو حکومت کے حوالے کرتی.... لیکن میں نے ان لوگوں کو یہ بتا دیا تھا ہے کہ میرے ایک ہر ائم پیشہ دوست کے پاس وہ فائلیں محفوظ ہیں اور اگر مجھے قتل کر دیا گیا.... تو وہ فائلیں خود بخود اخبارات اور پولیس کو مل جائیں گی۔“

”ہوں اچھا.... ہم آرڈی ہوٹل کے اس کمرے کو دیکھنا چاہتے



ہیں۔۔۔ جس میں وہ تم سے ملاقات کرتا رہا ہے۔“

”وہاں آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔۔۔ ایک کمرہ کرائے پر لے کر اس میں ملاقات کرنا کیا مشکل ہے۔۔۔ اور ایسا شخص وہاں اپنا کوئی سران کس طرح چھوڑ سکتا ہے۔“

”ہوں۔۔۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ لیکن ہمارا اپنا ایک طریقہ ہے۔۔۔ ہم اس کمرے کو ہر حال میں دیکھیں گے۔“

”چلے پھر۔۔۔ دیکھ لیں۔“

وہ آرڈی کے ہوٹل آئے۔۔۔ آرڈی نے انہیں طنزیہ نظروں سے دیکھا۔۔۔ وہ اب ضمانت پر تھا لہذا پھر ہوٹل میں موجود تھا۔

”آپ پھر آگئے۔“

”کیا کیا جائے۔۔۔ مجبوری ہے۔۔۔ تم اس نوجوان کو جانتے ہو؟“

”نہیں۔۔۔ پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔۔۔ لیکن ایک بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔“

”اور وہ کیا؟“

”یہ نوجوان جرائم پیشہ ہے۔“

”یہ ہمیں معلوم ہے۔۔۔ یہ یہاں ایک بلیک میلر سے ملاقات کر رہا ہے۔۔۔ اس ہوٹل کے ایک کمرے میں۔۔۔ کیوں بھی کیا نمبر ہے اس کمرے کا۔“

”کمرہ نمبر ۱۳۔“

”شاید آپ مجھے پھر سے پھانسنے کے چکر میں ہیں۔۔۔ حالانکہ کوئی ایسی شخص یہاں کمرہ کرائے پر لے سکتا ہے۔“ آرڈی نے برا سامنہ بنایا۔

”یہ بات نہیں۔۔۔ تمہیں تو ہم جب جی چاہے گا۔۔۔ بغیر کسی چکر کے گرفتار کر لیں گے۔“ انہوں نے برا سامنہ بنایا۔

”اوہو اچھا۔“ اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

”ہاں جی۔۔۔ یہی بات ہے۔۔۔ ہاں نوجوان۔۔۔ کیا نام ہے تمہارا۔“

”جی میرا نام۔۔۔ میرا نام راجا ہے راجا۔“

”اچھا راجا صاحب۔۔۔ پہلی بار تم نے بلیک میلر سے کب ملاقات کی۔“

”ایک سال پہلے ۹ نومبر کو۔“

”دیکھو بھی۔۔۔ ۹ نومبر کو یہ کمرہ کس نے کرائے پر لیا تھا۔۔۔ اس کا شناختی کارڈ نمبر بتا دو۔“

”جی ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔“

اس نے رجسٹر نکالا اور نومبر کی نو تاریخ میں کمرہ نمبر ۱۳ کے سامنے نام پتا دیکھا۔۔۔ پھر بولا۔

”یہ لیں خود دیکھ لیں۔۔۔ الیاس لنگڑا نے کمرہ کرائے پر لیا تھا۔“

”کیا!!!“ وہ ایک ساتھ بولے اور پھر راجا کی طرف مڑے۔

”دوسری مرتبہ کب ملاقات کی تھی؟“



”سات جون کو“۔

”سات جون کی تاریخ میں دیکھو.... کمرہ نمبر ۱۳ کس نے کرائے لیا تا“۔

اس نے پھر رجسٹر میں دیکھا.... اور بولا۔

”الیاس لنگڑا“۔

”کیا!!!“

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

○☆○

ڈاکٹر جامد

ان کی نظریں راجا پر جم گئیں۔

”یہاں تو دونوں مرتبہ الیاس لنگڑا ہی لکھا تھا.... اور اس کا ان معاملات سے گہرا تعلق ثابت ہو چکا ہے.... لہذا ہم یہی کہیں گے.... کہ تم نے جو کچھ بتایا ہے.... وہ بالکل درست ہے۔“

”تب تو آپ کا کام آسان ہو گیا.... آپ الیاس لنگڑے کو پکڑیں.... آپ کو اس کے بارے میں معلوم ہو گا“۔ اس نے پرجوش انداز میں کہا۔

”ہاں! کیوں نہیں.... ہمیں اس کے بارے میں معلوم ہے.... اور یہ بھی معلوم ہے کہ اسے قتل کیا جا چکا ہے۔“

”اوہ نہیں“۔ راجا دھک سے رہ گیا۔

”اور اس کا مطلب ہے.... الیاس لنگڑا واقعی اصل بلیک میلر کو ہانتا تھا.... اصل بلیک میلر نے الیاس لنگڑے سے خود کو نہیں چھپایا تھا.... اسی لیے جب ہم اس کی طرف روانہ ہوئے تو اس نے اسے ختم کر دیا“۔



”اور اس کا مطلب ہے.... یہاں پہنچ کر ہماری تفتیش کی گاڑی پھر ٹھپ ہو گئی ہے۔“ آصف نے منہ بنایا۔

”نہیں.... یہ گاڑی ٹھپ نہیں ہو سکتی.... ہمیں کمرہ نمبر ۳۳ کا معائنہ کرنا ہو گا۔“ انسپکٹر کامران مرزا پر اسرار انداز میں بولے۔

”جی.... کیا مطلب.... اب اس کمرے میں بھلا آپ کو کیا ملے گا.... وہاں تو روزانہ لوگ آتے ہیں، ٹھہرتے ہیں.... اور راجا کے ساتھ الیاس لنگڑے نے کوئی آج کل میں تو ملاقات کی نہیں تھی۔“

”کچھ بھی ہو.... میں اس کمرے میں کو دیکھوں گا۔“ انہوں نے کہا۔

”آپ کی مرضی۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

پھر وہ آرڈی کے ساتھ اس کمرے میں آئے.... یہ ایک بڑا کمرہ تھا.... اور اس وقت خالی تھا.... اس میں فرنیچر کے سوا اور کچھ نہیں تھا.... انسپکٹر کامران مرزا نے عدسے کے ذریعے اس کے ایک ایک اہل کا معائنہ شروع کیا.... ان کی حیرت بڑھ گئی.... آفتاب سے تو رہا نہ گیا۔

”آخر آپ کیا دیکھ رہے ہیں.... یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔“

”ابھی بتاتا ہوں.... ذرا صبر کرو۔“ وہ مسکرائے۔

ان کی الجھن بڑھتی چلی گئی.... انسپکٹر کامران مرزا اپنے کام میں اس طرح مصروف ہو چکے تھے جیسے وہاں ان کے علاوہ اور کوئی موجود ہی نہیں تھا.... آرڈی تک حیرت زدہ تھا.... آخر وہ بول اٹھا۔

”تمام کمروں کی روزانہ بہت اچھی طرح صفائی کی جاتی ہے.... ان حالات میں بھلا آپ کو یہاں سے کیا سراغ مل سکتا ہے.... جب کہ اسرار راجا کی اس الیاس لنگڑے کے ساتھ آخری ملاقات بھی کم از کم ایک ماہ پہلے ہوئی تھی۔“

”ہاں! میں جانتا ہوں۔“

”اور اب تو الیاس لنگڑا بھی مار جا چکا ہے۔“ آرڈی بولا۔

”ہاں! میں جانتا ہوں۔“ وہ مسکرائے۔

”تب پھر آپ کو یہاں کیا چیز نظر آنے کی امید ہے؟“

”ایک چیز.... جو نہ ملی تو مجھے افسوس ہو گا۔“

”حد ہو گئی.... آخر وہ کیا چیز ہے؟“

”بس تھوڑی دیر اور صبر کرو.... میں ذرا پورا کمرہ دیکھ لوں۔“

اور پھر انہوں نے اس طرح پورے کمرے کو دیکھ ڈالا، اس کے سیدھے ہوئے، ان کی طرف مڑے اور تھکے تھکے انداز میں بولے۔

”افسوس! وہ چیز یہاں نہیں مل سکی۔“

”میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ کمرے کی تو روزانہ بہت اچھی طرح صفائی ہوتی ہے.... آپ کو بھلا یہاں سے کیا ملے گا جب کہ اس راجا کی ملاقات کوئی آج کل میں تو الیاس لنگڑا سے ہوئی نہیں۔“ آرڈی بولا۔

”ہاں! آپ نے ٹھیک کہا.... آپ بہت ذہین ہیں.... جتنا میں



خیال کرتا تھا۔۔۔ اس سے کہیں زیادہ ذہین ہیں۔“

”شکریہ بہت بہت۔“ وہ خوش ہو کر بولا۔

”اور بہت زیادہ ذہین انسان بھی کبھی اچانک بہت زیادہ شائد غلطی کر بیٹھتا ہے۔“ وہ مسکرائے۔

”کیا مطلب؟“

”اور مسٹر آرڈی۔۔۔ آپ سے وہ غلطی ہو گئی۔“

”کیا مطلب؟“ آرڈی اچھلا۔۔۔ اس کی آنکھوں میں خوف

گیا۔

”پہلے تو آپ ضمانت پر رہا ہو گئے تھے۔۔۔ اب ایسا بھی نہیں

سکے گا۔“

”پتا نہیں آپ کیا کہ رہے ہیں؟“

”آپ کا رجسٹر یہ کتنا ہے کہ یہاں ان تارخوں میں الیاس

ٹھہرا تھا۔“

”تو پھر؟“

”لیکن یہاں الیاس لنگڑا کبھی نہیں ٹھہرا۔“

”جی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”میں تو ابھی اور بھی کئی باتیں کہوں گا۔“

”میں بالکل نہیں سمجھا۔۔۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”بہت جلد سمجھ جائیں گے۔“

”آپ میری الجھن میں اضافہ کرتے جا رہے ہیں۔“

”الیاس لنگڑے کی لاش جس کمرے میں ملی۔۔۔ میں نے اس

کمرے کا معائنہ بہت غور سے کیا تھا۔۔۔ اس کے کمرے میں ایک میز

اسی موجود تھی۔۔۔ کمرے کے کونے میں۔۔۔ اس میز کی سطح پر انگلیوں کے

ناخوں سے اس میز کی سطح پر چند نشانات بنے ہوئے تھے۔۔۔ یہ نشانات

کمرے کی چند اور چیزوں پر بھی نظر آئے تھے۔۔۔ اور گھر کی کئی اور

جگہوں پر بھی۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ یہ الیاس لنگڑا کی خاص عادت

تھی۔۔۔ ناخوں سے لکیریں بناتا رہتا تھا۔۔۔ لیکن وہ لکیریں یہاں نظر نہیں

آئیں۔“

”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی جناب؟“ آرڈی نے منہ بنایا۔

”کیوں! بات کیوں نہیں ہوئی؟“ وہ مسکرائے۔

”میں بتا چکا ہوں۔۔۔ یہاں کی صفائی باقاعدہ ہوتی ہے۔“

”آپ کو ہمارے ساتھ الیاس لنگڑا کے گھر تک چلنا پڑے گا۔“

”کیوں! اس کی کیا ضرورت ہے؟“

”بس ضرورت ہے۔۔۔ آئیے چلیں۔“

”چلے۔۔۔ جیسے آپ کی مرضی۔۔۔ لیکن آپ بلاوجہ مجھے پریشان کر

رہے ہیں۔“

”یہی تو ایک کام ہے۔۔۔ جو ہم نہیں کرتے۔“ آفتاب مسکرایا۔

”کیا مطلب؟“



”ہم دوسروں کو بلاوجہ پریشان نہیں کرتے۔۔۔ جس طرح عام پولیس والے کرتے ہیں۔“

”خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ ابھی پتا چل جائے گا۔“

وہ الیاس لنگڑے کے گھر پہنچے، دستک دی گئی۔۔۔ اس کے بچے نے دروازہ کھولا۔۔۔ اس کی آنکھوں سے اب تک رونے کا پتا چل رہا تھا۔۔۔ ہمیں ایک بار پھر آپ کے گھر کی کچھ چیزوں کو دیکھنا ہے۔۔۔ مہربانی فرما کر پردہ کر لیں۔“

”جی اچھا۔“ اس نے کہا اور اندر چلا گیا۔۔۔ پھر اس نے آکر

کہا۔

”آپ لوگ آجائیں۔۔۔ میری امی ساتھ والے گھر چلی گئی

ہیں۔“

”آئیے جناب آرڈی صاحب۔“ یہ کہہ کر وہ اندر داخل ہوئے۔

انسپکٹر کامران مرزا پہلے اسے الیاس لنگڑے کے اپنے کمرے میں

لائے۔

”اس میز کی سطح کو دیکھیں۔۔۔ میز بھی صاف ستھری ہے۔۔۔ لیکن

لگتا ہے۔۔۔ جیسے اس کی سطح پر چاقو کی نوک سے یہ لکیریں بنائی گئی

ہیں۔۔۔ اب اس میز کی آپ جتنی جی چاہے صفائی کروالیں۔۔۔ یہ نشانات

تو رہیں گے جوں کے توں۔۔۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں نا۔“

”ہاں!“ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”اس قسم کے نشانات میں آپ کو گھر کی بہت سی چیزوں پر دکھا سکتا ہوں۔۔۔ آئیے۔“

”لیکن اس کی کیا ضرورت ہے؟“ اس نے اکتا کر کہا۔

”میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ الیاس لنگڑے کو یہ خاص

بات تھی۔۔۔ جہاں وہ ہوتا تھا، وہاں ضرور اپنے ناخن سے یہ بنانا تھا۔“

”ہو سکتا ہے۔۔۔ یہ نشانات گھر کا کوئی اور فرد بناتا ہو۔“

”اس گھر میں فرد ہی کتنے ہیں۔۔۔ الیاس کا لڑکا یہیں موجود

ہے۔۔۔ کیوں بھی یہ نشانات کیسے ہیں اس میز پر۔“

”میرے ابو کا ایک ناخن بہت زیادہ سخت اور نوک دار تھا۔۔۔ وہ

اس سے یہ نشانات بنایا کرتے تھے۔۔۔ گھر میں جگہ جگہ یہ نشانات موجود

ہیں۔۔۔ بس یہ ان کی عادت تھی۔۔۔ میری امی ان کی اس عادت سے

بے جا جلتی تھیں۔۔۔ لیکن وہ یہ عادت چھوڑ نہیں سکے۔“

”آپ نے سنا مسٹر آرڈی۔۔۔ لہذا آپ کے کمرے میں بھی اس

قسم کے نشانات لازمی ہونا چاہئیں تھے۔۔۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔۔۔ اس کا

مطلب ہے، الیاس لنگڑا اس کمرے میں نہیں ٹھہرتا تھا۔۔۔ اس کمرے

میں اس نوجوان سے ملاقات کسی اور نے کی تھی اور وہ ضرور وہ بلیک

ر تھا۔۔۔ اس بلیک میڈر کا تم پر دباؤ ہے۔۔۔ تم اس کے لیے کام کرتے

ہو۔۔۔ یہ بات تو ظاہر ہے۔۔۔ لہذا اس نے جن تاریخوں میں یہاں

آئے۔۔۔ ان تاریخوں میں۔۔۔ تم نے اس کی ہدایت



”وہ کیسے؟“

”الیاس لنگڑے بے چارے کو بلاوجہ قتل کر دیا تم لوگوں نے۔۔۔“

”لیکن اس کا اس جرم سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔“

”اس نے کچھ اور جرم کیے ہوں۔۔۔ لیکن اس بم دھماکے سے اس کا

کوئی تعلق نہیں تھا۔“

”یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ اکرام نے بوکھلا کر کہا۔

”ہاں اکرام۔۔۔ یہی بات ہے۔۔۔ اس بے چارے کو تو گوندل نے

پھنسا دیا۔۔۔ یہی وجہ تھی کہ انگلیوں کے نشانات الیاس لنگڑے کے

پہلو پر نہیں تھے۔۔۔ اصل میں ہوا یہ ہے کہ گوندل سے پنسل وہاں گر

گئی تھی۔۔۔ جب ہم نے اس سے پنسل کے بارے میں پوچھا۔۔۔ تو یہ

کہا گیا۔۔۔ اور فوری طور پر یہ جھوٹ گھڑ دیا کہ اس سے وہ پنسل الیاس

کے ہاتھ سے لی تھی۔۔۔ جب ہم اس سے ملنے کے لیے جانے لگے تو

اس نے فکر ہوئی کہ اس کا جھوٹ پکڑا جائے گا۔۔۔ اور پھر اسے بم دھماکے

میں گرفتار کر لیا جائے گا۔۔۔ لہذا کم از کم سات سال کے لیے توجیل جانا

پڑے گا۔۔۔ چنانچہ اس نے فوراً ”آرڈی سے بات کی۔۔۔ اور آرڈی نے

اس کو اطلاع دی۔۔۔ باس نے فوراً ”اپنا کوئی آدمی بھیج کر الیاس لنگڑے

کو قسم کرا دیا۔۔۔ حالانکہ اسے باس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں

تھا۔۔۔ لیکن اس طرح اس نے گوندل کو بچا لیا۔۔۔ گویا باس کے لیے

کے مطابق کمرہ رجسٹر میں الیاس لنگڑا کا نام لکھ دیا۔۔۔ تاکہ ہم کوئی سرکاری

نہ لگا سکیں۔“

”اور شناختی کارڈ نمبر۔“ آرڈی نے طنز یہ کہا۔

”وہ کوئی مسئلہ نہیں۔۔۔ گوندل اور الیاس لنگڑا دوست تھے۔۔۔“

گوندل تمہارا ساتھی ہے۔۔۔ جب تم لوگوں کو یہ کام کرنا ٹھہرا تو کسی

بھانے تم اس کے شناختی کارڈ کا نمبر کیوں نہیں لے سکتے تھے۔۔۔ لہذا

دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کمرے میں الیاس لنگڑا ہرگز نہیں

تھا۔۔۔ کوئی اور ٹھہرتا رہا ہے۔۔۔ اور تمہیں ایک بار پھر کمرہ امتحان

چلنا پڑے گا۔۔۔ اور اس بار تمہارے وکیل بھی تمہیں نہیں چھڑا سکیں

گے۔۔۔ کیا سمجھے۔“

”نہیں نہیں۔۔۔ یہ آپ بلاوجہ مجھے تنگ کر رہے ہیں۔“

”ابھی تو میں اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر ایک

کہوں گا۔“ انسپکٹر کامران مرزا یہ کہتے ہوئے مسکرائے۔

”اور وہ کیا؟“

”کمرہ امتحان میں چل کر بتاؤں گا۔۔۔ بھی اکرام انہیں پھر

کمرہ امتحان میں لے چلو۔۔۔ اور گوندل کو بھی۔۔۔ ان دونوں کی ہی

ضرورت پیش آنے والی ہے۔“

”نہیں نہیں۔۔۔ یہ ظلم ہے۔“ آرڈی چلا اٹھا۔

”اگر یہ ظلم ہے تو تم ہم سے بڑے ظالم ہو۔“



”تب پھر سر۔۔۔ اس کا ایک اور اچھا طریقہ ہے۔“  
 ”اور وہ کیا؟“

”انہیں انپکڑ صاحب کے خفیہ ٹھکانے پر لے چلتے ہیں۔“

”نہیں۔۔۔ اس وقت صورت حال اور ہے۔۔۔ یہاں رہنے کی  
 صورت میں مجرم انہیں چھڑانے کی کوشش کرے گا۔۔۔ ہو سکتا ہے اس  
 کوشش کے نتیجے میں اس سے کوئی غلطی ہو جائے۔“  
 ”اوہ ہاں۔۔۔ یہ تو ہے۔“

پھر انہیں شکنجے میں کس جانے لگا۔۔۔ وہ لگے چیخنے۔۔۔ چلانے۔۔۔  
 حالانکہ ابھی بٹن نہیں دبایا گیا تھا۔۔۔ ایسے میں دروازے پر دستک ہوئی۔  
 وہ چونک اٹھے۔۔۔ انپکڑ کامران مرزا نے دروازہ کھولنے کا اشارہ  
 کیا۔۔۔ جونہی دروازہ کھلا۔۔۔ ایک وکیل اور ایک مجسٹریٹ فوراً اندر  
 داخل ہوئے۔۔۔ وکیل نے چیخ کر کہا۔

”اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جناب۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔“

”یہ کیا ہو رہا ہے بھی؟“ مجسٹریٹ نے منہ بنایا۔

”کیا آپ ان کی ضمانت کرا لائے ہیں؟“ انپکڑ کامران مرزا نے  
 سون آواز میں کہا۔

”ہاں! بالکل۔۔۔ یہ رہے کاغذات۔۔۔ فوراً“ سے پہلے انہیں چھوڑ

”جی نہیں۔۔۔ انہیں نہیں چھوڑا جائے گا۔۔۔ ضمانت کس نے لی

باس کے نزدیکی آدمی ہیں۔۔۔ اور اب ہم انہیں کمرہ امتحان میں لے جا  
 رہے ہیں۔۔۔ وہاں یہ ہمیں اپنے باس یعنی اس بلیک میلر کا نام بتائیں  
 گے۔“

”نہیں نہیں۔۔۔ آپ کا خیال غلط ہے۔“

”اکرام لے چلو انہیں۔“

انہیں پھر کمرہ امتحان میں لے جایا گیا۔

”لیکن انکل۔۔۔ آپ نے وکیل کے بارے میں کیا سوچا ہے۔۔۔  
 وہ پھر ضمانت کے کاغذات لے آئے گا۔۔۔ شاید انہوں نے کسی جج  
 خرید رکھا ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔۔۔ اس بار ہم ان دونوں کو نہیں چھوڑیں  
 گے۔“

”تب تو ٹھیک ہے۔“

”عدالت سے اگر ہماری ضمانت کے کاغذات جاری ہو گئے تو  
 آپ کس طرح روک سکیں گے؟“ گوندل نے بھنا کر کہا۔

”روک لیں گے۔۔۔ پہلے ہم ان جج صاحب سے بات کریں  
 گے۔“

”اوہ اچھا۔۔۔ خیر۔۔۔ دیکھتے ہیں۔“

”ہاں بھی اکرام۔۔۔ یہ دونوں ٹیڑھی کھیر ہیں۔۔۔ ٹیڑھی کھیر کے  
 ساتھ یہاں جو کچھ کیا جاتا ہے۔۔۔ اب شروع کر دو۔“



”آپ نے دو آدمیوں کی ضمانت منظور کی تھی سر۔۔۔ یہ انسپٹر  
امران مرزا ہیں۔۔۔ انہیں آپ کے ضمانت لینے پر اعتراض ہے۔“

”کیا کہا۔۔۔ یہ انسپٹر کامران مرزا۔۔۔ یہ یہاں انسپٹر کامران مرزا  
کام سے آئے۔“ جج صاحب نے چونک کر کہا۔

”انسپٹر جمشید اور ان کے ساتھی ہوش کھو بیٹھے ہیں۔۔۔ لہذا ان  
کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔“

”ہوش کھو بیٹھے ہیں۔۔۔ میں سمجھا نہیں۔“

”ایک نامعلوم دشمن نے انہیں زہریلے انجکشن لگائے ہیں۔“

انسپٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

”اوہ اچھا خیر۔۔۔ آپ کو میرے ضمانت لینے پر کیا اعتراض ہے؟“

”ضمانت لینے کا قانون یہ ہے کہ جس شخص کو گرفتار کیا گیا

۔۔۔ اسے گرفتار کرنے والا بھی عدالت میں حاضر ہو اور بتائے۔۔۔ کہ

اس پر کیا الزام ہے۔۔۔ کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔۔۔ یہ جانے بغیر ضمانت

میں لی جاسکتی۔۔۔ آپ نے مجھے عدالت میں طلب نہیں فرمایا۔۔۔ اور یہ

عدالت لے لی۔“

”عدالت کا وقت ختم ہو چکا تھا۔“ جج صاحب بولے۔

”اس سے یہ ضرورت ختم نہیں ہو جاتی۔۔۔ یعنی پولیس کا موقف

کی ضرورت۔“

”میرے سامنے ڈاکٹری سرٹی فکیٹ پیش کیا گیا تھا۔۔۔ کہ ملزم

ہے۔“

”ہائی کورٹ کے ایک جج صاحب نے۔۔۔ ان کا نام اسرار

ہے۔“

”بہت خوب۔۔۔ آئیے۔۔۔ اسرار نواز صاحب کے پاس

ہیں۔۔۔ اگر مجھ سے ملاقات کے بعد بھی انہوں نے اس ضمانت نامے

کینسل نہ کیا تو آپ ان دونوں کو لے جائیے گا۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟“ وکیل نے بھنا کر کہا۔

”آپ کو ان دونوں سے غرض ہے نا۔“ وہ بولے۔

”ہاں! اور ضمانت نامے دیکھنے کے بعد آپ انہیں حراست

نہیں رکھ سکتے۔“

”آپ مجھ پر فرد جرم لگوا دیجئے گا۔۔۔ فی الحال جج کے پاس

رہے ہیں یا نہیں؟“ انہوں نے تملاکر کہا۔

”اچھی بات ہے۔۔۔ یونہی سی۔۔۔ چلے۔“

انہوں نے اکرام کو وہیں چھوڑا اور ان کے ساتھ جج صاحب

کوٹھی پہنچے۔۔۔ اس وقت عدالت کا وقت نہیں تھا۔۔۔ شام ہو

تھی۔۔۔ جج صاحب کی کوٹھی دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئے۔۔۔ اس

عظیم کوٹھی تھی کہ محل کا گمان ہوتا تھا۔۔۔ جج نے انہیں حیرت

نظروں سے دیکھا۔

”کیا معاملہ ہے بھی؟“



دل کا بہت سخت مریض ہے.... اور الزام بے بنیاد ہے.... لہذا کہیں ہارٹ فیل سے مر نہ جائے.... لہذا فوری طور پر اس کی ضمانت لے جائے.... اور معاملے کو بعد میں دیکھا جائے.... ملزم کہیں فرار تو ہو گیا ہے۔

رہے۔

”اوہ! تو یہ دونوں دل کے مریض ہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”سرٹی فکیٹ میں یہی لکھا گیا تھا۔“

”ڈاکٹر صاحب کا نام۔“

”ڈاکٹر جلد انصار۔“

”اچھی بات ہے.... ہم ان سے بھی مل لیتے ہیں.... لیکن آپ کی ضمانت واپس لیں.... کیونکہ یہ سرٹی فکیٹ جعلی ہے۔“

”اس صورت میں آپ ان کا چیک اپ کرائیں.... اگر دوسرا دو تین ڈاکٹرز یہ لکھ دیں کہ یہ دل کے مریض نہیں ہیں تو میں ضمانت کینسل کر دوں گا۔“

”اچھی بات ہے.... ہم انہیں ملٹری ہسپتال لے جاتے ہیں۔“ انسپکٹر نے مسکرائے۔

”کیوں.... کیا سول ہسپتال میں چیک اپ نہیں ہو سکتا۔“

صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ہو سکتا ہے.... لیکن ان کا چیک اپ ذرا خاص انداز میں کرنا پڑے گا۔“

”آپ کی مرضی.... میں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ جج صاحب نے کہا۔

وہ وہاں سے ملٹری ہسپتال آئے.... ایم ایس صاحب کے سامنے ہمارا معاملہ رکھا گیا.... وہ انسپکٹر کامران مرزا کو بہت اچھی طرح جانتے تھے.... اور ان تینوں پارٹیوں کو پسند کرنے والوں میں سے تھے.... ان کی

تسکین سن کر مسکرائے اور چیک اپ کے انتظامات کر دیے.... جلد ہی انہیں ان کے سامنے آ گئیں.... ان پر چار ڈاکٹروں کے دستخط تھے....

انہوں نے ان کے مطابق ان کے دل بالکل درست حالت میں تھے.... اور انہیں بھی کسی قسم کی کمزوری یا نقص نہیں تھا.... یہ سرٹی فکیٹ انہوں نے جج صاحب کی خدمت میں پیش کیے۔

ان کی آنکھیں مارے حیرت کے کھلی کی کھلی رہ گئیں.... انہوں نے فوراً ”ضمانت کینسل کر دی.... ان کی کوٹھی سے باہر نکل کر انہوں نے اکرام کو ہدایت دیں۔“

”دو سادہ لباس والے ان کی کوٹھی پر ہر وقت نگرانی کریں۔“

”یس سر۔“

اب انہوں نے ایکس چینج کے نمبر ملائے اور انہیں ہدایات دیں۔

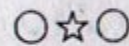


”جج اسرار نواز کے فون نمبر نوٹ کر لیں.... یہ کسی سے کوئی بات بھی کریں.... یا ان کے فون پر کوئی بات کریں.... وہ تمام گفتگو ریکارڈ کی جائے۔“

”یس سر۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

اب ان کا رخ ڈاکٹر جامد انصار کی طرف تھا اور وہ سوچ رہے تھے.... ابھی تک وہ مجرم کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔

پھر جونہی انہوں نے ڈاکٹر جامد انصار کو دیکھا.... انہیں ایک زوردار جھٹکا لگا۔



تجربہ

ادھر ڈاکٹر جامد انصار انہیں دیکھ کر چونک پڑا۔

”آپ!“ اس کے منہ سے نکلا۔

”ہاں میں.... ڈاکٹر بارو۔“

”جی کیا فرمایا.... ڈاکٹر بارو۔“ آصف نے بوکھلا کر کہا۔

”ہاں بھئی.... ان سے ملو.... یہ ہیں ڈاکٹر بارو.... کسی زمانے میں

ہمارے شہر میں پریکٹس کیا کرے تھے.... لیکن پھر انہوں نے چند غلط

ام کیے.... اور ان پر چند کیس بھی بن گئے تھے.... لیکن یہ نہ جانے

کس طرح ان کیسوں سے بچ گئے.... اور یہ اس شہر سے چلے آئے....

ان زمانے میں میں نیا نیا انسپکٹر لگا تھا.... آج اتنی مدت بعد ان سے

ملاقات ہوئی ہے۔“

”لیکن انکل! ان کا نام تو جامد انصار ہے۔“

”یہ ان کا نیا نام ہے.... یہاں رکھا گیا ہو گا.... وہاں ان کا ڈاکٹر

اد تھا.... کیوں ڈاکٹر صاحب۔“

وہ فکر فکر انہیں دیکھتا رہا.... منہ سے کچھ نہ بول سکا۔



”آپ تو بالکل خاموش ہو گئے.... کچھ تو بولے.... کہ یہ میری بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہیں۔“

”آپ نے بالکل ٹھیک فرمایا.... کیسے آنا ہوا؟“ آخر اس

کہا۔

”ایسا لگتا ہے جیسے آپ نے ابھی تک جرائم کا راستا نہیں۔“ انسپٹر کامران مرزا نے کہا۔

”نہیں.... یہ غلط ہے.... میں اب جرائم سے کوسوں دور ہوں۔“

”ابھی معلوم ہو جاتا ہے.... یہ سرنی فیکٹ آپ نے جاری ہے.... مسٹر گوندل اور مسٹر آرڈی کا.... کہ یہ دل کے بہت زیادہ مراد ہیں.... تھوڑی سی سختی بھی ان کے لیے خطرناک ہو سکتی ہے۔“

”اوہ نہیں۔“ ڈاکٹر چلایا۔

”اوہ نہیں.... کیا مطلب.... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“ وہ جواب دے کر بولے۔

”مجھے یہ مریض نہیں دکھائے گئے تھے۔“ اس نے کہا۔

”کیا مطلب؟“ وہ بری طرح چونکے۔

”میرے پاس دو مریض لائے گئے تھے.... میں نے ان دونوں چیک کیا تھا.... ان کا ای سی جی لیا تھا اور وہ واقعی دل کے زبردست مریض تھے۔“

”اوہ.... اوہ۔“ ان کے منہ سے نکلا.... پھر ان کی نظریں وکیل

سرنی کی طرف گھوم گئیں۔

”آپ نے دیکھا.... آپ نے سنا.... یہ لوگ کس کس طرح چکر رہے ہیں۔“

”ہاں! ہمیں افسوس ہے.... ہم بھی ان کے چکر میں آ گئے....“

”انہوں نے جب یہ سرنی فیکٹ پیش کیے تو ہم نے جج سے مل

سورت حال بتائی.... اسی بنیاد پر انہوں نے ضمانت لے لی تھی۔“

”تب پھر.... آپ بھی بے قصور ہیں اور جج صاحب بھی.... میں

سے نگرانی کرنے والے ہٹا لیتا ہوں۔“

”ایک بار پھر وہ کمرہ امتحان میں موجود تھے.... اور اب وہاں

کسی کی دخل اندازی کا خطرہ نہیں رہا تھا.... کیونکہ ان کی ضمانت

مال بھی فیل ہو چکی تھی۔“

”اب تم دونوں کیا کہتے ہو؟“

”کچھ نہیں.... ہم زبان نہیں کھولیں گے۔“

”ارے بھئی.... تو پھر ان مشینوں کا کیا فائدہ۔“

”آپ اپنی مشینوں کی طاقت آزمائیں۔“ گوندل نے کہا۔

”مجھے یقین ہے.... تم اس بلیک میلر کے بارے میں بہت کچھ

ہو.... اور شاید یہ بھی جانتے ہو.... وہ کون ہے۔“

”نہیں.... کم از کم ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے.... لیکن ہم



جتنا کچھ بھی جانتے ہیں.... وہ بھی بتائیں گے.... اس لیے کہ....  
 ”اس لیے کہ.... کیا؟“

”وہ کس قدر خوفناک بلیک میلر ہے.... آپ نہیں جانتے  
 بہت بڑے بڑے لوگوں کے راز اس کے قبضے میں ہیں.... اگر میں  
 اس کے بارے میں کچھ بھی بتایا تو ہم بھی جان سے جائیں گے....  
 ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔“

”تم دونوں بلاوجہ ڈر رہے ہو.... وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا“  
 ”آپ اسے نہیں جانتے؟“

”وہ دل کے دو مریض تم ڈاکٹر انصار کے پاس کس طرح  
 گئے تھے؟“

”یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا.... ہم سول ہسپتال دل کے وارڈ  
 میں گئے تھے.... وہاں ان گنت لوگ ای سی جی کرانے کے لیے مارے  
 مارتے پھر رہے تھے.... ان میں سے دو جو زیادہ مریض لگے، ہم نے  
 سے بات کی ہم ان کا ای سی جی کرا دیتے ہیں.... لہذا وہ تیار ہو گئے  
 ڈاکٹر کو ہم نے ان کے نام نہیں بتائے.... بلکہ اپنے نام بتائے تھے۔“

”اوہ اچھا.... خیر.... یہ بات تو ہو گئی.... لیکن تم خاص طور پر  
 انصار کے پاس ہی کیوں گئے۔“

”سول ہسپتال کے نزدیک وہی ڈاکٹر ہیں.... جن کے پاس ای سی  
 جی کرنے کی مشین موجود ہے۔“

”اوہ اچھا.... اب تم بلیک میلر کے بارے میں جو کچھ جانتے  
 .... بتا دو.... تمہارے لیے بہتر یہی ہے۔“

”ہم کچھ نہیں جانتے۔“ گونڈل نے کہا۔  
 ”انہیں مشین میں کس دو بھی.... یہ ایسے نہیں بولیں گے۔“  
 ”کس دیں.... پھر بھی نہیں بولیں گے۔“

مشین میں کس کے بعد جو نی بیٹن دبائے گئے.... ان کی چیخوں  
 آسمان سر پر اٹھا لیا.... انہوں نے وہ شور مچایا کہ انہیں کانوں میں  
 الایاں ٹھونسن پڑیں.... آخر وہ چلا اٹھے۔

”بند کرو.... بند کرو.... ہم بتاتے ہیں۔“  
 ”تم تو کہہ رہے تھے.... ہم کچھ نہیں بتائیں گے۔“

”بس اب کیا کریں.... لیکن ہماری ایک شرط ہو گی۔“  
 ”چلو تم شرط بھی بتا دو۔“ وہ مسکرائے۔

”آپ کو ہماری حفاظت کرنا ہو گی.... بلیک میلر ہم پر حملہ ضرور  
 کرے گا۔“

”ہم تم لوگوں کو اس وقت تک ایک محفوظ جگہ رکھیں گے جب  
 تک وہ گرفتار نہیں ہو جاتا.... کیوں ٹھیک ہے؟“ انہوں نے مسکرا کر  
 کہا۔

”بالکل ٹھیک۔“ وہ ایک ساتھ بولے۔  
 ”تب پھر بتاؤ.... تم کیا جانتے ہو باس کے بارے میں۔“



”باس وہی ہے۔۔۔ جن نے میرے ہوٹل کے کمرہ نمبر ۱۳ میں کئی بار دوسروں سے ملاقات کی۔“

”یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔ وہ باس کا کوئی ماتحت ہو۔“

”نہیں۔۔۔ باس خود تھا وہ۔“

”یہ بات تم یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو۔“

”اس طرح کہ۔۔۔“

وہ کہتے کہتے رک گیا۔۔۔ اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔۔۔ فوراً دروازے کی طرف مڑے۔۔۔ لیکن دروازہ تو اندر سے بند تھا۔

”کیا بات ہے تم خاموش کیوں ہو گئے۔“

”میں خوف محسوس کر رہا ہو۔“

”تم فکر نہ کرو۔۔۔ اور بتاؤ۔۔۔ جو بتانا چاہتے ہو۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے تسلی دی۔

”میں نے۔۔۔ دراصل میں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔۔۔ وہ سوچ

بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کا ادنیٰ ماتحت اس کا تعاقب کرنے کی جرات کر سکتا ہے۔۔۔ لیکن بات یہ ہے کہ میں اپنے جرائم کی فائل اس کے گھر سے اڑانا چاہتا تھا۔۔۔ اور گوندل اس وقت میرے ساتھ تھا۔“

”اوہ۔۔۔ تب پھر؟“ وہ جلدی سے بولے۔۔۔ مارے سپنس کے ان کا برا حال تھا۔

”جب وہ کمرہ نمبر ۱۳ سے نکل کر ہوٹل سے روانہ ہوا تو ہم نے اپنی کار میں اس کا تعاقب کیا۔۔۔ باہر اس کی ٹیوٹا کار موجود تھی۔۔۔ ہم اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس کی کوٹھی پہنچ گئے۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ لیکن تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ وہ کوٹھی اسی کی تھی۔۔۔ جس کا تم نے تعاقب کیا تھا۔۔۔ کیونکہ ہوٹل سے نکل کر تو اس طرف کوئی بھی جا سکتا تھا۔“

”میں بتا رہا ہوں۔۔۔ اس نے اپنی کار ایک کوٹھی سے کچھ فاصلے پر درختوں کے درمیان کھڑی کی تھی۔“

”کیا۔۔۔ کیا مطلب۔“

”مطلب یہ کہ وہ گھر تک اس کار پر نہیں گیا تھا۔۔۔ وہاں سے وہ بدل گیا تھا۔۔۔ کوٹھی کے دروازے پر پہنچ کر اس نے گھٹنی بجائی تھی۔۔۔ مگر جو نئی دروازہ کھلا تھا۔۔۔ ملازم نے اسے سلام کیا تھا اور اندر داخل ہونے کے لیے راستا دیا تھا۔۔۔ اگر وہ کوئی ملاقاتی ہوتا تو ملازم کچھ تو اس سے بات کرتا۔“

”کچھ ملاقاتی ایسے ہوتے ہیں۔۔۔ جن سے کچھ نہیں پوچھا جاتا۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن اس طرح بھی آپ اس کوٹھی والے سے اس شخص کے بارے میں پوچھ سکتے ہیں۔“

”اوہ۔۔۔ ہاں! یہ تو ہے۔۔۔ تم نے واقعی بہت کام کی بات بتائی۔۔۔ یہ ہے کہ یہ بات سچ بھی ہو۔“



”اب ہم جھوٹ بول کر کیا کریں گے.... جھوٹ ہمارے کس کام آئے گا۔“

”ارے تو کیا جھوٹ پہلے تمہارے کام آتا رہا ہے۔“ آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

اور وہ مسکرا دیے۔

”تب پھر تم ہمیں اس کو بھی تک لے چلو۔“

”ضرور.... کیوں نہیں.... لیکن ہو گا یہ کہ راستے میں باس ہم حملہ کرے گا.... اور ہمیں مار ڈالے گا۔“

”ایسا کرنا اس کے لیے آسان نہیں ہو گا.... تم دونوں درمیان میں کار میں بیٹھو گے۔“

”اس طرح آپ نشانہ بنیں گے۔“

”فکر نہ کرو.... ہم حفاظت کے انتظامات کر کے چلیں گے۔“

”اچھی بات ہے.... تیاری مکمل کر لیں۔“ گوندل نے کہا۔

وہ تیاری میں لگ گئے.... جلد ہی یہ قافلہ ایک نامعلوم منزل کی

طرف روانہ ہو گیا.... گوندل اور آرڈی کے رنگ سفید پڑ چکے تھے۔

وہ واقعی بہت خوف زدہ تھے.... اور ان کے اطمینان دلانے کے باوجود

خوف سے پیچھا نہیں چھڑا سکے تھے.... تاہم راستے میں کوئی ناخوشگوار

واقعہ پیش نہیں آیا.... اور وہ اس کو بھی کے سامنے پہنچ گئے۔

”تو یہ ہے وہ کوٹھی.... جس میں وہ نامعلوم آدمی داخل ہوا

تھا.... جس نے کمرہ نمبر ۱۳ میں کچھ لوگوں سے ملاقات کی تھی۔“

”جی ہاں.... بالکل.... اس میں کوئی شک نہیں۔“

”آصف آگے بڑھ کر دستک دو۔“

آصف نے آگے بڑھ کر دستک دی.... دروازہ چند سیکنڈ بعد

کھلا.... اور ایک بوڑھا ملازم نظر آیا۔

”ہمیں اس کوٹھی کے مالک سے ملنا ہے۔“

”آپ کے نام کیا ہیں جناب؟“

”آپ انہیں بتا دیں.... باہر پولیس موجود ہے۔“

”پولیس۔“ اس نے چونک کر کہا۔

”ہاں! پولیس۔“ وہ سرد آواز میں بولے۔

بوڑھا ملازم خوف زدہ ہو گیا اور فوراً اندر کی طرف مڑ گیا....

اور گوندل اور آرڈی کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔

”یہ.... یہ.... وہ ملازم نہیں.... جو اس روز آیا تھا۔“

”تو کیا ہوا.... ایک کوٹھی میں ایک سے زائد ملازم بھی ہوتے

اس۔“

”اوہ ہاں واقعی۔“

جلد ہی دروازہ پھر کھلا اور ایک لمبے قد کا آدمی باہر نکلا.... اس

نے ان سب کو حیرت زدہ نظروں سے دیکھا، پھر بولا۔

”فرمائیے.... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں.... ملازم نے بتایا



ہے۔۔۔ باہر پولیس آئیے۔۔۔ لیکن آپ میں تو کوئی بھی پولیس کی وردی میں نہیں ہے؟“

”ہم سادہ لباس میں ہیں۔۔۔ آپ چاہیں تو ہمارے کارڈ دیکھ سکتے ہیں۔“

”ہاں! میں دیکھنا پسند کروں گا۔۔۔ آج کل لوگ بہت دھوکے بازیاں کر رہے ہیں۔“ اس نے منہ بنایا۔

”آپ نے ٹھیک کہا۔“ انسپٹر کامران مرزا بولے اور اپنا کارڈ انہیں دکھایا۔۔۔ کارڈ پڑھ کر اس نے حیرت زدہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”فرمائیے۔۔۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

”بیٹھ کر بات ہو سکتی ہے۔۔۔ کیا آپ ہمیں بیٹھا نہیں سکتے؟“

”میں پریشانی محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ بیٹھنے سے پہلے آپ بتا دیں۔۔۔ بات کیا ہے۔“

”بات ذرا لمبی ہے۔۔۔ اس لیے۔۔۔ دیر لگ جائے گی۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔۔۔ انہوں نے فوراً ”گوندل اور آرڈی کی طرف دیکھا۔

”کیوں۔۔۔ کیا یہ وہی ہے؟“

”کہہ نہیں سکتے۔۔۔ ہم بتا چکے ہیں۔۔۔ ہوٹل میں جو آدمی نظر آ

تھا۔۔۔ وہ میک اپ میں ہوتا تھا۔۔۔ اب اس وقت اس کا حلیہ وہ نہیں ہے۔۔۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ اُس کوٹھی میں آیا تھا۔۔۔ اور بس۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ اگر تمہاری کہانی جھوٹی ہوئی تو میں تم لوگوں کے ساتھ بہت بری طرح پیش آؤں گا۔۔۔ اور ایک بات لکھ لو۔“ انسپٹر کامران مرزا سرد آواز میں بولے۔

”جی۔۔۔ وہ کیا؟“

”اگر کہانی جھوٹی ہے۔۔۔ تو ہمیں اس کا پتا ضرور چل جائے گا۔“

”کوئی پروا نہیں۔۔۔ اس لیے کہ ہماری کہانی جھوٹی نہیں ہے۔“

”ہوں اچھا خیر۔“

اسی وقت بائیں طرف والے کمرے کا بیرونی دروازہ کھلا اور اس آدمی نے کہا۔

”تشریف لائیے جناب۔۔۔ اور بتائیے۔۔۔ کیا بات ہے۔“

وہ کمرے میں آکر بیٹھ گئے۔۔۔ پھر انہوں نے پوچھا۔

”سب سے پہلے تو آپ اپنا نام بتائیں۔۔۔ کوٹھی کے دروازے پر ام کی تختی نہیں ہے۔۔۔ ورنہ ہم پڑھ لیتے اور آپ سے نہ پوچھتے۔“

”لیکن یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ آپ میرا نام تک نہیں جانتے اور

مٹے آئے ہیں؟“

”اس کی وجہ ہے۔۔۔ پہلے آپ اپنا نام بتائیں۔“

”میرا نام عابد جلیل ہے۔۔۔ بینکوں کی یونین کا صدر ہوں۔“



”آپ کی کار کا رنگ کیا ہے۔۔۔ اور آپ اپنی کار کہاں کھڑی کرتے ہیں؟“

”یہاں سے کچھ فاصلے پر درختوں کے درمیان۔“

”کیوں! کیا آپ کی کوٹھی میں کار کھڑی کرنے کی جگہ نہیں ہے۔“

”جگہ ہے۔۔۔ لیکن میرے دشمن بہت لوگ ہیں۔“

”اس طرح تو آپ اور غلط کام کرتے ہیں۔۔۔ کار باہر غیر محفوظ جگہ پر کھڑی کرتے ہیں۔۔۔ وہاں تو کوئی کار میں آسانی سے بم رکھ سکتا ہے۔۔۔ جب کہ کوٹھی میں کھڑی کار میں بم رکھنا آسان نہیں ہو گا۔“

”آپ اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔“ وہ مسکرایا۔

”کیا مطلب۔۔۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

”میں نے بتایا ہے کہ میں بنکوں کی یونین کا صدر ہوں اور میرے دشمن بہت ہیں۔۔۔ اس لیے میں کار درختوں کے درمیان کھڑی کرتا ہوں۔“ اس نے پھر کہا۔

”حد ہو گئی۔۔۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس طرح یہ کام مندی کا کیسے ہو گیا۔“

”میں نے کوٹھی سے نکلنے کے لیے کئی دروازے بنوا رکھے ہیں۔“ وہ مسکرایا۔

”اچھا تو پھر۔“

”کسی بھی دروازے سے نکل کر کسی بھی سمت سے نکل جاتا ہوں۔۔۔ اور درختوں کے درمیان کھڑی کار میں بیٹھ کر جہاں جانا ہوتا ہے۔۔۔ چلا جاتا ہوں۔۔۔ لیکن اگر میں کار کوٹھی میں کھڑی کروں۔۔۔ تو پھر مجھے لازماً صدر دروازے سے ہی نکلنا پڑے گا۔۔۔ اور اس طرح میں دشمنوں کی نظروں میں آ جاؤں گا۔۔۔ وہ فوراً میری کار کا تعاقب شروع کر دیں گے۔۔۔ اور مجھ پر وار کر بیٹھیں گے۔“

”لیکن درختوں کے جھنڈ میں آپ کی کار محفوظ کیسے ہے؟“

”جیسا کہ میں نے بتایا۔۔۔ میں بنکوں کی مشترکہ یونین کا صدر ہوں۔۔۔ میرے دشمن بہت ہیں۔۔۔ لہذا مجھے حفاظت کے انتظامات کرنے پڑتے ہیں۔۔۔ اس سلسلے میں یونین نے مجھے محافظ دیے ہوئے ہیں۔۔۔ درختوں کے جھنڈ میں ہر وقت ایک محافظ کار کی نگرانی کرتا ہے۔۔۔ وہ درختوں میں سے کسی ایک درخت پر چڑھ کر یہ کام کرتا ہے۔۔۔ آٹھ گھنٹے تک اس کی ڈیوٹی ہوتی ہے۔۔۔ پھر اس کی جگہ دوسرا لے لیتا ہے۔۔۔ آٹھ گھنٹے بعد تیسرا۔۔۔ چوتھا محافظ گھر میں ہوتا ہے۔“

”ہمیں تو نظر نہیں آیا گھر والا محافظ۔۔۔ اسے تو کوٹھی سے باہر دانا چاہیے تھا۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

”جی نہیں۔۔۔ میں اسے اپنے ساتھ اندر رکھتا ہوں۔“

”لیکن وہ اس وقت تو آپ کے آس پاس نظر نہیں آ رہا ہے۔۔۔“

”میں اسے تو دشمن ثابت ہو سکتے تھے؟“



”اس نے آپ پر نظریں رکھی ہوئی ہیں۔۔۔ جب آپ آئے تھے، اس وقت بھی اس نے آپ کو دیکھ لیا تھا۔۔۔ بس وہ خفیہ جگہ دلا رہتا ہے۔“

”ذرا بلائیں اسے۔“

”تم سن رہے ہو۔۔۔ شاکی۔۔۔ یہ لوگ تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔“

نہ جانے کس طرف سے ایک گن مین نکل کر ڈرائنگ روم میں آگیا۔

”چلے ٹھیک ہے۔۔۔ انہیں واپس ان کی جگہ بھیج دیں۔“

”جاؤ بھئی۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ یہ لوگ دشمن نہیں ہیں۔۔۔ ان کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔“

”یس سر۔“

”فیہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔۔۔ ہو سکتا ہے، ہم میک اپ میں ہوں۔“

”نہیں۔۔۔ آپ میک اپ میں نہیں ہیں؟“ وہ مسکرایا۔

”کیسے اندازہ لگایا؟“ انپکٹر کامران مرزا بولے۔

”بس۔۔۔ میں چہرے دیکھ کر جان لیتا ہوں۔۔۔ کہ سامنے کس کا آدمی بیٹھا ہے۔۔۔ ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ میرے ہاں کس لیے آئے ہیں اور یہ پوچھ گچھ کس لیے کر رہے ہیں۔۔۔ کیا میرا

لے کوئی خطرے والی بات ہے۔“

”کیا آپ ہوٹل آرڈی کا کمرہ نمبر ۱۳ کرائے پر لیتے رہے ہیں اور وہاں کچھ لوگوں سے پراسرار قسم کی ملاقاتیں کرتے رہے ہیں۔“

”ہاں! یہ درست ہے۔“

”کیا کہا آپ نے۔۔۔ یہ درست ہے؟“ ان کے منہ سے مارے لڑتے لڑتے نکلا۔

”کیوں۔۔۔ اس میں کیا ہے۔۔۔ کیا ایسا کر کے میں نے کوئی جرم کیا ہے۔“

”آپ مسٹر گوندل اور آرڈی کو جانتے ہیں؟“

”ہاں! بالکل جانتا ہوں۔۔۔ وہ ہوٹل مسٹر آرڈی کا ہے۔۔۔ اور مسٹر گوندل سے وہاں آتے جاتے ہوئے کئی بات آمتا سامنا ہوا ہے۔۔۔ اس حد تک ہی جانتا ہوں میں انہیں۔“

”لیکن ان کا کہنا کچھ اور ہے۔“ انپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”اور وہ کیا؟“

”یہ کہ آپ ایک بلیک میلر ہیں۔۔۔ ایک خوفناک بلیک میلر۔“

”ارے باپ رے۔۔۔ یہ کہا ہے انہوں نے۔۔۔ حیرت ہے۔۔۔ بھلا کس بنیاد پر ایسا کہا؟“ اس نے چیخ کر کہا۔

”آپ ہوٹل کے کمرہ نمبر ۱۳ میں لوگوں سے ملاقاتیں کرتے رہے ہیں۔۔۔ ان دونوں سے بھی کام لیتے رہے ہیں اور خان رحمان کے گھر بم



دھماکا کرنے کا حکم بھی آپ نے انہیں دیا تھا.... کیونکہ آپ کو خول محسوس ہوا تھا کہ کہیں وہ لوگ آپ کا سراغ نہ لگا لیں.... آپ کے خلاف کوئی ثبوت نہ حاصل کر لیں.... لہذا آپ نے انہیں راستے سے ہٹانے کے لیے بم دھماکا کرایا.... لیکن وہ اس بم دھماکے میں زندہ رہ گئے.... اس کا بھی آپ نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا.... ایک بڑا ساز کی ایبولینس پہلے سے تیار تھی.... تاکہ وہ ان کے گھر کے سامنے کر رہے.... اور زخمی ہونے والوں کو اس میں ڈال کر لے جائے.... اس طرح انہیں نامعلوم مقام پر لے جایا گیا.... وہاں ان کے دماغ کی پلٹیں صاف کی گئیں.... تب انہیں چھوڑا گیا.... کیا آپ ان تمام جرائم سے انکار کرتے ہیں؟

”تو کیا آپ چاہتے ہیں.... میں ان تمام جرائم کا اقرار کر لوں“ وہ ہنسا۔  
”ہاں! بالکل.... میں یہی چاہتا ہوں“۔

”لیکن آپ کے پاس میرے خلاف ثبوت کیا ہے.... کیا ان دونوں کا بیان.... کیا کوئی عدالت مجھے ان کے بیان پر سزا سنا دے گی.... جب کہ ان دونوں کا کردار بہت غلط ہے.... ان کے خلاف بے شمار گواہ پیش کیے جاسکتے ہیں.... کہ یہ لوگ غلط ہیں“۔

”نہیں! یہ بات نہیں ہے“۔ انپکٹر کامران مرزا نے پرسکون آواز میں کہا۔

”کیا بات نہیں ہے“۔ اس نے بھنا کر کہا۔

”یہ کہ ہم صرف ان کے بیان پر آپ کو عدالت میں گھسیٹ لے جائیں گے“۔  
”تب پھر؟“ وہ بولا۔

”ہم آپ کے خلاف بہت مضبوط ثبوت حاصل کریں گے.... اب بات اور کہ دیتا ہوں.... الیاس لنگڑے کو آپ نے خود اپنے ہاتھ سے.... میرا مطلب ہے.... منہ سے قتل کیا ہے“۔  
”کیا کہا.... منہ سے؟“

”آپ کے منہ میں بلو پائپ تھا.... بلو پائپ میں زہریلی سونیاں تھیں“۔

”حد ہو گئی.... اب آپ نے مجھے بلک میلر کے ساتھ قاتل بھی دیا ہے.... آپ تو کر دیں گے میرا بیڑا غرق“۔  
”ہم لوگ شاید مجرموں کا بیڑا غرق کرنے کے لیے ہی پیدا ہوئے“۔

”اے....“  
”مجھے کیا.... میں مجرم نہیں.... آپ ضرور میرے خلاف ثبوت حاصل کریں“۔

”تو آپ ہر طرح سے انکار کرتے ہیں؟“  
”جب میں نے کوئی جرم کیا ہی نہیں تو اقرار کس بات کا کروں؟“ اس نے برا سا منہ بنایا۔



”اچھی بات ہے۔۔۔ اب آپ پوری طرح ہوشیار رہیں۔۔۔ آپ کے خلاف بہت جلد ثبوت حاصل کرنے والے ہیں۔“

”جب میں نے کوئی جرم کیا ہی نہیں تو آپ ثبوت کیسے حاصل کر لیں گے۔“

”یہ ہم آپ کو آئندہ ملاقات میں بتائیں گے۔“

”ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ جب آپ بتائیں گے، میں سن لوں گا۔۔۔ اور جب آپ کوئی ثبوت پیش کریں گے، میں مان لوں گا۔۔۔ میں جانتا ہوں، آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔“

”بہت اچھا۔۔۔ چلو بھی چلیں۔“

وہ وہاں سے نکل آئے۔۔۔ ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا گوندل کو گھورتے ہوئے کہا۔

”تم نے اس کا تعاقب اس لیے کیا تھا کہ اپنی فائل اس سے حاصل کر سکو۔۔۔ کیا تم نے وہ فائل حاصل کر لی تھی۔“

”نہیں۔۔۔ میں نے کئی دن تک چکر لگائے۔۔۔ لیکن ہر بار ایک خوفناک قسم کے محافظ کو دیکھ کر ہمت ہار گیا۔“

”خوفناک محافظ۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ ہمیں تو یہاں کوئی خوفناک محافظ نظر نہیں آیا۔“

”اسی بات پر مجھے حیرت ہے۔۔۔ کہ وہ اس وقت یہاں کیوں نظر نہیں آیا۔۔۔ ورنہ دستک کے جواب میں تو یہی باہر آتا۔“

”تب پھر ہم ایک تجربہ کرتے ہیں۔“ فرحت نے پراسرار انداز میں کہا۔

”تجربہ۔۔۔ کیا مطلب؟“ وہ ایک ساتھ بولے۔





سنگ کہ کوٹھی نظر آتی رہے۔۔۔ پھر ایک سادہ لباس والے کا تھوڑا سا  
تبدیل کیا گیا۔۔۔ اور اسے دروازے کی طرف جانے کی ہدایت کی  
گئی۔

”لیکن سر۔۔۔ کسی کے باہر آنے پر میں کہوں گا کیا؟“

”کسی کا پتا پوچھ لینا۔۔۔ یا یوں کہ دینا۔۔۔ کیا ڈاکٹر طاہر بیگ یہیں  
رہتے ہیں۔۔۔ ظاہر ہے۔۔۔ وہ فوراً کہ دے گا نہیں۔۔۔ یہاں کوئی ڈاکٹر  
ظاہر بیگ نہیں رہتے۔۔۔ اور سب تم لوٹ آنا۔“

”جی اچھا۔۔۔ لیکن نہ جانے۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ میں آگے بڑھتے  
اے خوف محسوس کر رہا ہوں۔“

”حیرت ہے۔۔۔ تب تو تم اس ملازمت کے قابل نہیں۔“ انپکٹر  
لامران مرزا نے منہ بنایا۔

”یہ بات نہیں سر۔“ وہ مسکرایا۔

”تو پھر۔۔۔ کیا بات ہے؟“

”اکرام صاحب سے پوچھ لیں۔“

”ان سے کیا پوچھ لوں۔“

”یہ میرے بارے میں جانتے ہیں۔“ اس نے کہا۔

یہ سن کر اکرام چونک اٹھا اور اس کی طرف دیکھ کر فوراً بولا۔

”اوہ ہاں سر۔۔۔ یہ صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“

”کیا مطلب۔۔۔ یہ صاحب کیا ٹھیک کہہ رہے ہیں؟“

## برآمد کر لیں

”کیا کہنا چاہتی ہو فرحت۔۔۔ کیا تجربہ؟“ آصف نے اسے  
گھورا۔

”تو اس میں گھورنے والی کیا بات ہے؟“ فرحت نے منہ بنایا۔

”اس میں۔۔۔ نہ گھورنے کی بھی کوئی بات نہیں۔“

”او کے۔۔۔ تم شوق سے گھورتے رہو۔۔۔ تجربہ یہ ہے کہ ہم ایک

طرف ہو جاتے ہیں۔۔۔ اور کسی سادہ لباس والے کو ادھر بھیجتے ہیں۔۔۔“

جا کر گھٹی بجاتا ہے۔۔۔ دیکھتے ہیں۔۔۔ کوئی خوفناک محافظ نظر آتا ہے یا

نہیں۔۔۔“

”میرا خیال ہے۔۔۔ یہ تجربہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔۔۔ شاید یہ

لوگ ہمیں پہچانتے ہیں۔۔۔ اور انہوں نے ہمیں آتے دیکھ لیا تھا۔۔۔ اس

لئے محافظ کو دروازے پر نہیں آنے دیا گیا۔“ آصف نے خیال ظاہر

کیا۔

”اوہ ہاں۔۔۔ واقعی۔۔۔ ضرور ایسا ہی ہے۔“

”اب وہ اس کوٹھی سے دور ہوتے چلے گئے۔۔۔ تاہم رہے ایسے



”یہ بزدل نہیں ہیں۔۔۔ ڈرپوک نہیں ہیں۔۔۔ بہت بہادر ہیں۔“  
 ”تب پھر یہ اس کو ٹھہی کی طرف جاتے ہوئے خوف کیوں محسوس  
 کر رہے ہیں؟“ آصف نے حیران ہو کر کہا۔  
 ”یہ بات آپ کے لئے عجیب ہو سکتی ہے۔۔۔ لیکن میرے لئے  
 نہیں۔۔۔ اور نہ ان کے لئے۔“ اکرام نے کہا۔  
 ”ہم اب بھی نہیں سمجھ سکے سر۔“

”ان کی چھٹی حس بہت تیز ہے۔۔۔ یہ کئی باتیں وقت سے پہلے  
 آدھ گھنٹا پہلے بتا دیتے ہیں۔۔۔ اور وہ بات بعد میں درست ثابت ہو جاتی  
 ہے۔“

”اچھا۔۔۔ وہ کیسے۔۔۔ ذرا پتا بھی تو چلے۔“  
 ”وہ ایسے سروس۔۔۔ کہ ایک بار ایک مہم پر جاتے ہوئے انہوں نے  
 کہا کہ وہ خوف محسوس کر رہے ہیں۔۔۔ جب کہ باقی کوئی کسی قسم کا  
 بخوف محسوس نہیں کر رہا تھا۔۔۔ سب نے ان کا مذاق اڑایا۔۔۔ اور پھر  
 یہ ہے کہ میں بھی مذاق اڑانے والوں میں شامل ہو گیا تھا۔۔۔ لیکن  
 میں ہم واقعی مصیبت میں مبتلا ہوئے۔۔۔ اور سب نے بہت مشکل  
 اس مصیبت سے نجات حاصل کی تھی۔۔۔ اس کے بعد بھی دو تین بار  
 ایسا ہوا۔۔۔ اس کے بعد سے یہ جب بھی یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ خوف  
 محسوس کر رہے ہیں تو ہم پہلے ہی ہوشیار ہو جاتے ہیں۔۔۔ اور اس ہمارے  
 ہم کئی بار بڑے خطرات سے بچے ہیں۔“

”بھئی واہ۔۔۔ تب تو یہ بہت خوب آدمی ہیں۔۔۔ لیکن اس وقت تو  
 انہیں جانا ہی ہو گا۔“  
 ”بہت بہتر سروس۔۔۔ ذمے دار آپ ہوں گے۔“  
 ”اللہ نے چاہا تو۔“ وہ مسکرائے۔  
 ”تب پھر میں چلا۔“  
 وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔

”فرحت۔۔۔ تم صرف چھت کی طرف نظر رکھو۔۔۔ پستول بائیں  
 ہاتھ میں لے لو۔۔۔ اگر چھت سے کوئی اس پر حملہ کرنے کی کوشش  
 کرے تو اس کی کوشش کو ناکام بنا دینا۔۔۔ میں صرف دروازے پر نظر  
 رکھوں گا اور تم دائیں بائیں۔“ انہوں نے آفتاب اور اکرام سے کہا۔  
 ”بہت بہتر سر۔“ اکرام مسکرایا۔

انہوں نے نظریں جما دیں۔۔۔ آخر سادہ لباس والا دروازے پر  
 پہنچ گیا۔۔۔ اس نے گھنٹی بجائی۔۔۔ ایک سیاہ رنگ کا خوفناک آدمی باہر  
 نکلا۔۔۔ اس کے ہاتھ میں کلاشن کوف تھی۔۔۔ اب وہ اتنی دور سے بات  
 چیت تو سن نہیں سکتے تھے۔۔۔ ہاں انہوں نے بس اتنا دیکھا کہ صرف دس  
 سینکڑ بعد سیاہ فام نے سادہ لباس والے کو بازو سے پکڑ کے اندر کھینچ لیا  
 اور دروازہ بند کر دیا۔

”ارے! یہ کیا۔“ انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے نکلا۔  
 ”اس نے ہمارے آدمی کو اندر کھینچ لیا ہے۔۔۔ اور یہی وہ محافظ



ہے۔۔۔ جس کا ذکر گوندل نے کیا تھا۔۔۔ لیکن ہماری باری پر وہ دروازہ پر نہیں آیا تھا۔۔۔

”ارے باپ رے۔۔۔ تب تو جلدی کرو۔۔۔ کہیں وہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔“

انہوں نے کوٹھی کی طرف دوڑ لگا دی۔۔۔ اور نزدیک پہنچے ہی دھواں دھار انداز میں دستک دے ڈالی۔۔۔ دروازہ بھی فوراً کھلا اور پہلے والا بوڑھا ملازم باہر آیا۔۔۔ انہیں دیکھ کر چونکا۔

”اوہ۔۔۔ یہ آپ ہیں۔۔۔ اس قدر جلد دوبارہ۔“

انہوں نے اسے ایک زوردار دھکا دیا۔۔۔ کیونکہ اندرونی طور پر اسے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے انہوں نے صاف دیکھا تھا۔

”ارے ارے۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ عابد جلیل صاحب تو آپ پر کر دیں گے مقدمہ۔۔۔ رک جائیں۔۔۔ بغیر اجازت اندر داخل نہ ہوں۔“

انہوں نے جیسے سنا ہی نہیں۔۔۔ ادھر سے ادھر دوڑ بھاگ شروع کر دی۔۔۔ تاکہ جلد از جلد سادہ لباس والے کو تلاش کر لیں۔۔۔ لیکن وہ انہیں کہیں بھی نظر نہ آیا۔۔۔ ایسے میں ایک کھردری آواز سنائی دی۔

”یہ آپ لوگ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔۔۔ یہ میرا گھر ہے یا چڑیا گھر۔۔۔ آپ لوگ بغیر اجازت اندر کیسے آ گئے؟“

یہ آواز عابد جلیل کی تھی۔۔۔ انہوں نے اب بھی کوئی پروا نہ کی اور ادھر ادھر بھاگ دوڑ جاری رکھی۔۔۔ لیکن سادہ لباس والا انہیں

ارے گھر میں کہیں نظر نہ آیا۔۔۔ آخر تنگ آ کر وہ کوٹھی کے صحن میں آئے۔۔۔ وہاں ایک کرسی پر عابد جلیل حیرت کا بت بنا بیٹھا نظر آیا۔۔۔ اس دیکھ کر وہ بولا۔

”میں اب تک سمجھ نہیں سکا۔۔۔ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔۔۔ میں نے اپنے وکیل کو فون کر دیا ہے۔۔۔ اور وہ آتے ہی ہوں۔“

”یہ اور اچھا ہے۔“ انپکٹر کامران مرزا بولے۔

”اچھا ہے۔۔۔ ہمارے لیے۔۔۔ آپ کے لیے نہیں۔۔۔ آپ کو تو ارے وکیل ناکوں چنے چبوا دیں گے۔“

”تھوڑی دیر پہلے ایک شخص نے گھنٹی بجائی تھی۔۔۔ دروازہ ایک ماہ رنگ کے آدمی نے کھولا تھا۔۔۔ وہ آدمی اور سیاہ فام ملازم کہاں۔۔۔ فوراً بتا دیں۔۔۔ ورنہ پھر آپ کے لیے مشکل ہو جائے گی۔“

”میرے لیے مشکل ہو جائے گی۔۔۔ کمال ہے۔۔۔ کیوں جناب۔۔۔ نے کیا کیا ہے؟“

”حکومت کے ایک ملازم کو جس بے جا میں رکھنے کا جرم تو آپ پر لگے گا ہی۔“

”آپ شاید دن میں بھی خواب دیکھنے کے عادی ہیں۔“ عابد جلیل مسکرایا۔

”میرے ساتھ ان سب نے بھی صاف طور پر یہ منظر دیکھا



انہوں نے مسکرا کر سر ہلایا۔ اور صحن کی طرف بڑھے۔ وہاں ایس وی وکیل نظر آیا۔ انہیں دیکھتے ہی وہ چکا۔

”نواز بھانا پھر آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔“

”آخر آپ کب تک ان مجرموں کو بچائیں گے۔“

”ایک وکیل کا کام ہے۔ اپنی موکل کو بچانا۔ اس نے فوراً“

”اچھی بات ہے۔ اس بار آپ انہیں بچا کر دکھائیں۔ پھر“

”اگے گا۔“

”ہم عدالتوں میں بات کرتے ہیں۔ اپنے موکل کو بچانے کے“

”ام تر حربے وہیں کام میں لاتے ہیں۔ عدالت سے باہر نہیں۔“ وکیل

”برا سامنہ بنایا۔“

”چلئے یونہی سہی۔ پھر آپ یہاں کس لیے تشریف لائے۔“

”اوں نے طنزیہ کہا۔“

”میرے موکل نے مجھے بلایا۔ میں حاضر ہو گیا۔ تاکہ دیکھ“

”اوں۔ یہاں ان کے ساتھ آپ لوگ کیا زیادتی کر رہے ہیں۔ اور“

”اس زیادتی کو عدالت میں پیش کروں۔“

”وکیل صاحب! یہ زیادتی نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ کہ یہ لوگ“

”مے گھر میں بلا اجازت داخل ہوئے۔ اور تلاشی شروع کر دی۔ نہ“

ہے۔ اتنے لوگوں کے بیان کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔“

”یہ سب آپ کے ماتحت ہیں۔“

”میرا خیال ہے۔ ہم اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ کیس“

لوگ اسے بے چارے کو پار نہ کر دیں۔“ فرحت نے بوکھلائے ہوا“

انداز میں کہا۔

”اوہ ہاں۔ واقعی۔ اچھا اکرام۔ تم ان پر پستول تان کر“

کھڑے رہو۔ ہم ایک بار اور کوٹھی کی تلاشی لیتے ہیں۔“

”او کے سر۔“

”اگر یہ فرار ہونے کی کوشش کریں تو گولی مار دیتا۔“

”او کے سر۔“

”اور قتل کا مقدمہ اپنے سر لینا۔“ عابد جلیل نے طنزیہ انداز میں“

کہا۔

”کوئی پروا نہیں۔“

اب انہوں نے باریک بینی سے تلاشی شروع کی۔ ایسے میں“

دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ چونک اٹھے۔ پھر انہوں نے اکرام کی“

پریشان آواز سنی۔

”آفتاب! آصف اور فرحت۔ تم تلاشی جاری رکھو۔ اس“

کوٹھی میں کوئی خفیہ جگہ ضرور ہے۔“

”جی بہت اچھا۔ ہم ان شاء اللہ اس خفیہ جگہ کو جلد تلاش“



انہوں نے مجھ سے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔۔۔ نہ تلاشی کے وارنٹ دکھائے۔

”اوہ۔۔۔ تب تو اس بار مقدمہ ہم ان پر کریں گے۔۔۔ اہل صفائیاں بیان کرنے کی بجائے ہم انہیں مجرموں کے کٹرے میں کھرا کریں گے۔“ وکیل نے خوش ہو کر کہا۔

”آپ پہلے ان سے پوچھیں تو سہی۔۔۔ کیا ایسا ہوا ہے؟“ عام جلیل نے چمک کر کہا۔

”کیوں جناب۔۔۔ کیا۔۔۔ بات یہی ہے۔“

”ہاں وکیل صاحب۔۔۔ بات بالکل یہی ہے۔۔۔ لیکن ہم مجبور تھے۔۔۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ ہم پہلے ان سے ملاقات کرتے۔۔۔ یعنی پہلے ان سے گھر کے اندر داخل ہونے کی اجازت چاہتے۔۔۔ پھر تلاشی کا وارنٹ انہیں دکھاتے۔۔۔ دراصل یہ سب اچانک ہوا۔“

”اچانک ہوا۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ یعنی آپ اچانک یہاں آ گئے اور اچانک اندر گھس گئے اور اچانک آپ نے تلاشی شروع کر دی۔۔۔ بہت خوب! یہ بات تو عدالت میں ہمارے اور بھی کام آئے گی۔“

”آپ نے پوری بات نہیں سنی۔“ انہوں نے منہ بنایا۔

”چلے پھر پہلے آپ پوری بات سنا دیں۔“ اس نے فوراً کہا۔

کہ ان کے گھر میں کوئی عجیب قسم کی گڑبڑ ہے۔۔۔ اس گڑبڑ کے بارے میں میں یہاں وضاحت نہیں کروں گا۔۔۔ بعد میں دیکھیں گے ہم اس معاملے کو۔“

”نہیں۔۔۔ آپ کو ابھی بتانا ہو گا۔۔۔ آپ یہاں کیوں آئے تھے۔۔۔ اور ان سے ملاقات کیوں کی تھی؟“

”اچھی بات ہے۔۔۔ لیکن یہ بات لمبی ہے۔۔۔ دیر لگ جائے۔۔۔ اور آپ کھڑے کھڑے تھک جائیں گے۔“

”او کے۔۔۔ ہم بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔“

پھر وہ سب ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا نے ساری تفصیل سنا دی۔۔۔ کہ انہیں یہاں کیوں آنا پڑا تھا۔۔۔ آرڈی اور گوندل نے کیا کچھ بتایا تھا۔۔۔ ہوٹل کا کمرہ عابد جلیل کیوں کرائے پر رہا تھا وغیرہ۔۔۔ پھر ملاقات کے بعد انہوں نے واپس جانے اور صرف سادہ لباس والے کو بھیجنے کے بارے میں بتایا۔۔۔ اس لیے کہ وہ دیکھنا چاہتے تھے۔۔۔ آخر گوندل اور آرڈی کو وہاں خوفناک قسم کا محافظ کیوں ہمارے نظر آیا اور انہیں کیوں نظر نہ آیا۔۔۔ پھر سادہ لباس والے کے کھینچ لیے جانے کے بارے میں بتایا۔۔۔ اس کے بعد انہوں نے کہا۔

”اب آپ بتائیں۔۔۔ ان حالات میں ہم کیا کرتے۔۔۔ کیا تلاشی کا وارنٹ منگاتے۔۔۔ اندر چاہے سادہ لباس والے کو قتل کر دیا جاتا۔۔۔

ام نے دوڑ لگا دی۔۔۔ اور گھنٹی بجا دی۔۔۔ پھر جونہی دروازہ کھلا ہم



اندر گھس گئے۔“

”پھر... کہاں ہے وہ سادہ لباس والا؟“ وکیل نے حیران ہو کر

پوچھا۔

”یہی اس معاملے کا عجیب ترین پہلو ہے... ہم ابھی تک اپنے آدمی کو یہاں سے برآمد نہیں کر سکے۔“

”یہ تو تھا ان کا بیان وکیل صاحب... اب میرا بیان بھی سن لیں۔“

”ہاں ضرور... کیوں نہیں۔“

”یہ مجھ سے ملنے کے لیے ضرور آئے تھے اس کے بعد یہاں کوئی نہیں آیا... یہی دوبارہ آئے تھے بس... اگر یہاں ان کے بیان کے مطابق کسی کو بھیجا گیا ہے تو آخر وہ گھر میں ہی ہونا چاہیے تھا... لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہاں کوئی نہیں ہے... اور یہ لوگ اچھی طرح غملاشی لے چکے ہیں۔“

”اب آپ کیا کہتے ہیں؟“ وکیل نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر

کہا۔

”یہ کہ سادہ لباس والا پولیس ملازم ہم نے بھیجا تھا... ہم نے

اپنی آنکھوں سے اسے گھر میں داخل ہوتے دیکھا تھا... بلکہ اس سیاہ ملازم نے اسے بازو سے پکڑ کر اندر کھینچا تھا... اب اگر وہ اندر نہیں مل رہا تو صاف ظاہر ہے... یہاں کوئی خفیہ جگہ ہے۔“

”تب آپ کو وہ خفیہ جگہ تلاش کرنا ہوگی... ورنہ آپ کی کہانی کو جھوٹ قرار دیا جائے گا۔“

”ایسا نہیں ہو گا، وکیل صاحب۔“ انسپٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”جی کیا مطلب... کیسا نہیں ہو گا۔“

”اس کہانی کو جھوٹ پھر بھی قرار نہیں دیا جائے گا... اس لیے کہ دفتر سے روانہ ہوتے وقت رونا چمک لکھا جاتا ہے... اس میں درج ہے کہ وہاں سے کتنے آدمی اس مہم پر بھیجے گئے... لہذا ایک کم ثابت ہو جائے گا... اب سوال یہ ہے کہ ایک کہاں گیا... کیا ہم نے اسے غائب کر دیا... لیکن ایسا کرنے کی دور دور تک کوئی وجہ آپ نہیں بتا سکتے... اور یوں بھی ایک بات اور کہتا ہوں۔“ یہاں تک کہہ کر انسپٹر کامران مرزا رک گئے۔

”اور وہ کیا؟“

”یہ کہ... اگر ملازم یہاں داخل ہوا تھا... تو وہ یہاں سے برآمد ہی ہونا چاہیے۔“

”ارے تو برآمد کر لیں نا... روکا کس نے ہے۔“ عابد جلیل نے

عین اس لمحے اندرونی دروازہ کھلا... اور وہ بری طرح چونکے۔



ادھر عابد جلیل، گوندل اور آرڈی کے رنگ اڑ چکے تھے۔۔۔ وکیل پریشان نظر آ رہا تھا۔  
 ”اکرام۔۔۔ مسٹر عابد جلیل اور اس کے باقی ساتھیوں کو گرفتار کر

## آخر کیسے

”جی۔۔۔ باقی ساتھی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔“

”بھئی گوندل۔۔۔ آرڈی۔۔۔ اور سیاہ فام ملازم۔۔۔“

”او کے سب۔۔۔ تو آرڈی اور گوندل بھی اس کے ساتھی ہیں۔۔۔“

”اور نہیں تو کیا۔۔۔“

انہیں گرفتار کر لیا گیا۔۔۔ وکیل نے وہاں سے نکلنے کی کی۔۔۔ ظاہر ساہو لباس والے کے برآمد ہونے کے بعد وہ ان کے لیے کیا کر رہا تھا۔

”تو وہ بلیک میٹر عابد جلیل آپ ہیں؟“

”ہاں۔۔۔ وہ بلیک میٹر میں ہی ہوں۔۔۔“

”بہت خوب۔۔۔ بہت آسانی سے تم نے یہ بات تسلیم کر لی۔۔۔“

”ہے۔۔۔“

”اب میں اور کیا کروں گا چھپا کر۔۔۔ اس نے منہ بنایا۔

”وہ تمام فائلیں کہاں ہیں؟“

”اسی تہ خانے میں۔۔۔“

اب تہ خانے سے تمام فائلیں نکالی گئیں۔۔۔ ان فائلوں سمیت

”اب آپ کو انہیں تلاش کرنے کی ضرور نہیں۔۔۔ ہم انہیں لے آئے ہیں۔۔۔“

یہ آواز آصف کی تھی اور ان کے ساتھ وہ سادہ لباس والا بھی تھا۔۔۔ اس کے چہرے پر اب تک خوف کے آثار تھے۔۔۔ ان کے آگے وہ سیاہ فام تھا۔۔۔ اس کے ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے۔۔۔ کیونکہ کلاشن کوف اب آصف کے ہاتھ میں تھی۔

”یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ یہ کہاں سے ملا آپ لوگوں کو؟“ وکیل نے جج کر کہا۔

”بہت خوب! یہ کام دکھایا ہے تم نے۔۔۔ انسپٹر کامران مرزا لے کر کہا۔

”اس کا مطلب ہے انکل۔۔۔ ہم نے اس سے پہلے کبھی کوئی کام نہیں دکھایا۔۔۔ فرحت نے برا سامنہ بنایا۔

”نہیں خیر۔۔۔ میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔۔۔ کام تو تم لوگ دکھاتے ہی رہتے ہو۔۔۔ یہ چیز تو شاید تمہاری گھٹی میں پڑی ہے۔۔۔“



انہیں دفتر لایا گیا۔۔۔ تمام آفیسرز کو کانفرنس ہال میں جمع کیا گیا۔۔۔ صاحب بھی وہاں آ گئے۔۔۔ اخباری نمائندوں کو بھی بلا لیا گیا۔۔۔ سب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے ان فائلوں کو پڑھا۔۔۔ سب لوگوں کے حیرت کے برا حال ہو گیا۔۔۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ بلیک میلنگ کی فائلوں میں چند فائلیں ایسی تھیں جو سو سال پہلے شروع ہوئی تھیں۔۔۔ یعنی سو سال پہلے ایک بلیک میل کرنا شروع کیا گیا تھا۔۔۔ پھر اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کو شروع کیا گیا۔۔۔ اور اس کے بعد اس کے بیٹے کو۔۔۔ یعنی موجودہ دور تک آ گیا تھا۔۔۔ اب سوال یہ تھا کہ عابد جلیل کی عمر سال نہیں تھی۔۔۔ چنانچہ سب کی نظریں اس پر جم گئیں۔

”مسٹر عابد جلیل۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔۔۔ آپ کی عمر تو اتنی ہے اور آپ ان لوگوں کو سو سال پہلے سے بلیک میل کر رہے ہیں؟“ ”ہا ہا ہا۔۔۔ یہ بات نہیں۔۔۔ میرے دادا بہت بڑے بلیک تھے۔۔۔ انہوں نے اپنے زمانے میں کچھ بڑے اور خوفناک مجرموں کو راز حاصل کیے۔۔۔ ان میں چند بڑے ڈاکو بھی تھے۔۔۔ اور جب وہ معاشرے میں نیک نام بن کر زندگی گزارنے لگے تو انہوں نے ان ڈاکو ہونے کے ثبوت فائلوں کی شکل میں انہیں بھیجے شروع کر دیا۔۔۔ خود خفیہ رہ کر اس نے بلیک میلنگ کا دھندا شروع کیا۔۔۔ دراصل ایک بہت بڑے سرکاری آفیسر تھے۔۔۔ اور وکیل بھی تھے۔۔۔

انہوں نے کس کس طرح راز حاصل کیے۔۔۔ اور فائلیں بنائیں۔۔۔ پھر وہ صاحب بھی وہاں آ گئے۔۔۔ تمام زندگی ان لوگوں سے رقوم سب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے ان فائلوں کو پڑھا۔۔۔ سب لوگوں کے حیرت کے برا حال ہو گیا۔۔۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ بلیک میلنگ کی فائلوں میں چند فائلیں ایسی تھیں جو سو سال پہلے شروع ہوئی تھیں۔۔۔ یعنی سو سال پہلے ایک بلیک میل کرنا شروع کیا گیا تھا۔۔۔ پھر اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کو شروع کیا گیا۔۔۔ اور اس کے بعد اس کے بیٹے کو۔۔۔ یعنی موجودہ دور تک آ گیا تھا۔۔۔ اب سوال یہ تھا کہ عابد جلیل کی عمر سال نہیں تھی۔۔۔ چنانچہ سب کی نظریں اس پر جم گئیں۔

”مسٹر عابد جلیل۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔۔۔ آپ کی عمر تو اتنی ہے اور آپ ان لوگوں کو سو سال پہلے سے بلیک میل کر رہے ہیں؟“ ”ہا ہا ہا۔۔۔ یہ بات نہیں۔۔۔ میرے دادا بہت بڑے بلیک تھے۔۔۔ انہوں نے اپنے زمانے میں کچھ بڑے اور خوفناک مجرموں کو راز حاصل کیے۔۔۔ ان میں چند بڑے ڈاکو بھی تھے۔۔۔ اور جب وہ معاشرے میں نیک نام بن کر زندگی گزارنے لگے تو انہوں نے ان ڈاکو ہونے کے ثبوت فائلوں کی شکل میں انہیں بھیجے شروع کر دیا۔۔۔ خود خفیہ رہ کر اس نے بلیک میلنگ کا دھندا شروع کیا۔۔۔ دراصل ایک بہت بڑے سرکاری آفیسر تھے۔۔۔ اور وکیل بھی تھے۔۔۔



کے بل پر ان کی اولاد کو بلیک میل نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ ایسے لوگوں بدنامی کے خوف نے مارا اور وہ بھی رقوم دینے لگے۔۔۔ اس طرح بہت شان دار جا رہا تھا کہ آپ لوگوں نے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔۔۔ ”اور انپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کو کہاں رکھا گیا۔۔۔ کون سے زہر کے انجکشن دیے گئے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”اس ملک کے شمال میں ایک چھوٹی سی آزاد ریاست ہے۔۔۔ اس آزاد ریاست کے حکمران سے میرے ذاتی تعلقات ہیں۔۔۔ تعلقات بھی باپ دادا کے زمانے سے ہیں۔۔۔ میرے دادا نے آزاد ریاست کے اس وقت کے حکمران کی کوئی بہت خاص قسم کی خدمت کی تھی۔۔۔ یہ تعلقات اس وقت کے ہیں۔۔۔ لیکن ان لوگوں یہ معلوم تھا کہ میرے دادا ایک ڈاکو تھے۔۔۔ وہ تو دادا کو ایک اچھا انسان تھے۔۔۔ اب جب مجھے معلوم ہوا کہ انپکٹر جمشید اس سلسلے میں تفتیش رہے ہیں تو مجھے خوف محسوس ہوا کہ کہیں یہ مجھ تک نہ پہنچ جائیں۔

میرا سراغ نہ لگا لیں۔۔۔ ایک سلسلے میں ان لوگوں نے مجھ سے ملا کر بھی لی تھی۔۔۔ چنانچہ ان کو راستے سے ہٹانے کا پروگرام ترتیب دیا۔۔۔ ایسے کام میں آرڈی اور گوندل سے لیتا ہوں۔۔۔ الیاس لنگڑا ہم سے تعلق ہی کوئی نہیں تھا۔۔۔ اسے تو اس پنل کی وجہ سے ہٹا کرنا پڑا۔۔۔ ورنہ اس طرح گوندل پکڑا جاتا اور وہ میرا نام اگل دیتا۔۔۔ لہذا جو نئی گوندل نے اطلاع دی کہ آپ لوگ الیاس لنگڑا کی طرف

رہے ہیں تو میں نے سوچا۔۔۔ اس وقت اگر ہم الیاس لنگڑا کو قتل کر دیتے ہیں تو ہم صاف بچ جائیں گے۔۔۔ مرنے کے بعد الیاس لنگڑے سے آپ لوگ کیا معلوم کر سکتے تھے۔۔۔ لہذا میں آپ لوگوں سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا اور بلو پاپ کے ذریعے اپنا کام کر کے چلا آیا۔

”اور اس ریاست کے حکمران نے اتنے لوگوں کو ایک ہسپتال میں رکھنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا؟“

”نہیں۔۔۔ اسے اصل کمائی نہیں سنائی گئی تھی۔۔۔ صرف یہ بتایا گیا تھا کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں اور حکومت ان لوگوں کو گرفتار کرنا چاہتی ہے۔۔۔ لہذا انہیں حکومت سے بچانے کے لیے چند دن تک رکھا جائے گا۔“ اس نے بتایا۔

”کیوں۔۔۔ کیا اس ریاست کے حکمران نے انپکٹر جمشید وغیرہ کی تصاویر اخبارات میں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔۔۔ کہ وہ انہیں پہچان نہ سکے۔“

”اس نے انہیں آکر کب دیکھا۔۔۔ وہ تو مجھ پر اندھا اعتبار کرتا ہے۔“

”بہت خوب! ہم اس ریاست کے حکمران سے ضرور ملیں گے۔“

”کیا مطلب؟“

”اسے بتائیں گے کہ اس کی ریاست میں اس کی اجازت سے کیا کچھ ہوا ہے۔۔۔ اور اس سے پہلے نہ جانے کیا کچھ ہوتا رہا ہے۔۔۔ ہو



سکتا ہے۔۔۔ ہم اس ریاست پر حملہ کر کے اس پر خود قبضہ کر لیں۔  
انپکٹر کامران مرزا نے ناخوش گوار انداز میں کہا۔

”اس کی کیا ضرورت ہے بھلا؟“ اس نے بوکھلا کر کہا۔

”کیوں آپ کو کیا ہوا۔۔۔ آپ کیوں بوکھلائے۔“ انپکٹر کامران مرزا چونک اٹھے۔ انہیں اس کا بوکھلانا بہت عجیب لگا تھا۔

”مطلب یہ کہ اسے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ میرے دادا کیا کرتے رہے ہیں۔۔۔ لہذا اس دوستی کو آپ نہیں نہ پہنچائیں۔“

”آپ نے یہ عجیب بات کہ دی۔۔۔ آپ بھول رہے ہیں۔۔۔ اس ریاست میں ایک انتہائی غیر قانونی کام ہوا ہے۔۔۔ انپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کے دماغ ناکارہ ہوئے پڑے ہیں۔“

”انہیں جو انجکشن دیے گئے۔۔۔ ان کا نام میں بتا دیتا ہوں۔۔۔ آپ جکے ملک کے نامور ڈاکٹر ان کا اثر دور کر سکیں گے۔“

”وہ تو خیر میں ویسے بھی آپ سے معلوم کرتا۔۔۔ چلئے آپ بتا دیں۔“

اس نے انجکشن کا نام بتا دیا۔

”اس نام کا انجکشن شاید ہمارے ملک تو ملتا ہی نہیں۔“ انپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر کہا۔

”آپ کو کیا معلوم۔۔۔ کیا آپ ڈاکٹر ہیں۔“ عابد جلیل کے لیے میں بھی بلا کی حیرت در آئی۔

”میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔۔۔ لیکن دادوؤں کے بارے میں میری بھی معلومات ہیں۔“

”اوہ اچھا۔۔۔ خیر۔۔۔ یہ انجکشن افریقہ کے ایک ملک میں تیار ہوتا ہے۔۔۔ کمپنی کا نام اس پر درج ہے۔۔۔ دراصل یہ وہاں ایسے لوگوں کے لیے بنایا جاتا ہے۔۔۔ جو پاگل ہو جانا چاہتے ہوں۔۔۔ وہاں کا قانون لوگوں کو اس بات کی اجازت دیتا ہے۔۔۔ اس لیے یہ انجکشن وہاں تیار ہوتے ہیں۔“

”سر۔۔۔ آپ فوری طور پر اس ملک کی اس لیبارٹری سے رابطہ کریں۔۔۔ وہ ضرور اس انجکشن کا اثر زائل کرنے والی دوا بتا دیں گے۔۔۔ بہتر ہو گا کہ آپ ملٹری ہسپتال کے ایم ایس صاحب کی ڈیوٹی لگا دیں۔“ انپکٹر کامران مرزا نے صدر کی طرف دیکھا۔

”بالکل ٹھیک۔۔۔ انہوں نے کہا اور فون کرنے لگے۔  
اس کام سے فارغ ہونے کے بعد پھر انپکٹر کامران مرزا نے صدر سے کہا۔

”اب آپ اس ریاست کے صدر سے بات کریں۔۔۔ میں سننا چاہتا ہوں۔۔۔ وہ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔“

”اچھا۔“ انہوں نے کہا اور پھر فون پر ریاست کے حکمران سے رابطہ کیا گیا۔۔۔ اس کی آواز سنتے ہی صدر نے کہا۔

”ساشان قاری صاحب۔۔۔ ہمیں آپ سے ایک شکایت ہے۔“



ہیں۔۔۔ لیکن اس شخص کا نام عابد جلیل ہرگز نہیں ہے۔  
”تب پھر۔۔۔ کیا نام ہے اس کا؟“

”میرے نزدیک اس کا نام ارسلان حواری ہے۔“

”ارسلان حواری۔۔۔ یہ نیا نام سننے میں آیا۔۔۔ خیر۔۔۔ آپ کو پتا ہے۔۔۔ ان لوگوں کو ہسپتال میں رکھ کر ان کے ساتھ کیا کیا گیا؟“  
”کیا کیا گیا؟“ حکمران نے چونک کر کہا۔

”انہیں ایسے انجکشن لگائے گئے جن سے ان کے دماغ ناکارہ ہو گئے۔۔۔ اور وہ ہمارے ملک کے بہترین دماغ تھے۔۔۔ آپ نے ان کے نام سنے ہوں گے۔۔۔ میں بتائے دیتا ہوں۔۔۔ الیکٹرک جشید۔۔۔ پروفیسر داؤد۔۔۔ محمود فاروق، فرزانہ اور خان رحمان۔“

”اوہ نہیں۔۔۔ ان لوگوں کو رکھا گیا تھا وہاں؟“ حکمران دھک سے رہ گیا۔۔۔ اس کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز ان کے کانوں میں گونج کر رہ گئی۔

”ہاں جناب! اب آپ بتائیں۔۔۔ ہم آپ کے ساتھ کیا سلوک کریں؟“ صدر بولے۔

”کیا مطلب صاحب صدر؟“

”آپ کی ریاست میں ہمارے خاص آدمیوں پر انتہائی ظلم کیا گیا۔۔۔ ہم آپ کے ساتھ کیا سلوک کریں؟“  
”آپ۔۔۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

”وہ کیا جناب؟“ اس کی آواز سنائی دی۔۔۔ یہ بات چیت سنا کر رہے تھے۔

”عابد جلیل نامی شخص آپ کا دوست ہے۔“

”نہیں۔“ اس نے فوراً کہا۔

”کیا کہا۔۔۔ آپ نے۔۔۔ نہیں!!“

”ہاں! میں اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔۔۔ بلکہ میری ریاست میں تو لوگوں کے نام ایسے ہی نہیں۔۔۔ آپ جانتے ہیں۔۔۔ ہم لوگ مسلمان نہیں ہیں۔۔۔ بدھ مت ہیں۔“

”میں جانتا ہوں۔۔۔ یہ شخص جس کے بارے میں میں پوچھ رہا ہوں۔۔۔ آپ کی ریاست کا تو ہے ہی نہیں۔۔۔ یہ تو ہمارے ملک کا رہنے والا ہے۔“

”تب پھر میں اس نام کے کسی آدمی سے واقف نہیں ہوں۔“

”جب کہ اس کا دعویٰ ہے۔۔۔ کہ یہ آپ کا دوست ہے۔۔۔ اور اس نے ابھی چند روز پہلے اپنے کچھ دوستوں کو آپ کی ریاست کے ایک ہسپتال میں رکھوایا تھا۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ حکمران چونکا۔

”کیوں! اب کیا ہوا۔۔۔ آپ کو ہسپتال والا معاملہ یاد آ گیا؟“ انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”آپ کے بتانے پر معلوم ہوا کہ آپ کس کی بات کر رہے



”ہم آپ کی ریاست پر حملہ کیوں نہ کر دیں؟“  
 ”اوہ یہ بات ہے صاحب صدر۔“ طنزیہ انداز میں کہا گیا۔  
 ”ہاں! یہی بات ہے۔“

”تب آپ بہت بڑی بھول میں ہیں۔“ دوسری طرف سے عجیب سے لہجے میں کہا گیا۔  
 ”کیا مطلب؟“ وہ سب چونکے۔

”مطلب یہ کہ آپ ہماری ریاست کو چھوٹا سا خیال کر کے ہم پر حملہ کریں گے تو آپ کو منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔ شائے اور شارجستان کی حکومتیں مکمل طور پر ہمارا ساتھ دیں گی۔ کیونکہ مسلمانوں کے خلاف غیر مسلم فوراً ایک ہو جاتے ہیں۔ چاہے وہ یہودی ہوں۔ عیسائی ہوں۔ پارسی ہوں۔ بدھ مت ہوں۔“

”اوہ نہیں۔“ صدر کے منہ سے نکلے۔  
 ”نہیں صاحب صدر۔ ڈر گئے؟“ حکمران نے ہنس کر کہا۔  
 ”نہیں۔ ڈرا نہیں۔ حیران ہوا ہوں۔“  
 ”تب پھر ہوتے رہیے حیران۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔ وہ سب دھک سے رہ گئے۔ کتنی ہی دیر تک وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔  
 ”اب۔۔۔ اب ہم کیا کریں انپکٹر کامران مرزا؟“ صدر صاحب نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہم بلاوجہ جنگ کیوں مول لیں سر۔۔۔ لیکن ہم عابد جلیل کو دھوم دھام سے پھانسی دیں گے۔ تاکہ ریاست کے حکمران کو بھی تکلیف پہنچے۔ اس کے بعد ہم اس ریاست کے خلاف خود نکلیں گے۔“

”خود نکلیں گے۔ کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ ہم اس ریاست کے خلاف خفیہ قدم اٹھائیں گے۔ اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجائیں گے۔ بہت جلد آپ سن لیں گے کہ ہم نے کیا کیا ہے۔“

”بہت خوب۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ یہ کیس ختم۔“ صدر بولے۔

”ایک منٹ سر۔۔۔ ایک بات واضح نہیں ہو سکی۔۔۔ آخر ریاست کے حکمران عابد جلیل نام کے آدمی سے کیوں واقف نہیں۔۔۔ وہ تو کسی ارسلان حواری کا نام بتاتا ہے۔“ فرحت نے پریشان ہو کر کہا۔

”ہاں واقعی۔۔۔ یہ بات‘ مسٹر عابد جلیل۔۔۔ آپ وضاحت کریں۔۔۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟“

”میرا اصلی نام ارسلان حواری ہے۔۔۔ بچپن میں یہی نام رکھا گیا تھا۔۔۔ لیکن پھر میں نے اپنا نام عابد جلیل رکھ لیا۔“

”اوہ اچھا خیر۔۔۔ آپ کو جیل جانا مبارک ہو۔“ آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔



”یہ رونا کیسا؟“

”یہ دولت“ یہ جائیداد.... اور مل چھوڑنے کا کیا مجھے صدمہ نہیں  
اونا چاہیے۔“ اس نے جل کر کہا۔

”لیکن آپ یہ کیوں نہیں سوچتے.... یہ دولت آپ کی تھی ہی  
نہیں.... آپ نے تو دوسروں کی دولت پر قبضہ کیا تھا۔“

”میں نے قبضہ کیا تھا۔“

”ہاں! ہم جانتے ہیں.... یہ کام آپ کے دادا نے کیا تھا.... لیکن  
دولت تو آپ کے قبضے میں ہے۔“

اور پھر وہ چپ ہو گیا.... اس کے پاس اب کہنے کو رہ ہی گیا  
نہیں.... ان کے لیے مناسب انتظام کی ہدایات دی گئیں.... ان کی کوٹھی،  
جائیداد، نقدی اور مل پر حکومت کو قبضہ کرنے کی ہدایات جاری کر دی  
گئیں۔

اس سے زیادہ وہ ان کے لیے اور کیا کر سکتے تھے.... اسی طرح  
ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا.... فائلوں کی رو سے جن کے پاس اپنی دولت  
نہیں تھی.... بلکہ لوٹی ہوئی دولت پر عیش کر رہے تھے۔

اب وہ گھر آئے.... ملٹری ہسپتال کے ایم ایس صاحب اس وقت  
ملک افریقی ملک سے رابطہ کر چکے تھے.... اور وہاں سے وہ دوا بذریعہ  
علاز روانہ کر دی گئی تھی.... اسی روز دوا پہنچ گئی.... ملٹری ہسپتال کے  
اکثر خود وہاں آ گئے.... تاکہ اس دوا کے انجکشن انہیں لگا سکیں۔

سب لوگ مسکرانے لگے.... اور یہ میٹنگ ختم ہو گئی.... وہ وہاں  
سے سیدھے عامر جمالی کی کوٹھی پہنچے.... عامر جمالی نے انہیں حیرت زدہ  
انداز میں دیکھا۔

”اتنے بہت سے لوگوں کو دیکھ کر میں پریشان ہو گیا ہوں؟“

”ابھی آپ اور پریشان ہوں گے۔“

”کیا مطلب؟“ وہ چونکا۔

”بلیک میلر پکڑا گیا ہے.... اور آپ کی یہ فائل دوسری فائلوں  
کے ساتھ اب ہمارے پاس ہے۔“

”نہیں.... نہیں....“ وہ پوری قوت سے چلا اٹھا۔

”اس دولت کو چھوڑتے ہوئے آپ کو افسوس تو ہو گا.... لیکن  
یہ دولت آپ کی نہیں.... یہ لوگوں سے لوٹی ہوئی دولت ہے.... لیکن  
ہم آپ کو محنت مزدوری.... یا کوئی چھوٹا موٹا کاروبار ضرور کرا کر دیں  
گے.... آپ کو اب محنت کرنا ہوگی.... محنت کر کے روزی کمانا ہوگی۔“

”نہیں.... نہیں....“ وہ خوف زدہ انداز میں چلا اٹھا۔

”کیوں.... کیا ہوا؟“

”مم.... مجھے تو کوئی کام نہیں آتا۔“

”خیر.... آپ کی مل میں ہی آپ کو ملازم رکھ لیا جائے گا.... یہ  
کام تو آپ کر سکیں گے۔“

”اوہ.... ہاں.... ہاں....“ اس نے کہا اور رونے لگا۔



اس سے پہلے کہ وہ انجکشن انہیں دیے جاتے۔۔۔ انپکٹر جھپٹ بول اٹھے۔

”مجھے یہ انجکشن نہ لگائیے۔“

”نک۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ اپنے ہوش و حواس میں ہیں؟“ انپکٹر کا مران مرزا بہت زور سے اچھلے۔ دوسرے بھی شدید حیرت زدہ رہ گئے۔

”ہاں! میں اس انجکشن سے بچ گیا تھا۔۔۔ لیکن مکمل طور پر نہیں۔۔۔ شروع میں دو تین انجکشن تو وہ دے چکے تھے۔۔۔ جب کہ بے ہوش تھا۔“

”آخر کیسے؟“

وہ ایک ساتھ بولے۔۔۔ مارے حیرت کے ان سب کا برا حال تھا۔۔۔



## انوکھا خیال

”پہلی مرتبہ جب ہمیں اس ہسپتال میں ہوش آیا تھا اور ہمیں صورت حال کا پتا چلا تھا تو میں پریشان ہو گیا، کیونکہ ہم ہاتھ پیر ہلانے کے قابل نہیں تھے، پر اس ہسپتال کی دیواریں دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ہم اپنے ملک میں نہیں ہیں۔۔۔ یہ اور زیادہ پریشانی کی بات تھی۔۔۔ اب اس مشکل سے نکلنے کا کوئی حل نہیں سوچ رہا تھا۔۔۔ باقی سب ساتھی بھی بالکل بے بس تھے۔۔۔ پھر اچانک اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے مجھے ایک خیال سوچ گیا۔۔۔ یہ کہ انجکشن لگانے والے پر میں اپنی پٹانزم کی قوت کو آزما سکتا ہوں۔۔۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے یہ ہدایات فیر محسوس طو پر دے سکتا تھا کہ وہ انجکشن میرے بازو میں نہیں۔۔۔ میرے کپڑوں میں لگا دے اور خود اسے بھی اس بات کا پتا نہ چلے، نہ بعد میں احساس ہو۔۔۔ اور یہ خیال کام آ گیا۔۔۔ میں نے ایسا ہی کیا۔۔۔ پٹانچہ اس کے بعد سوڈانی نے جتنے انجکشن بھی لگائے۔۔۔ میرے کپڑوں میں ہی لگائے۔“

”اف مالک۔۔۔ کمال ہو گیا۔“ پروفیسر داؤد چلائے۔



”لیکن اباجان.... پھر آپ وہاں حرکت میں کیوں نہ آئے۔  
آپ ہمیں بھی تو بچا سکتے تھے۔“ فرزانہ بول اٹھی۔

”میں نے یہ کوشش بھی کی تھی.... اور بعد والے انجکشن  
لوگوں کو بھی کپڑوں میں لگے.... لیکن چونکہ سب کے بازو پہلے ہی  
تھے.... اس لیے کسی کو پتا نہ چل سکا کہ انجکشن لگے ہیں یا نہیں۔“  
”اوہ.... اوہ۔“ وہ ایک ساتھ بولے۔

”اور اسی لیے آج ہم اس قابل ہیں کہ سوچ اور سمجھ  
ہیں.... چل پھر سکتے ہیں.... ورنہ ہم کسی قابل نہیں رہ گئے تھے۔“

”یہ باتیں سن کر حیرت ہو رہی ہے۔“ خان رحمان بولے۔  
”پھر یہاں آتے ہی آپ نے یہ بات باقی لوگوں کو کیوں نہیں  
دی.... ہمیں بھی کیوں نہیں بتائی۔“ فرحت نے منہ بنایا۔

”میں چاہتا تھا.... دشمن ہمارے بارے میں خوش فہمی میں  
رہے۔ انسپکٹر کامران مرزا آپ ہمیں ساری تفصیل، تفصیل سے  
سنائیں۔“

”جی کیا فرمایا.... تفصیل، تفصیل سے سنائیں.... ایسا جملہ شاید  
پہلی بار سننے میں آیا ہے۔“ فاروق بوکھلا اٹھا۔

”چلو شکر کرو.... سننے میں آ تو گیا۔“ محمود نے اسے گھورا۔  
”یا اللہ تیرا شکر ہے۔“

”بھائی! اب بات بھی سننے دو گے یا نہیں۔“ آفتاب جھلا اٹھا۔

”حد ہو گئی.... کیا میں نے انکل کی زبان پکڑ رکھی ہے۔“ فاروق  
کی طرف الٹ پڑا۔

”تم لوگوں کا لڑنے کا پروگرام تو نہیں ہے؟“ خان رحمان نے  
پوچھا۔

”لیکن انکل اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟“  
”اوہ ہاں.... واقعی اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں تھی....

اس میں بلاوجہ گھبرا گیا.... سمجھاؤں گا میں اسے۔“ خان رحمان نے  
ہرائے ہوئے انداز میں کہا۔

وہ سب مسکرا دیے، پھر فرحت نے چونک کر پوچھا۔  
”آپ نے کیا کہا انکل.... سمجھا دوں گا اسے.... کس کی بات کر  
ہے ہیں؟“

”گھبراہٹ کی.... بلاوجہ مجھ پر سوار ہو جاتی ہے۔“  
”حد ہو گئی.... اب آپ بھی ہمارے انداز میں باتیں کرنے  
لے۔“

”کیا کیا جائے.... مجبوری ہے۔“ خان رحمان نے منہ بنایا۔  
”جی کیا فرمایا.... اس میں مجبوری کہاں سے ٹپک پڑی۔“

”مجبوری کی بھی ایک ہی کمی.... بھئی اس کا کیا ہے.... یہ تو کسی  
کی وقت.... کہیں سے بھی ٹپک پڑتی ہے۔“

”میں سمجھ گیا۔“ انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔



لے نہیں گئے تھے۔ اور کہاں یہ چوہوں کی طرح پکڑا گیا۔

”تب پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔۔۔ وہ ہم پر حملہ کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ آصف کے لمبے میں حیرت تھی۔

”یہ بات نہیں۔۔۔ انہوں نے انکار میں سر ہلایا۔

”تب پھر انکل؟“

”اس کہانی میں کہیں نہ کہیں۔۔۔ کوئی گڑبڑ ہے۔۔۔ کوئی کی۔۔۔ انہوں نے سرسراہٹ آواز میں کہا۔

”بہت خوب! واہ۔۔۔ مزا آگیا۔ انپکٹر کامران مرزا چمکے۔

”حد ہو گئی۔۔۔ آپ کو مزا بھی آگیا۔۔۔ ذرا ہم بھی تو سنیں۔۔۔ میں مزا کہاں سے آگیا۔“

”میں کافی دیر پہلے ہی رائے قائم کر چکا تھا۔ وہ مسکرائے۔

”لیکن آپ نے ہمیں تو بتایا نہیں اپنی اس رائے کے بارے

”دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔ تم میں سے کوئی یہ رائے قائم کرتا ہے یا

۔۔۔ سو تم قائم نہ کر سکے۔“ وہ بولے۔

”دھت تیرے کی۔۔۔ گویا میدان پھر آپ دونوں کے ہاتھ رہا۔“

انے اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

”اس میں ہمارا کیا قصور؟“ انپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”چلے خیر۔۔۔ اب یہ بھی بتا دیں۔۔۔ اس کہانی میں کون سی گڑبڑ

”چلے خدا کا شکر ہے۔۔۔ آپ سمجھ تو گئے۔۔۔ لیکن آپ نے

نہیں سمجھ کیا گئے؟“ فاروق خوش ہو کر بولا۔

”اوہو۔۔۔ سمجھا کرو بھائی۔۔۔ انکل یہ سمجھ گئے ہیں کہ۔۔۔

انکل۔۔۔ آپ کیا سمجھ گئے ہیں؟“ آفتاب گڑبڑا کر بولا۔

”توبہ ہے تم لوگوں سے۔“ انپکٹر کامران مرزا جھلا اٹھے۔

”پتا نہیں بات کیا ہو رہی تھی۔“ انپکٹر جمشید بے چارگی

عالم میں بولے۔

”وہ آپ کو ہم یاد کرا دیتے ہیں۔۔۔ آپ نے انکل کامران

صاحب سے کہا تھا۔۔۔ اب آپ تفصیل، تفصیل سے سنائیں۔“

”اوہ ہاں۔۔۔ واقعی۔۔۔ اسی جملے سے تو ہم باتوں میں الجھے تھے۔“

”بس پھر اب کوئی نہ بولے۔۔۔ ہاں انپکٹر کامران مرزا شروع

جائیں۔“

انہوں نے ساری کہانی سنا دی۔۔۔ سب نہایت غور سے

رہے ان کے خاموش ہونے پر انپکٹر جمشید نے کہا۔

”حیرت ہے۔۔۔ کمال ہے۔۔۔ افسوس ہے۔“

”یہ اکٹھی تین تین باتیں آپ کو یک دم کیسے ہو گئیں

فاروق بوکھلا اٹھا۔

”بھئی دیکھو نا۔۔۔ اس قدر چالاک مجرم اس قدر آسانی سے

گیا۔۔۔ کہاں تو اس کے باپ دادا تک مجرم چلے آ رہے تھے۔۔۔ اور



ہے۔“ محمود نے پوچھا۔

”گڑبڑ تو ہمیں تلاش کرنا پڑے گی۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”کیا... کیا فرمایا... گڑبڑ کی تلاش... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

”حد ہو گئی۔“ فرحت جھلا اٹھی۔

”ہاں! ہمیں گڑبڑ تلاش کرنا پڑے گی... کہ وہ کیا ہے اور کہاں ہے۔“

ہے... کیونکہ اس ساری کہانی میں، تفصیل سے سنی گئی کہانی میں، مزاحیہ مزا کیوں نہیں آیا... جب کہ ہر کہانی کے آخر میں ہمیں بہت مزا ملتی ہے۔“

”بالکل ٹھیک... یہی میرا خیال ہے۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”آپ دونوں کا تو بالکل یہی خیال ہے... لیکن سوال یہ ہے کہ

ہمارا کیا بنے گا۔“ فرحت نے گھبرا کر کہا اور وہ مسکرا دیے۔

ایسے میں فون کی گھنٹی بجی... انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً ریلیف

اٹھا لیا... دوسری طرف کی آواز سن کر وہ چونک اٹھے۔

”اوہو... یہ آپ ہیں سردار تیمور خان... حد ہو گئی... ہم تو

آپ کے بارے میں بھول ہی گئے... جی ہاں بالکل... ہم اب اس کیس

سے بالکل فارغ ہو چکے ہیں... مجرم کو گرفتار کر لیا گیا ہے... اب آپ

کو دوسرے ملک بھیجنے کے انتظامات شروع کرتے ہیں... آج کل میں

سارا کام ہو جائے گا... آپ فکر نہ کریں... شکریہ۔“

یہ کہہ کر انہوں نے ریسپور رکھ دیا۔

”سردار تیمور خان کو ہم واقعی بھول گئے تھے... ہم نے ان سے

وعدہ کیا تھا کہ انہیں ملک سے باہر بھیج دیں گے... اور پھر کیس میں الجھ

کر رہ گئے... وہ صدر صاحب کے دوست رہے ہیں... آئی جی صاحب

ان کا کام جلد مکمل کرا سکتے ہیں۔“

یہ کہہ کر انہوں نے شیخ ثار احمد کے نمبر ملائے... اور پھر سلسلہ

ملنے پر ان کے بارے میں بتایا۔

”ٹھیک ہے... بہت جلد ان کے کاغذات مکمل ہو جائیں گے۔“

انہوں نے فون سن کر ریسپور رکھ دیا۔

”اور ان لوگوں کو ٹھہرایا کہاں گیا ہے؟“

”صدر کے مہمان خان میں۔“

”ویسے مجھے ان لوگوں پر بہت ترس آ رہا ہے... عامر جمالی“

سردار تیمور خان وغیرہ... ان بے چاروں کا بھلا کیا قصور... کیا تو ان

کے باپ دادا نے اور بدنامی آئی ان کے حصے میں۔“

”ہاں واقعی... لیکن یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے... یہ بے

چارے اب کریں گے کیا... دوسرے ملک میں بیٹھے بٹھائے تو انہیں

روزگار نہیں مل جائے گا۔“

”ان کا کہنا ہے... وہاں ان کے عزیز رہتے ہیں... وہ ان کے

لے کچھ نہ کچھ کر دیں گے۔“



”اور عامر جمالی.... انہوں نے تو اس قسم کی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی۔“

”اوہ ہاں.... یہ عجیب بات ہے.... ایک منٹ.... ہم کیوں نہ ان سے فون پر بات کر لیں.... ابھی تو وہ اس کوٹھی میں ہی ہوں گے.... البتہ وہاں سے روانہ ہونے کی فکر کر رہے ہوں گے۔“

اب انہوں نے عامر جمالی کو فون کیا.... اس کی آواز سن کر وہ بولے۔

”مسٹر عامر جمالی.... کیا حال ہے.... اب آپ لوگوں کا کہاں جانے کا پروگرام ہے؟“

”جہاں سینگ سائیں گے.... چلا جاؤں گا۔“

”سینگ سمانے کی بھی ایک ہی کمی.... کیا آپ ملک سے باہر جا رہے ہیں۔“

”نہیں خیر.... میں ایسا تو نہیں کروں گا۔“

”کیا مطلب؟“ انہوں نے چونک کر پوچھا۔

”میں یہیں رہوں گا.... اپنے ملک میں۔“

”لیکن یہ لوگ آپ کو کیا جینے دیں گے.... طعنے دے دے کر مار ڈالیں گے۔“

میں شہر تبدیل کر لوں گا.... دوسرے شہر کے لوگوں کو تو معلوم نہیں ہو گا کہ میں کون ہوں.... دوسرے یہ کہ میں حلقے میں تبدیلی کر

لوں گا۔“

”اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا.... لیکن آپ دوسرے شہر میں جا کر کیا کریں گے؟“

”کسی مل میں ملازمت.... مل مالک بننے کے بعد بہت سے کاموں کا تجربہ ہو گیا ہے.... میرے اس تجربے کو دیکھ کر کوئی مل مالک ملازمت دے ہی دے گا۔“

”بہت خوب.... آپ ٹھیک کہتے ہیں.... ویسے ہم بھی آپ کی مدد کر سکتے ہیں.... بلکہ آپ اسی شہر میں رہ لیں.... حلیہ بھی تبدیل کر دیں گے اور آپ کی ملازمت کے لیے بھی کوشش کر دیں گے۔“

”تک.... کیا واقعی؟“ اس نے خوش ہو کر کہا۔

”ہاں بالکل.... اس طرح آپ کے بچے بھی آسانی سے سکولوں میں پڑھ سکیں گے۔“

”ان کا سکول بھی تبدیل تو کرانا پڑے گا.... ورنہ بچے انہیں طعنے دیں گے۔“

”ہاں! اور ہم بچوں کے حلقے بھی تبدیل کر دیں گے۔“

”تب یہ آپ کا احمان ہو گا۔“

”نہیں کوئی بات نہیں۔“

اور پھر انہوں نے فون بند کر دیا۔

عامر جمالی ملک نہیں چھوڑنا چاہتا.... اور سردار تیمور ملک میں



نہیں رہنا چاہتا۔۔۔ بہر حال ہم ان کی خواہش کے مطابق ان کی مدد کریں گے۔

”بالکل ٹھیک۔“

”لیکن وہ تو رہ ہی گئی۔۔۔ آخر اس پورے کیس میں اب وہ کون سی گڑبڑ رہ گئی۔۔۔ جس کی وجہ سے ہمیں ختم کرنے میں مزا نہیں آیا۔“  
آصف بولا۔

”دست تیرے کی۔۔۔ پھر یاد دلا دی بات۔۔۔ تمہارا کیا حرج تھا؟“  
یہ بات یاد نہ دلاتے۔۔۔ فاروق جھلا اٹھا۔

اور وہ سب مسکرا دیے۔۔۔ پھر انپکٹر جمشید نے کہا۔  
”ہمیں کیس کا نئے سرے سے جائزہ لینا ہو گا۔۔۔ سب لوگ اپنے اپنے ذہن میں اس پورے کیس کا جائزہ لیں۔۔۔ غور کریں۔۔۔ کہیں نہ کہیں۔۔۔ کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرورت ہے۔۔۔ جس پر ہم توجہ نہیں دے سکے۔“

”تو یا آپ ہمیں سوچ میں ڈوبنے کی دعوت دے رہے ہیں۔“  
محمود مسکرایا۔

”ہاں اور کیا؟“

”واہ۔۔۔ دعوت بھی دی انکل تو نے کس چیز کی؟“ آصف نے ہنس کر کہا۔

”بھی ان حالات میں میں اور کس چیز کی دعوت دے سکتا

ہوں۔“

”چلئے خیر۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم اسی سے گزار کر لیں گے۔“  
پھر وہ سب سوچ میں ڈوب گئے۔ گویا سوچ کے سمندر میں اتر گئے۔۔۔ ان کے جسموں میں حرکت تک بند ہو گئی۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے وہاں کوئی زندہ شخص موجود نہ ہو۔  
آخر فرحت نے سر اُپر اٹھایا اور بولی۔

”میرے ذہن میں کوئی ایسی بات نہیں آ رہی، لیکن ایک ترکیب ضرور سر ابھار رہی ہے۔۔۔ اور اس ترکیب کی وجہ ہے ایک انوکھا خیال۔“

”کیا کہا۔۔۔ انوکھا خیال۔“ آصف کے منہ سے نکلا۔۔۔ ساتھ ہی اس نے فرحت کو گھورا بھی۔

”ہاں! لیکن تم نے مجھے گھورا کیوں؟“  
”اس لیے کہ یہ انوکھے خیالات اور انوکھی ترکیبیں آخر تمہارے اور فرزانہ کے ہی دماغوں میں کیوں آتے ہیں۔“

”تم رفعت کو بھول گئے۔۔۔ اس کا دماغ بھی ہم سے پیچھے نہیں ہے۔“

”اوہ اچھا خیر۔۔۔ ہاں تو کیا بات ہو رہی تھی؟“ آفتاب نے جلدی سے کہا۔

وہ سب قدرے بے چین ہو گئے تھے۔



”ہم فرض کر لیتے ہیں۔۔۔ اصل مجرم عابد جلیل نہیں ہے۔“

”کیا!!!“ وہ ایک ساتھ چلائے۔

”بہت خوب۔“ انپکٹر جشید اور انپکٹر کامران مرزا کے منہ سے

نکلا۔

”جی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ یہ بہت خوب یہاں کہاں سے ٹپک پڑا؟“

آصف نے بوکھلا کر کہا۔

”ہم بھی دراصل اسی رخ پر سوچ رہے تھے۔“

”حد ہو گئی۔۔۔ آپ پھر ہمیں بھی بتا دیتے۔۔۔ ہم بھی اسی رخ پر

سوچ لیتے۔“ فاروق نے منہ بنایا اور وہ مسکرانے لگے۔ ایسے میں

فرحت کی آواز ابھری۔

”ہاں تو ہم فرض کر لیتے ہیں۔۔۔ اصل مجرم عابد جلیل نہیں

ہے۔۔۔ بلکہ کوئی اور ہے۔۔۔ اور اس نے عابد جلیل کو بطور مجرم آگے

رکھا تھا۔۔۔ تاکہ گرفتار ہو تو صرف وہ۔۔۔ اور اصل مجرم تک بات نہ

پہنچے۔“

”ہوں اچھا۔۔۔ پھر اس کے بعد؟“ انپکٹر جشید نے کھوئے کھوئے

انداز میں کہا۔

”پھر اس کے بعد یہ کہ ہم یہ راز اس سے اگلا سکتے ہیں۔“

”لیکن صرف شک کی بنا پر ہم اسے مشین میں نہیں کس

سکتے۔۔۔ ہم لوگ کسی کو مشین میں صرف اسی وقت کتے ہیں۔۔۔ جب

اس کے مجرم ہونے کا سو فیصد یقین ہوتا ہے۔“

”تب پھر؟“ آصف بولا۔

”پہلے ہم یقین کریں گے کہ وہ اصل مجرم نہیں ہے۔۔۔ بلکہ کوئی

اور ہے۔“

”لیکن کیسے؟“

”بس تم دیکھتے جاؤ۔۔۔ آؤ چلیں۔“ انپکٹر جشید نے اٹھتے ہوئے

کہا۔

”خدا کا شکر ہے۔۔۔ آپ بھی اٹھنے کے قابل تو ہوئے۔۔۔ ورنہ

ہم تو خیال کر بیٹھے تھے کہ اس کیس میں تو آپ شاید ہی ہم لوگوں کا

ساتھ دے سکیں گے۔“ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

”دشمن کا پروگرام یہی تھا۔۔۔ لیکن ہوتا وہ ہے، جو اللہ کو منظور

ہوتا ہے۔“ انپکٹر جشید مسکرائے۔

پھر وہ سب اپنے دفتر کی حوالات میں پہنچے۔۔۔ عابد جلیل کو ٹھڑی

کے فرش پر لیٹا ہوا تھا اس کی کھلی آنکھوں سے ظاہر تھا، کسی گہری سوچ

میں گم ہے۔۔۔ ان کے قدموں کی آواز سن کر وہ جلدی سے سلاخوں کی

طرف مڑا۔۔۔ اور انہیں دیکھ کر حیران سا ہوا۔

”آپ کو ہمیں یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی؟“

”ہاں۔۔۔ ہوئی تو۔“ وہ مدھم آواز میں بولا۔۔۔ شاید حلق سے

آواز نہیں نکل رہی تھی۔



”تو کیا آپ کو کسی اور کا انتظار تھا۔“ انپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔

”مجھے... انتظار... کسی اور کا... نہیں تو۔“ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”اگر آپ کو کسی کا انتظار تھا تو بتا دیں۔“

”نہیں... کسی کا انتظار نہیں تھا... کون آئے گا یہاں، مجھ سے ملنے۔“ اس نے سرد آہ بھری۔

”آپ آخر اسے کیوں پچارہے ہیں؟“ انپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

”لگ... کیسے؟“ اس نے چونک کر کہا۔

”اصل مجرم کو۔“ وہ فوراً بولے۔

”کیا مطلب؟“

”آپ اصل مجرم نہیں ہیں... اصل مجرم کوئی اور ہے؟“

”آپ... آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟“ اس نے کھوئے

کھوئے انداز میں کہا۔

”آپ کا کیا خیال تھا... ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہو سکے گی۔“

”نہیں... نہیں... میں ہی اصل مجرم ہوں۔“ وہ چلا اٹھا۔

”تو اس میں چلانے کی کیا بات ہے۔“ وہ ہنسے۔

”کیا مطلب؟“

”اگر ہم کسی اور کو اصل مجرم ثابت کر دیں تو آپ کا کیا بگڑ جائے گا۔“

”نہیں... نہیں۔“

وہ چلا اٹھا... پھر تڑ سے گرا اور بے ہوش ہو گیا... وہ دھک سے رہ گئے۔





ال کی حرکت محسوس کی.... پھر فاروق کی آواز ابھری۔  
 ”یہ تو کچھ زیادہ ہی اصلی بے ہوشی لگتی ہے۔“  
 ”تب پھر ڈاکٹر کو بلا لیتے ہیں۔“

”وہ بھی اسے ہوش میں نہیں لا سکے گا۔“ وہ مسکرایا۔  
 ”کیا مطلب؟“ اب وہ سب اچھلے۔

”یہ مرچکا ہے۔“

”کیا.... نہیں.... اوہ۔“ مختلف آوازیں ابھریں.... پھر وہ سب  
 اندر داخل ہو گئے.... اسے ہلا جلا کر دیکھا گیا.... اس کے منہ سے نیلے  
 رنگ کا پانی نکلتا نظر آیا۔

”اس نے زہر کھایا ہے.... یہ اسی لیے گرا تھا.... بے ہوش  
 نے کی اداکار کی تھی اس نے.... ادھر یہ گرا، ادھر اس نے زہر کھا  
 ا۔“

”لیکن یہ اندر زہر لے جانے میں کس طرح کامیاب ہوا؟“

”بلاؤ بھی اکرام.... حوالات کے انچارج کو بلاؤ۔“

جلد ہی انچارج وہاں نظر آیا.... اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

”اسے کوٹھڑی میں داخل کرنے سے پہلے اس کی اچھی طرح

اشی لی گئی تھی؟“

”جی بالکل لی گئی تھی.... اور اچھی طرح لی گئی تھی۔“ انچارج

نے فوراً جواب دیا۔

## اصلی بے ہوشی

”ارے بھائی.... اس میں بھلا بے ہوش ہونے کی کیا بات  
 ہے.... اچھے بچوں کی طرح ہوش میں آجائیں.... ورنہ پھر ہمیں آپ کو  
 ہوش میں لانا پڑے گا.... ویسے میرا خیال ہے.... آپ جان بوجھ کر بے  
 ہوش بن گئے ہیں.... اس طرح بات نہیں بنے گی.... ہم لوگ فعلی ہے  
 ہوشی اور اصلی بے ہوش میں فرق کرنا جانتے ہیں۔“ فاروق نے طنز  
 انداز میں جلدی جلدی کہا.... دوسرے اس کے جملے سن کر مسکراتے  
 رہے.... لیکن عابد جلیل نہ اٹھا۔

”اوہو.... کہیں یہ اصلی بے ہوشی تو نہیں ہے۔“

”کھلاؤ بھی اکرام۔“ انسپکٹر جمشید نے برا سامنہ بنایا۔

”حوالات کا دروازہ کھلوا دیا گیا.... فاروق اندر داخل ہونے لگا

انسپکٹر جمشید بولے۔

”بھی ذرا احتیاط سے.... یہ کوئی چال نہ چل رہا ہو۔“

”آپ فکر نہ کریں.... اکرام نے کہا اور بھی فاروق کے ساتھ

اندر داخل ہو گیا.... پھر دونوں اس پر جھک گئے.... اس کی نبض مثلاً



”تب پھر اس کے بعد زہر کس طرح رہ گیا۔“

”غالباً“ یہ اسے وہ ملاقاتی دے گیا۔ انچارج بڑبڑایا۔

”کیا مطلب؟“ وہ چونکے۔

”ایک آدمی اس سے ملنے آیا تھا۔۔۔ اس نے خود کو اس کا دوست ظاہر کیا تھا۔۔۔ میں نے ملاقات کی اجازت دے دی۔۔۔ کیونکہ آپ کی طرف سے ہدایت نہیں ملی تھی کہ اس سے کسی کو ملنے نہ دیا جائے۔“

”ہاں! یہ تو ہے۔۔۔ خیر کوئی بات نہیں۔۔۔ جو ملنے آیا، اس کا نام کیا تھا؟“

”میں نے رجسٹر میں سب کچھ لکھا ہوا ہے۔“

”چلے پھر۔۔۔ پہلے رجسٹر میں دیکھ لیتے ہیں۔۔۔ اکرام تم اپنی معمول کی کارروائی شروع کرا دو۔۔۔ یہ بھی دیکھنا کہ زہر کس چیز میں تھا۔“

”جی بہت بہتر سر۔“ اس نے فوراً کہا۔

وہ انچارج کے دفتر میں آئے۔۔۔ رجسٹر کو دیکھا گیا۔۔۔ اس میں کسی انور عاقل کا نام لکھا تھا۔۔۔ پتا اور شناختی کارڈ کے نمبر بھی درج تھے، انہوں نے اس پتے کو نوٹ کیا اور فوراً وہاں سے روانہ ہوئے۔۔۔ اس پتے پر پہنچے۔۔۔ یہ ایک چھوٹا سا گھر تھا۔۔۔ دستک کے جواب میں ایک نوجوان آدمی باہر نکلا۔۔۔ اور ان لوگوں کو حیرت زدہ انداز میں دیکھ کر بولا۔

”فرمائیے جناب۔۔۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

”آپ انور عاقل ہیں؟“

”جی۔۔۔ انور عاقل۔۔۔ نہیں تو۔۔۔ میرا نام تو سرفراز خان ہے۔“

اس نے کہا۔

”کیا آپ انور عاقل نام کے کسی آدمی کو جانتے ہیں؟“

”جی بالکل نہیں۔“

”کیا آپ یہاں کرائے دار ہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے، ہو سکتا ہے، اگلے یہاں کوئی انور عاقل نام کا آدمی تو نہیں رہتا تھا۔“

”میں کرائے دار ہوں۔۔۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ مجھ سے اگلے یہاں کون رہتا تھا۔۔۔ یہ بات تو مالک مکان بتا سکے گا۔“

”بہت اچھا۔۔۔ مالک مکان کا پتا بتا دیں۔“

”اس گلی کا آخری مکان انہی کا ہے۔“

”شکریہ۔“ وہ بولے اور آگے بڑھے۔

اب آخری مکان کے دروازے پر دستک دی گئی۔۔۔ ایک ادھیڑ لڑکا آدمی نکلا۔

”اس گلی کے سرے پر آپ کا مکان ہے۔۔۔ جو آپ نے کرائے دے رکھا ہے؟“

”جی ہاں۔۔۔ پھر؟“

”اس وقت وہاں جو شخص کرائے دار ہے۔۔۔ اس کا نام سرفراز



بلنگ کی بنیاد اس کے دادا نے رکھی تھی۔۔۔ لہذا کیا کوئی ڈاکٹر اس کا  
دار نہیں ہو سکتا۔۔۔ اب جس ڈاکٹر کو بلیک میل کر رہا ہو گا۔۔۔ اس  
سے زہر لے لینا کیا مشکل ہے۔۔۔

”لیکن زہر دے دینا۔۔۔ ڈاکٹر کے لیے آسان کام نہیں تھا۔“  
پکٹر کا مران مرزا مسکرائے۔

”جی۔۔۔ کیا مطلب؟“

”زہر کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔“

”لیکن انکل۔۔۔ اس کے لیے ایک ذرہ برابر زہر کی ضرورت  
کی۔۔۔ اس نے وزن میں کیا فرق پڑا ہو گا۔“

”زہر کوئی عام ترازو سے نہیں تولتا جاتا۔۔۔ جس طرح سوان یا  
برے جواہرات تولنے کے لیے بہت حساس ترازو بنائے گئے ہیں۔۔۔  
اس طرح اس قسم کے زہروں کے تولنے کے لیے۔۔۔ ان سے بھی کہیں  
بڑا حساس ترازو بنائے گئے ہیں۔۔۔ اگر ایک ذرہ زہر کا بھی لیا  
جائے۔۔۔ تب بھی۔۔۔ ترازو بتائے گا۔۔۔ کہ کچھ زہر اس میں سے لیا گیا  
ہے۔“

یہ کہہ کر وہ فون کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”اکرام! وہ پڑیا میری طرف بھیج دو اور معلوم کرو۔۔۔ شہر میں  
اشیم سائنٹائیڈ کس کس ڈاکٹر کے پاس ہے۔۔۔ گورنمنٹ ہسپتال کے  
ایس اور ملٹری ہسپتال کے ایم ایس سے پوچھ لیں۔۔۔ پھر مجھے اطلاع

خان ہے؟“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔۔۔ بات کیا ہے؟“

”کیا اس سے پہلے وہاں انور عاقل نام کا کوئی رہتا رہا ہے؟“

”جی نہیں۔۔۔ اس نام کا تو کوئی آدمی کرائے دار نہیں رہا۔“ اس

نے کہا۔

”بہت خوب! آپ کا شکریہ۔“

”لیکن آپ نے بتایا نہیں کہ بات کیا ہے۔۔۔ میں ابھی محسوس

کرتا رہوں گا۔“

اس کی بات ٹھیک تھی۔۔۔ لہذا اسے مختصر طور پر بات بتا کر وہ

وہاں سے چلے آئے۔۔۔ گھر پہنچ کر اکرام کو فون کیا۔

”ہاں بھئی۔۔۔ کیا رہا؟“

”سری۔۔۔ زہر ایک پڑیا میں تھا۔۔۔ ننھی سی ایک پڑیا میں۔۔۔ اور

غالباً وہ ملاقاتی ہی اس کے لیے وہ زہر کی پڑیا لایا تھا۔“

”زہر کون سا تھا۔“

”پوٹاشیم سائنٹائیڈ۔“

”حیرت ہے۔۔۔ اس ملاقاتی کے پاس زہر کہاں سے آگیا؟“ ان

کے منہ سے نکلا۔

”اگر وہ اصل مجرم ہے۔۔۔ تب اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔۔۔ وہ

کوئی بلیک میلر نہیں۔۔۔ اس کے تو باپ دادا بلیک میلر تھے۔۔۔ اور بلیک



دیں۔“

”یس سر۔۔۔ پڑیا میں محمد حسین آزاد کے ہاتھ بھیج رہا ہوں۔“  
”ٹھیک ہے۔“

پندرہ منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔۔۔ اکرام نے انہیں بتایا۔  
”سر۔۔۔ شہر میں صرف تین ڈاکٹروں کے پاس یہ زہر ہے۔“

”واہ پھر تو کام آسان ہو گیا۔۔۔ ان کے نام وغیرہ۔“

”تینوں کے نام ہیں۔۔۔ ڈاکٹر پرویز رشید، ڈاکٹر خاور جاہ اور ڈاکٹر سوریا۔“

”ڈاکٹر سوریا۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ کیا یہ ڈاکٹر ہندو ہے؟“

”جی ہاں۔۔۔ ہندو ہے۔“ اکرام نے کہا۔

”بہت خوب! تینوں کے پتے؟“

اکرام نے پتے لکھوا دیے۔۔۔ وہ پرویز رشید کے گھر پہنچے۔  
معلوم ہوا۔۔۔ شام کے وقت وہ اپنے کلینک میں ہی بیٹھتا ہے۔۔۔ دن  
وقت ہسپتال میں۔۔۔ یوں بھی انہیں کام ہسپتال میں تھے۔۔۔ زہر  
ہسپتال میں ہی رکھا جاتا ہے۔۔۔ وہ ہسپتال پہنچے۔۔۔ جلد ہی پروفیسر  
ان کے سامنے بیٹھا تھا۔۔۔ ان کے کارڈ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں  
تحاشا خوف دوڑ گیا۔

”میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

”عابد جلیل۔“ انپکٹر کامران مراز کے منہ سے نکلا۔

”عابد جلیل۔۔۔ میں سمجھا نہیں۔“

”اپنا رجسٹر دکھا دیں۔“

”کون سا رجسٹر؟“ اس کے لمبے میں حیرت تھی۔

”زہروں والا رجسٹر۔“

”مسئلہ کیا ہے جناب۔۔۔ آپ مجھے کیوں پریشان کر رہے ہیں۔۔۔

میرا کسی جرم سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔“

”یہی تو دیکھنا ہے۔“ انپکٹر جمشید مسکرائے

”یہی تو دیکھنا ہے۔۔۔ کیا دیکھنا ہے؟“ اس نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ کہ آپ کا کسی جرم سے کوئی تعلق ہے یا نہیں؟“

”پتا نہیں۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”آپ اپنا زہروں والا رجسٹر دکھائیں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ گویا آپ بات نہیں بتائیں گے پہلے۔“

”ہمارا خیال ہے کہ آپ نے کسی کو زہر دیا ہے۔“

”جی۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ میں نے کسی کو زہر دیا ہے۔۔۔ کیا بات کرتے

ہیں جناب۔۔۔ بھلا میں کسی کو کیوں زہر دینے لگا۔۔۔ ڈاکٹر کا کام زہر دینا

نہیں ہوتا۔“

”آپ رجسٹر دکھائیں نا۔“ انپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

وہ اٹھا۔۔۔ اور رجسٹر لے آیا۔۔۔ چہرے پر شدید الجھن تھی۔۔۔



انہوں نے پونٹاشیم سائنٹمیڈ والا صفحہ نکالا۔۔۔ اس میں زہر کا وزن دیکھا۔۔۔ ایک ماہ کے اندر جو زہر نکالا گیا تھا۔۔۔ اس کی تفصیل دیکھی۔۔۔ پھر بولے۔

”اب ذرا ہمیں اس کمرے میں لے چلے۔۔۔ جس میں اس زہر کی شیشی موجود ہے اور ترازو بھی۔“

”آخر بات کیا ہے؟“

”بات ہم ابھی آپ کو نہیں بتائیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ ویسے آپ میری الجھن میں اضافہ کرتے رہے ہیں۔“

”خود ہماری الجھنوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔“ وہ مسکرائے۔

ڈاکٹر نے برا سامنے بتایا۔۔۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ پھر انہیں ادویات والے کمرے میں لایا۔۔۔ ترازو اور زہر کی شیشی اس نے ان کے سامنے رکھ دی۔۔۔ انہوں نے رجسٹر کے مطابق اس کا وزن کیا۔۔۔ بالکل پورا تھا۔۔۔ اس میں کوئی کمی نہیں تھی۔۔۔ بلکہ چن ذرات زہر کے برابر وزن زیادہ ہی موجود تھا۔

”شکریہ ڈاکٹر صاحب۔۔۔ ہمیں یہی چیک کرنا تھا۔“

”لیکن بات تو بتاتے جائیں۔“

”بات ہم ذرا دیر بعد بتائیں گے۔۔۔ شاید آپ کو فون پر بتا

دیں۔“

”جیسے آپ کی مرضی۔۔۔ اب مجھے پریشان تو نہیں ہونا چاہیے نا۔“

”نہیں۔۔۔ آپ کے لیے پریشانی والی کوئی بات نہیں۔“ انہوں نے فوراً کہا۔

پھر وہ دوسرے ڈاکٹر خاور جاہ کے پاس پہنچے۔۔۔ اس سے بھی اس سلسلے میں بات کی۔۔۔ وہ بھی پریشان ہو گیا۔۔۔ پھر اس کے پاس موجود زہر کو تولایا۔۔۔ اس کا زہر بالکل پورا نکالا۔۔۔ چند ذرات بھی کم یا زیادہ نہیں تھا۔۔۔ اس کا شکریہ ادا کر کے وہ تیسرے ڈاکٹر سویا کے پاس آئے۔۔۔ یہ ہندو تھا۔۔۔ اس نے انہیں گھور کر دیکھا۔

”آپ لوگوں کا نام بہت سنا ہے۔۔۔ دیکھ آج پہلی بار رہا ہوں۔“ وہ مسکرا دیے۔۔۔ پھر اسے بتایا کہ وہ کیوں آئے ہیں۔۔۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

”آپ یہ کس لیے چیک کرنا چاہتے ہیں؟“

”ابھی ہم یہ بات نہیں بتا سکتے۔“

”بہت خوب۔۔۔ آپ کی مرضی۔“

اب اس نے بھی زہر کو چیک کرایا۔۔۔ اس کا زہر بھی بالکل پورا تھا۔۔۔ نہ کم نہ زیادہ۔۔۔ وہ وہاں سے لوٹے تو چپ چپ تھے۔

”کیا نتیجہ نکلا بھی؟“ انپکٹر جشید تھکے تھکے انداز میں بولے۔



## مذاق کی بات

چچ کے بعد انہوں نے ریسور کرنے کی آواز سنی۔ ریسور شاید فرش سے ٹکرایا تھا۔ اور پھر انہوں نے ڈاکٹر پرویز رشید کی خوف میں ڈوبی آواز سنی۔

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔ خبردار۔۔۔ رک جائیے۔“

جواب میں کسی نے کچھ نہ کہا۔ البتہ ڈاکٹر پرویز کی دل دوز اور لرزا دینے والی چیخ سنائی دی۔ انہوں نے اپنے روٹنے کھڑے ہوتے محسوس کیے۔

”مار ڈال۔۔۔ اس نے ڈاکٹر کو بھی مار ڈال۔۔۔ اف مالک۔“

اور پھر وہ آندھی اور طوفان کی طرح گاڑی چلاتے پرویز رشید کے کلینک پہنچے۔ وہاں پہلے ہی بے شمار لوگ جمع تھے۔ غالباً اس کے قتل کی خبر آس پاس کے لوگوں کو ہو گئی تھی۔

”یہ برا ہوا۔۔۔ لوگوں نے سراغ مٹا دیے۔“ انسپکٹر جمشید نے

افسوس زدہ انداز میں کہا۔

”ڈھاک کے وہی تین پات۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔  
لیکن اباجان۔۔۔ ایک فرق ہے۔“ فرزانہ کی آواز ابھری۔  
”اور وہ کیا؟“

”دو ڈاکٹروں کا وزن بالکل پورا پورا ہے۔۔۔ جب کہ پرویز رشید کا وزن چند ذرات زیادہ ہے۔۔۔ یعنی جتنا زہر اس کی شیشی میں ہونا چاہیے تھا۔۔۔ اس سے چند ذرات زیادہ کیوں ہے۔۔۔ جب کہ اس ترازو میں ذرات تک کی کمی بیشی ظاہر ہو جاتی ہے۔“

”ہاں واقعی۔۔۔ یہ بات ہم پرویز رشید سے پوچھتے ہیں۔“  
یہ کہہ کر انہوں نے اس کے نمبر ملائے۔ اس کی آواز سن کر وہ بولے۔

”انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں جناب۔“

”فرمائیے۔۔۔ اب کیا رہ گیا ہے؟“

”باقی دو ڈاکٹروں۔۔۔ یعنی ڈاکٹر خاور جاہ اور ڈاکٹر سوریا کے زہر کی شیشیاں بھی ہم نے چیک کیں۔۔۔“

عین اس لمحے انہوں نے ایک چیخ سنی۔ ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔



”آئیے دیکھ لیتے ہیں۔“

آخر وہ ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کی لاش فرش پر پڑی تھی۔ خون بہہ کر فرش پر دور تک پھیل گیا تھا۔ اس کے دل کے مقام پر خنجر گھونپا گیا تھا۔ خنجر بھی فرش پر پڑا تھا۔ وہ مکمل طور پر خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ فون کا ریسیور اسی طرح فرش پر پڑا تھا اور خون اس تک بھی پہنچ چکا تھا۔

”اندر کوئی داخل تو نہیں ہوا۔ کسی چیز کو چھیڑا تو نہیں گیا۔ سب سے پہلے کس نے لاش کو دیکھا؟“ انہوں نے جلدی جلدی پوچھا۔

”جی۔۔۔ میں نے۔۔۔ میں ان کا اسٹنٹ ہوں۔۔۔ میں دوسرے کمرے میں مریضوں کو دیکھ رہا تھا کہ میں نے ان کی چیخ کی آواز سنی۔۔۔ میں گھبرا کر باہر نکلا۔۔۔ اور ان کے کمرے میں داخل ہوا تو یہ بری طرح تڑپ رہے تھے۔۔۔ میں نے فوراً پولیس کو فون کیا۔“

”آپ نے ان کے کمرے سے نکلتے کسی کو نہیں دیکھا؟“

”جی نہیں۔۔۔ شاید قاتل خنجر مارنے کے فوراً بعد کمرے سے نکل گیا تھا۔۔۔ باہر برآمدے میں اور مریض بیٹھے تھے۔۔۔ انہوں نے اسے ضرور جاتے دیکھا ہے۔“

”بہت خوب! وہ مریض کہاں ہیں؟“

”اس طرف بیٹھے ہیں۔۔۔ میں نے انہیں روک لیا تھا۔۔۔ اگرچہ وہ چلے جانے کی ضد کر رہے تھے۔۔۔ ان کا خیال ہے۔۔۔ پولیس انہیں

پریشان کرے گی۔“

”نہیں پریشان کرنے کی۔۔۔ فکر نہ کریں۔“ وہ بولے۔

تین آدمیوں کو ان کے پاس لایا گیا۔

”یہ تینوں اس وقت برآمدے میں موجود تھے۔۔۔ جہاں مریضوں کو انتظار کرنے کے لیے بیٹھنا پڑتا ہے۔“ اسٹنٹ نے بتایا۔

”اوہ اچھا۔۔۔ پہلی بات تو یہ کہ آپ لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔ چند باتیں پوچھنے کے بعد آپ کو جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔۔۔ اور آپ کو عدالت میں پیشی کے لیے بھی نہیں بلایا جائے گا۔“

یہ الفاظ سن کر انہیں کچھ حوصلہ ہوا۔۔۔ پریشانی کے بادل چھٹتے محسوس ہوئے۔

”اب بتائیں۔۔۔ آپ نے قاتل کو باہر نکلتے دیکھا ہے؟“

”لیکن جناب! ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ قاتل ہی تھا۔۔۔ ہم نے بہر حال سفید لباس والے ایک شخص کو باہر نکلتے ضرور دیکھا تھا۔۔۔ اس نے دائیں ہاتھ پر رومال لپیٹ رکھا تھا۔۔۔ وہ رکے بغیر کلینک سے نکل گیا۔“

”اس کے نکلتے سے آپ پہلے آپ نے چیخ کی آواز نہیں سنی تھی۔“

”ڈاکٹر کا کمرہ یہاں سے دور ہے۔۔۔ اور پھر دروازہ بند تھا۔۔۔ اس



پھر آصف نے دوبارہ چیخ ماری.... انہوں نے نائب کے کمرے میں چیخ کی آواز صاف سنی.... دوڑ کر باہر نکلے تو آصف برآمدہ پار کر چکا تھا.... گویا نائب کا بیان درست تھا.... قاتل اتنی دیر سے کلینک سے باہر جا سکتا تھا اور ظاہر ہے.... باہر اس کی کار بالکل تیار کھڑی ہو گئی.... ہو سکتا ہے.... کار میں اس کا ڈرائیور یا ساتھی پہلے سے موجود رہا ہو اور کار کا انجن بھی شارٹ رہا ہو.... اس صورت میں تو وہ واقعی کامیابی سے فرار ہو سکتا تھا۔

اب وہ پھر ان لوگوں کے پاس آئے.... جو واردات کے وقت برآمدے میں بیٹھے تھے۔

”تو آپ لوگوں نے ایک شخص کو دوڑ کر باہر جاتے دیکھا تھا؟“  
 ”جی ہاں.... وہ دوڑ کر ہماری طرف آیا اور باہر نکل گیا.... بس ہم چیخ کی آواز نہیں سن سکے.... جو نہی وہ باہر نکلا.... اسٹنٹ صاحب اپنے کمرے سے نکل کر ڈاکٹر کے کمرے کی طرف دوڑتے نظر آئے.... اس وقت ہم نے محسوس کیا کہ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے.... پھر فوراً“  
 اسٹنٹ ڈاکٹر والے کمرے سے نکل کر ہماری طرف آئے اور چلا کر بولے۔

”کوئی ڈاکٹر صاحب کو قتل کر گیا.... آپ لوگوں نے اسے باہر جاتے دیکھا ہے.... وہ کس طرف گیا ہے۔“

”یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئے.... ہم بھی ان کے پیچھے باہر نکلے....“

”یہ ہم چیخ نہیں سن سکے۔“ ایک نے بتایا۔  
 ”اور آپ نے چیخ کیسے سن لی؟“ انپکٹر جمشید نائب کی طرف مڑے۔

”میرا کمرہ ڈاکٹر کے کمرے کے بالکل ساتھ ہے.... مجھے چیخ سنائی دی تھی۔“

”اچھا خیر.... یہ ہم تجربہ کر کے دیکھ لیتے ہیں۔“  
 ”جی.... تجربہ کر کے کیا مطلب؟“ اس نے حیران ہو کر کہا۔  
 ”ہاں.... آصف تم لاش والے کمرے میں چلے جائے.... ہم برآمدے میں چلے جاتے ہیں.... تم پوری قوت سے چیخنا ذرا۔“  
 ”اچھی بات ہے۔“ اس نے فوراً کہا۔

اب وہ لاش والے کمرے کی طرف چلا اور باقی لوگ برآمدے کی طرف.... پھر انہوں نے بہت مدہم سی چیخ کی آواز سنی۔

”اس کا مطلب ہے.... ان صاحب کا بیان درست ہے.... انہوں نے واقعی چیخ کی آواز نہیں سنی تھی.... اب ذرا ہم نائب کے کمرے میں چلتے ہیں.... آصف ایک مرتبہ پھر پچھتے گا۔“

”اب ایسا کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔“ نائب نے حیران ہو کر کہا۔

”ہم دیکھیں گے.... آپ کو چیخ سنائی دی تھی یا نہیں۔“  
 ”اوکے۔“ اس نے کہا۔



لیکن ہم نے یہ تو دیکھا ہی نہیں تھا کہ وہ کس طرف گیا ہے۔۔۔ لہذا ہم انہیں کچھ نہ بتا سکے۔۔۔ باہر ہر طرف مکمل طور پر سکون تھا۔۔۔ کسی نے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کی تھی۔۔۔

”ہوں۔۔۔ اچھا خیر۔۔۔ مطلب یہ کہ وہ واردات کے فوراً بعد یہاں سے نکل گیا۔۔۔ اس کا قد وغیرہ تو بتا ہی سکتے ہیں آپ؟“

”ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ اس نے چہرہ اور کوٹ کے کاروں میں چھپا رکھا تھا۔۔۔ وہ لمبے قد کا صحت مند آدمی تھا۔۔۔ بس ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں دیکھ سکے۔“

”اور کوٹ کس رنگ کا تھا؟“

”گہرے نیلے رنگ کا۔“

”جس وقت وہ باہر نکلا۔۔۔ کیا وقت ہوا تھا؟“

”قریباً“ سوا چھ بجے تھے۔ ایک نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے

کہا۔

”آپ کا کیا خیال ہے۔۔۔ سوا چھ بجے ہی تھے؟“ انہوں نے

اسسٹنٹ سے پوچھا۔

”جی ہاں! بالکل۔“

”بہت خوب۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ قاتل قریباً“ چھ بج کر دس

بارہ منٹ پر اندر آیا تھا۔۔۔ اور سیدھا ڈاکٹر صاحب کے کمرے کی طرف

چلا گیا تھا۔“

”جی نہیں۔۔۔ وہ جب آیا تو ایک مریض اندر ڈاکٹر صاحب کے پاس موجود تھا۔۔۔ اس نے اندر آتے ہی پوچھا تھا۔۔۔ کیا ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں کوئی مریض موجود ہے۔۔۔ ہم نے بتایا کہ ہاں۔۔۔ ابھی ہم نے یہ کہا ہی تھا کہ ہاں۔۔۔ کہ وہ مریض آتا نظر آیا۔۔۔ لہذا میں نے کہہ دیا کہ وہ تو باہر آ رہا ہے۔۔۔ اس پر نظر ڈالتے ہی وہ اندر کی طرف کیڑھا تو میں پکار اٹھا۔۔۔ لیکن جناب باری تو میری ہے۔۔۔ آپ اپنی باری پر اندر جائیں۔۔۔ یہ سن کر وہ فوراً مڑا اور بولا کہ اسے ڈاکٹر کو صرف ایک چیز دینا ہے۔۔۔ خود کو دکھانا نہیں ہے۔۔۔ صرف ایک منٹ بعد میں واپس آ جاؤں گا۔۔۔ چنانچہ میں خاموش ہو گیا۔۔۔ وہ اندر چلا گیا۔۔۔ اور صرف ایک ڈیڑھ منٹ بعد وہ دوڑ کر باہر آ گیا۔۔۔ اس وقت ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ دوڑ کیوں رہا ہے۔۔۔ ہم نے یہی خیال کیا کہ وہ بہت جلدی میں ہے۔۔۔ ادھر وہ باہر نکلا۔۔۔ ادھر اسسٹنٹ صاحب اپنے کمرے سے نکلے۔۔۔ اور اس کے بعد کی باتیں تو آپ کو یاد ہی ہیں۔“

”اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ وہ چند باتیں آپ سے کر چکا ہے۔۔۔ پھر تو آپ اسے پہچان سکتے ہیں۔۔۔ اگر وہ میک آپ میں نہیں ملے۔۔۔ اور اگر میک آپ میں تھا۔۔۔ تب بھی آپ لوگوں نے اس کی آواز تو سنی ہی ہے۔۔۔ آپ اس کی آواز کو پہچان لیں گے۔“

”خیال تو یہی ہے۔“ ایک نے کہا۔

”اچھی بات ہے۔۔۔ آپ لوگ اپنے نام، پتے اور فون نمبر لکھوا



دین.... آپ کی ضرورت پیش آئی تو ہم آپ کو فون کر لیں گے۔“  
 ”جی اچھا۔“ وہ بولے۔

انہوں نے اپنے نام پتے لکھوا دیے.... اکرام کے ماتحت اپنا کام شروع کر چکے تھے.... ایسے میں اکرام ان کی طرف آیا۔  
 ”سرم.... خنجر مکمل طور پر خون آلود ہو چکا ہے.... لہذا انگلیوں کے نشانات کا معاملہ تو ہو گیا ختم۔“

”کوئی بات نہیں.... اس خنجر سے پلا چلانے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔  
 ”ارے ہاں! اکرام....“  
 زہر کی پڑیا کہاں ہے؟“

”میرے پاس۔“ اکرام نے کہا اور جیب سے ایک پڑیا نکال کر ان کی طرف کر دی.... انہوں نے پڑیا کو کھولا.... اس میں ایک چھوٹا سا کانغہ موجود تھا.... جو کسی بڑے کانغہ سے پھاڑا گیا تھا۔

وہ چند منٹ تک اس کانغہ کو دیکھتے رہے.... پھر بے خیالی میں اس کو جیب میں رکھ لیا۔

”اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اصل مجرم عابد جلیل نہیں کوئی اور ہے.... البتہ عابد جلیل اصل مجرم کے لیے کام کر رہا تھا.... اور اس نے اسی کو اصل مجرم کے طور پر آگے کر رکھا تھا۔“ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

”ہاں! محمود! یہی بات ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا کر

”آپ مسکرائے کیوں؟“

”مجرم کی چالاکی پر.... اس بار کا مجرم واقعی بہت چالاک ہے.... نے پہلی چالاکی یہ کی کہ فائلیں جرائم پیشہ لوگوں کو فروخت کرتا.... یعنی خود لوگوں سے سے جا کر بلیک میلنگ کی رقوم اس نے وصول کرنے کی کوشش نہیں کی.... اور فائلیں فروخت کرنے کا کام بھی اس عابد جلیل سے لیا.... اپنا رابطہ صرف اور صرف عابد جلیل سے لیا.... اور بس.... تاکہ کسی وقت پکڑا جائے تو عابد جلیل اور اس کے بارے میں کسی کا خیال تک نہ آئے.... کوئی اس کے بارے میں سوچ نہ سکے.... یہ اس کی چالاکی نہیں تو اور کیا ہے.... لیکن ایک بار وہ بھی بھول گیا۔“

”اور وہ کیا انکل؟“ آصف نے فوراً کہا۔

”یہی کہ آخر کار مجرم سے کوئی نہ کوئی غلطی ضرور سرزد ہوتی ہے.... مجرم کو اس کے جرائم کی سزا مل کر رہتی ہے.... ہزاروں میں سے کوئی ایک ایسا ہوتا ہو گا.... جو پکڑا نہ جاتا ہو گا.... لیکن پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا.... اپنے پیدا کرنے والے سے آخر وہ اپنے جرائم کیسے چھپا سکتا ہے۔“

”تو کیا.... ہمارا اس بار کا مجرم بھی بچ جائے گا.... ہم اس تک پہنچ سکیں گے۔“



”کون سی بات اچھی ہے؟“ محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔  
 ”یہ کہ اباجان تصور میں مجرم کو ہنستا دیکھ رہے ہیں۔۔۔ اب تو  
 اس پتا چل گیا ہو گا کہ مجرم کون ہے؟“

”دھت تیرے کی۔۔۔ ارے بھائی۔۔۔ انہیں مجرم کے نقوش نظر  
 آ رہے۔“ محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

”تم بھی کمال کرتے ہو۔۔۔ یہ بات اباجان کو بتانے کی کیا  
 رت تھی۔۔۔ اب تو واقعی انہیں اس کے نقوش نظر نہیں آ رہے  
 گے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”گویا میں یہ ذکر نہ کرتا تو اباجان کو مجرم کے نقوش نظر آ  
 تے۔“

”ہاں! اس بات کا زبردست امکان تھا۔“  
 ”بس رہنے دو۔۔۔ ادھر ادھر کی نہ ہانکو۔“  
 ”ارے ہاں۔۔۔ میری ایک تجویز ہے انکل۔“ آصف کی آواز

”جی۔“  
 ”چلو پھر تم بھی اپنی تجویز پیش کر دو۔“

”یہاں موجود دونوں پارٹیاں مجرم کو پکڑنے میں بری طرح ناکام  
 چکی ہیں۔۔۔ لہذا کیوں نہ اب شوکی برادرز کی خدمات حاصل کی  
 جائیں۔“

سب آصف کی بات سن کر ہنس پڑے۔۔۔ لیکن انسپکٹر جمشید نے

”ہم اس وقت یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔۔۔ کوشش کرنا ہمارا  
 کام ہے۔۔۔ اور کامیابی عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔“

ایسے میں فون کی گھنٹی بجی۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھا لیا  
 دوسری طرف آئی جی صاحب تھے۔

”بھئی کیا رہا؟“  
 ”ہم ایک بار پھر اندھیرے میں ہیں سر۔۔۔ اس قدر چالاک مجرم  
 سے بہت کم ہمیں واسطہ پڑا ہو گا۔“

”خیر کوئی بات نہیں۔۔۔ آخر کو وہ تمہارے قابو میں آ ہی جائے گا۔۔۔  
 اس وقت میں نے فون اس لیے کہا ہے۔۔۔ کہ سردار تیمور کے

کانڈات تیار ہیں۔۔۔ آج سام کی فلائٹ کے ٹکٹ بھی او کے ہو چکے  
 ہیں۔۔۔ لہذا میں یہ سب انہیں بھیج رہا ہوں۔“

”چھلے ٹھیک ہے۔۔۔ بھیج دیں۔۔۔ وہ اب یہاں نہیں رہنا چاہتے  
 ہم کیا کر سکتے ہیں؟“

”اچھی بات ہے۔“  
 یہ کہہ کر آئی جی صاحب نے فون بند کر دیا۔

”ہمیں ذہن پر زور دینا ہو گا۔۔۔ سوچنا ہو گا۔۔۔ آخر مجرم کون  
 ہے۔۔۔ وہ ہم پر ہنس رہا ہو گا۔۔۔ میں تصور میں اسے خود پر ہنستے دیکھ رہا ہوں۔“

انسپکٹر جمشید نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔  
 ”واہ۔۔۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔“ فاروق چونکا۔



پر جوش انداز میں کہا۔

”بہت خوب! واہ۔۔۔ خوب تجویز ہے۔۔۔ ہم انہیں ضرور بلوائیں گے۔“

”جج۔۔۔ جی۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔۔۔ مم۔۔۔ میں تو یہ بات مذاق میں کہی تھی۔“

”بعض اوقات مذاق میں کہی گئی بات بھی کام کی بات ثابت جاتی ہے۔۔۔ فون کریں بھی کامران مرزا، شوکی برادرز کو۔“

”اوہ ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔“

انہوں نے مسکرا کر کہا اور پھر شوکی برادرز کے نمبر ڈائل کیے۔ جلد ہی شوکی کی آواز ابھری۔

”یہ شوکی برادرز کا دفتر ہے۔۔۔ ہم لوگ جو کیس بھی ہاتھ میں لیتے ہیں۔۔۔ اس کی نصف فیس ایڈوانس وصول کرتے ہیں۔۔۔ اس کے بغیر کوئی بات ممکن نہیں۔۔۔ یہ خیال رہے۔۔۔ ہمارا وقت بہت قیمتی ہے۔۔۔ آپ بھی اپنا وقت ضائع نہ کریں۔“

”اچھی بات ہے۔“ انپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”ارے۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ یہ تو اپنے کنگل آمران مرزا ہیں۔“ شوکی چلا اٹھا۔

انگل بنانا شروع کر دیے۔“ رفعت کی شکایت بھری آواز فون میں سنائی دی۔۔۔ انپکٹر کامران مرزا مسکرائے لگے۔

”توبہ ہے تم سے۔“ شوکی نے جھلا کر کہا۔۔۔ پھر فون میں بولا۔

”مم۔۔۔ معافی چاہتا ہوں انگل۔۔۔ ذرا زبان پھسل گئی تھی۔“

”کوئی بات نہیں۔۔۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔۔۔ اس وقت فون اس لیے کیا ہے کہ ایک مجرم صاحب ہیں۔۔۔ جس تک ہم نہیں پہنچ سکے۔۔۔ یعنی اس کا اب تک سراغ نہیں لگا سکے۔۔۔ وہ اپنے خلاف ہر ثبوت مٹانے میں پوری طرح کامیاب ہو گیا ہے۔۔۔ لہذا میں چاہتا ہوں۔۔۔ تم ذرا ادھر آ جاؤ۔“

”یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔۔۔ کیا آپ آج۔۔۔ مذاق کے موڈ میں ہیں۔“ شوکی بوکھلا اٹھا۔

”کیوں۔۔۔ یہ کس بات سے اندازہ لگایا تم نے شوکی۔“ انہوں نے منہ بنایا۔

”جس مجرم کا سراغ آپ لوگ نہیں لگا سکے۔۔۔ بھلا ہم اس کا سراغ کس طرح لگالیں گے؟“

”یہ کوئی ایسی بات نہیں۔“ انہوں نے فوراً کہا۔

”لیکن ہمارے حلق سے یہ بات نہیں اتر سکتی۔۔۔ ویسے بھی اگر کوئی ایسی صورت حال ہے۔۔۔ تو آپ کو انگل جمشید سے رابطہ کرنا چاہیے۔“



”میں اس وقت انہی کے گھر سے بات کر رہا ہوں۔“ وہ ہنسے۔  
 ”کیا مطلب....“ تن تن تو کیا انہوں نے آپ کی مدد کرنے سے انکار کر دیا ہے؟“ شوکی بوکھلا اٹھا۔

”یہ بات نہیں.... بلکہ یہ کیس ہے ہی ان کے حصے کا.... ہمیں تو خود ان کی مدد کے لیے یہاں آنا پڑا تھا.... لیکن افسوس.... ہم بھی ان کی مدد نہیں کر سکے۔“

”کک.... کیا مطلب؟“ شوکی پوری قوت سے دھاڑا۔

عین اس لمحے انسپکٹر جمشید کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی۔

○☆○

دھمکی

”ہاں! شوکی.... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے

کہا۔

”کیا مطلب....“ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ شوکی کے لہجے میں

زمانے بھر کی حیرت سمٹ آئی۔

”ہاں.... انسپکٹر جمشید پارٹی اور انسپکٹر کامران مرزا پارٹی.... مل کر

بھی اس مجرم کا سراغ نہیں لگا سکیں.... ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی ناکام رہے ہیں۔“

”یہ بات بھی میرے حلق سے نہیں اتر رہی.... شاید آپ میری

زندگی کا سب سے بڑا مذاق آج ہم سے کر رہے ہیں۔“

”یہی تو مشکل ہے شوکی.... ہم مذاق نہیں کر رہے۔“

”لیکن اس میں مشکل کہاں سے ٹپک پڑی؟“ شوکی بولا۔

”سمجھا کرو شوکی.... مشکل کا کیا ہے.... وہ تو کسی چیز میں بھی

ٹپک سکتی ہے۔“

”اوہ ہاں.... یہ تو ہے۔“



”نہیں شوکی.... تم غلط سمجھے.... یہ لوگ فاروق کے ایک جملے پر  
بنے ہیں.... جو اس نے میرا جملہ سن کر کہا ہے۔“

”کیا مطلب.... آپ کا جملہ۔“

”میں نے کہا ہے نا.... اچھا میں یہ خوفناک دھمکی واپس لیتا  
ہوں.... تو اس پر فاروق بول اٹھا کہ واپس بھی لی تو کیا چیز.... بس اس پر  
سب ہنس پڑے تھے۔“

”اوہو اچھا خیر.... لیکن انکل.... بات ہے یہی.... ان حالات میں  
آنا ہمارے لیے دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔“

”کوئی بات نہیں.... تم یہ کام کر ہی ڈالو۔“

”جو حکم۔“ اس نے مایوس ہو کر کہا۔

”اور پہلی فرصت میں.... یعنی آج ہی کی فلائٹ اگر پکڑ سکو تو بہتر  
رہے گا.... آئی جی صاحب سے مدد لے لو.... وہ انتظام کر دیں گے۔“

”جی اچھا.... وہ تو ہم کر لیں گے۔“ شوکی کی گھبرائی ہوئی آواز  
سنائی دی۔

اور انہوں نے مسکرا کر فون رکھ دیا.... اب جو انہوں نے انپکٹر  
جمشید کی طرف دیکھا.... تو وہ حیرت کا بت بنے نظر آئے۔

”آپ کو کیا ہوا؟“

”شوکی کو پھر فون کر دیں.... اب ان کی ضرورت نہیں رہی....  
مجرم پکڑا گیا ہے۔“

”بس تو پھر.... تم آ جاؤ شوکی.... تمہیں نصف معاوضہ پہلے ادا کر  
دیا جائے گا۔“ وہ ہنسے۔

”کوئی بات نہیں.... مجھے نہیں معلوم تھا.... فون آپ کا ہے۔“  
شوکی نے گھبرا کر کہا۔

”کوئی بات نہیں.... بس تم آ جاؤ۔“

”سوری انکل.... ہم نہیں آ سکتے۔“

”کیا کہا.... ہم نہیں آ سکتے!!“

”ہاں انکل.... آخر آپ لوگوں کے مقابلے میں ہم کس طرح  
کامیابی حاصل کر سکیں گے.... یہ قریب قریب ناممکن ہے انکل۔“

”اوہو بھائی.... قریب قریب ناممکن ہے.... سو فیصد ناممکن تو  
نہیں ہے.... بس تم آ جاؤ.... اگر نہیں آؤ گے.... ہمارا تمہارا زندگی بھر  
کا تعلق ختم۔“

”یہ.... یہ آپ نے کیا کہہ دیا.... اس قدر خوف ناک دھمکی تو نہ  
دیں۔“

”اچھا خیر.... میں اپنی دھمکی واپس لیتا ہوں۔“ انپکٹر کامران مرزا  
مسکرائے۔

”واپس بھی لی تو کیا چیز؟“ فاروق نے برا سامنہ بنایا۔

انہیں ہنسی آگئی.... ان کے ہنسنے کی آواز سن کر شوکی بولا۔

”دیکھا.... آپ مذاق کر رہے تھے نا۔“



”جی۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ مجرم پکڑا گیا ہے۔۔۔ کک۔۔۔ کہاں ہے مجرم۔۔۔ کون ہے مجرم۔۔۔ ہمیں تو یہاں کہیں نظر نہیں آ رہا۔“

”میں ابھی لے چلتا ہوں۔۔۔ سب کو مجرم کے پاس۔“ وہ بولے۔

”اور وہ پکڑا کیسے گیا۔“

”اپنی ایک بہت چھوٹی سی۔۔۔ منھی سی اور معمولی سی غلطی سے۔“

”جی۔۔۔ کیا مطلب؟“

”ابھی بتاتا ہوں۔۔۔ پہلے شوکی کو فون کر دیں۔۔۔ ورنہ وہ ادھر پہنچ جائیں گے۔۔۔ اور بلاوجہ سفر خرچ ہو جائے گا۔“

”اچھی بات ہے۔“

اب پھر انسپکٹر کامران مرزا نے شوکی کے نمبر ملائے۔۔۔ دوسری طرف سے فوراً ان کی والدہ کی آواز ابھری۔

”لڑکوں تم کسی کام۔۔۔ اوہ۔۔۔ یہ تو میں فون پر پر بات کر رہی ہوں۔۔۔ معاف کیجئے گا۔۔۔ اور فرمائیے۔۔۔ آپ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟“

”شوکی سے بات کرا دیں۔“

”جہاں تک میرا خیال ہے۔۔۔ آپ انسپکٹر کامران مرزا بھائی بات کر رہے ہیں۔“

”جی ہاں۔“ وہ بولے۔

”وہ ابھی ابھی گھر سے نکلے ہیں۔“

”اور ان کے پاس موبائل ہے نہیں۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ اب ہمیں آئی جی صاحب سے بات کرنا پڑے گی۔۔۔ اچھا شکریہ۔۔۔ ویسے ان کا فون آئے تو ان سے کہ دیں۔۔۔ وہ جہاز پر سوار نہ ہوں۔۔۔ پہلے مجھ سے بات کر لیں۔“

”جی اچھا۔۔۔ بھائی صاحب۔“ وہ بولیں۔

اب انہوں نے آئی جی صاحب کے نمبر ملائے۔۔۔ ان کے بارے میں بھی یہی پتا چلا کہ وہ ابھی ابھی دفتر سے نکلے ہیں۔

”شوکی برادرز تو نہیں آئے تھے دفتر ان سے ملنے؟“

”ان کا فون آیا تھا۔۔۔ فون سن کر ہی وہ تیزی سے باہر گئے ہیں۔“

”دھت تیرے کی۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ ان کا فون سنتے ہی انہوں نے کہا کہ وہ ایئرپورٹ پر فوراً پہنچیں۔۔۔ وہ بھی وہیں پہنچ رہے ہیں۔۔۔ تاکہ انہیں اسی وقت کی پرواز میں سوار کرا سکیں۔۔۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اب ایئرپورٹ سے رابطہ کرنا پڑے گا۔“

یہ کہہ کر انہوں نے ڈائری میں ایئرپورٹ کے نمبر دیکھا اور ڈائل کرنا شروع کیے۔۔۔ لیکن نمبر مسلسل مصروف ملتے رہے۔۔۔ اور بہت دیر تک رابطہ نہ ہو سکا۔۔۔ آخر جب رابطہ ہوا اور انہوں نے بات بتائی تو دوسری طرف سے کہا گیا۔



”ابھی ابھی جہاز پرواز کر گیا ہے۔۔۔ آئی جی صاحب نے اس پر شوکی بردارز کو سوار کر دیا ہے۔“

”لیجئے۔۔۔ یہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔“ انپکٹر کامران مرزا نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”اس میں ان کا کیا قصور۔۔۔ ہم نے ہی تو ان سے کہا تھا کہ جلد از جلد آجائیں۔“ انپکٹر جمشید مسکرائے۔

”اور آپ کس بات پر حیرت کا بت بن گئے تھے۔۔۔ مجرم کو آپ نے کیسے پکڑ لیا۔۔۔ کون ہے مجرم؟“

”اؤ اسے گرفتار کرنے چلیں۔“

”کیا۔۔۔ وہ اس قدر آسانی سے گرفتار ہو جائے گا؟“ آصف نے پوچھا۔

”ہاں! اس لیے کہ اس کے وٹم وگمان میں بھی نہیں کہ ہم اسے جان گئے ہیں۔“

”اوہ اچھا۔۔۔ یونہی سہی۔“

پھر وہ اٹھے اور گھر سے نکلنے لگے۔۔۔ ایسے میں بیگم جمشید کی ناخوش گوار آواز ان کے کانوں سے فکرائی۔

”اور یہ جو میں نے اتنا بہت سا کھانا تیار کیا ہے۔۔۔ اس کا کیا ہو گا؟“

لوگوں کے کام آئے گا۔۔۔ آخر ان کا بھی تو جی چاہتا ہے مزے مزے کے کھانے کھانے کو۔“

”انہیں تو میں اکثر کھلاتی رہتی ہوں۔۔۔ بلکہ جب بھی آپ لوگ کھانا چھوڑ کر بھاگ پڑتے ہیں۔۔۔ مجھے انہی کو بلانا پڑتا ہے۔۔۔ اور اب تو۔۔۔ وہ کہتے کہتے رک گئیں۔“

”اب تو کیا؟“ وہ رک کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

”اب تو وہ خود آکر پوچھنے لگے ہیں۔۔۔ آج آپ کے گھر والے کھانا کھانا بھولے یا نہیں۔“

”پھر۔۔۔ آپ انہیں کیا جواب دیتی ہیں؟“

”وہ جب بھی آکر یہ پوچھتے ہیں۔۔۔ میں سمجھ جاتی ہوں۔۔۔ انہیں بھوک لگی ہے۔۔۔ لہذا میں کھانا ان کے آگے رکھ دیتی ہوں۔۔۔ اور آپ لوگوں کے لیے اور کھانا تیار کرنے لگتی ہوں۔۔۔ اسی لیے تو میرا زیادہ وقت باروچی خانے میں گزرنے لگا ہے۔۔۔ آپ لوگ اور آپ

لوگوں کے چاہنے والے اکثر اعتراض کرتے ہیں۔۔۔ یہ بیگم جمشید ہر وقت باروچی خانے میں ہی کیوں کھسی رہتی ہیں۔۔۔ تو یہ وجہ ہے۔۔۔ اب بات سمجھ میں آئی۔“

”ہاں! آگئی۔۔۔ ہماری بھی۔۔۔ اور ہمارے چاہنے والوں کی بھی۔“

انپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

”تو آج بھی آپ ان لوگوں کی ہی دعوت کر دیں۔۔۔ ہم واپس آ



کر روکھی سوکھی کھالیں گے۔“

”کیوں کیوں.... روکھی سوکھی کیوں.... اس وقت تک تو میں اور تیار کر لوں گی۔“

”نہیں.... آج ہم ان کا بچا کھچا کھالیں گے۔“

”اس کی ضرورت نہیں.... میرے لیے مزید کھانا تیار کرنا کچھ مشکل نہیں۔“

”اوہو! ہم اس لیے نہیں کہ رہے.... بس آج ہم بچا کھچا اور روکھا سوکھا کھائیں گے.... آخر یہ غریب لوگ بھی تو کھاتے ہیں.... ہم کیوں نہیں کھا سکتے۔“

”اوہ اگر یہ بات ہے.... تو پھر ٹھیک ہے.... میں خود آپ لوگوں کا ساتھ دوں گی۔“

”یہ اور اچھا ہے۔“ وہ مسکرا دیے۔

پھر وہ گھر سے نکل آئے.... جونہی وہ گاڑی میں بیٹھے، فاروق بول اٹھا۔

”لیکن اباجان! آج آپ نے ہمیں اب تک یہ نہیں بتایا.... کہ وہ کون سی چیز ہے.... یا وہ کون سی بات ہے جس کی بنا پر آپ نے اچانک مجرم کو پہچان لیا ہے۔“

”اوہ ہاں.... واقعی.... یہ بات تو رہ ہی گئی.... خیر ابھی بتا دیتا ہوں۔“

”ایک منٹ انکل.... پہلے میں اباجان سے ایک بات پوچھ لوں۔“ یہ کہ کر آفتاب انسپکٹر کامران مرزا کی طرف مڑا۔

”نہیں بھئی.... میں ابھی تک نہیں جان سکا کہ انہیں وہ کیا چیز مل آئی ہے.... یا کیا بات محسوس ہوئی ہے.... جس کے ذریعے انہوں نے قاتل کو پہچان لیا ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا اس کے پوچھنے سے پہلے بول اٹھے۔

آفتاب مسکرا دیا.... پھر جلدی سے بولا۔

”کیا آپ جان چکے ہیں.... وہ مجرم کون ہے؟“

”اس کا تھوڑا بہت اندازہ تو مجھے اور انہیں پہلے سے تھا.... اب میں کوئی چیز نظر آگئی ہے.... اس لیے انہیں یقین ہو گیا ہے.... جب کہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا.... کہ مجرم وہی شخص ہے۔“

”تب پھر آپ تو اپنا خیال ظاہر کر دیں۔“

”اس طرح مزہ نہیں آئے گا۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”اچھا کانغذ پر مجرم کا نام لکھ کر جیب میں رکھ لیں۔“ آصف

”کیوں! جب میں بعد میں یہ کہوں گا کہ میرا بھی یہی خیال تھا تو یا اس وقت میں جھوٹ کہہ دوں گا۔“ ان کا منہ بن گیا۔

”اوہ نہیں.... یہ بات نہیں.... جھوٹ تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں بولتا۔“ آصف نے فوراً کہا۔



”بس تو پھر میں بتا دوں گا۔“

”لیکن ذرا اس طرح مزاکم آتا ہے انکل۔“ فرحت بولی۔

”اچھی بات ہے۔۔۔ میں مجرم کا نام کانڈ پر لکھ کر جیب میں رکھ لیتا ہوں۔“ وہ مسکرا دیے۔۔۔ پھر انہوں نے ایسا ہی کیا۔۔۔ اب ان کی گاڑی آگے بڑھی۔

”میں تم لوگوں کو الجھن میں کیوں رکھوں۔۔۔ کم از کم وہ چیز دکھا ہی دوں۔۔۔ جس سے میں نے اسے پہچانا ہے۔“ انسپکٹر جشید بولے۔

”یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔“ محمود خوش ہو گیا۔

”اچھا تو پھر یہ لو۔۔۔ دیکھ لو۔“

یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے ایک کانڈ نکالا۔۔۔ اس کانڈ میں ایک اور چھوٹا سا کانڈ لپٹا ہوا تھا۔۔۔ یہ وہی کانڈ تھا۔۔۔ جو حوالات میں عابد جلیل کے پاس پڑا ملا تھا۔۔۔ اور جس میں قاتل نے اسے زہر پہنایا تھا۔۔۔ یعنی زہر کی پڑیا اس کے حوالے کی تھی۔۔۔ اور ابھی تھوڑی دیر پہلے تک یہ کانڈ ان کے سامنے میز پر پڑا رہا تھا۔۔۔ لیکن اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔

”یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ یہ تو وہی کانڈ ہے۔“

”ہاں! یہ وہی کانڈ ہے۔۔۔ اور اس کانڈ نے مجھے بتایا ہے کہ مجرم کون ہے۔“

”حد ہو گئی۔۔۔ اب کانڈ بھی باتیں کریں گے۔“

”سب سے زیادہ باتیں کانڈ ہی کرتے ہیں۔“ انسپکٹر جشید بولے۔

”جی۔۔۔ وہ کیسے؟“

”بھئی کتابیں آخر کانڈ پر ہی لکھی جاتی ہیں اور ہم پڑھتے ہیں۔“

”اوہ ہاں۔۔۔ واقعی۔“

”لیکن اس کانڈ نے آپ کو کیسے بتا دیا۔۔۔ جب کہ یہ ہمیں کچھ

نہیں بتا رہا۔“ فاروق جھلا اٹھا۔

باقی سب مسکرا دیے۔

”بس! کانڈ دکھا دیا۔۔۔ اور کچھ نہیں بتاؤں گا۔“

”اس طرح تو سپنس میں اور اضافہ ہو گیا۔“

”کیا کیا جائے مجبوری ہے؟“

”یہ آپ کی اچھی مجبوری ہے۔۔۔ جو ہمیں سپنس میں جکڑ کر

رکھ دیتی ہے۔۔۔ اب یہ سفر بہت مشکل لگ رہا ہے۔۔۔ انکل کیا آپ اور

تیز نہیں چلا سکتے۔“

”چالان ہو جائے گا۔“ خان رحمان بولے۔

”ایک عدد چالان بھی سہی آج۔۔۔ لیکن تیز چلیں۔“

”کیا خیال ہے جشید۔“ خان رحمان ہنسے۔

”بھئی مجھے تو کوئی بے چینی نہیں۔۔۔ یہ مسئلہ ان کا ہے۔“



”اچھی بات ہے۔۔۔ اب ان کی خواہش کون رو کرے۔“ انہوں نے کہا اور رفتار بڑھا دی۔۔۔ شہر میں اس قدر رفتار کی اجازت نہیں ہوتی لہذا جونہی وہ چوراہا کراس کرنے لگے۔۔۔ ٹریفک سارجنٹ نے رکنے کا اشارہ دے دیا۔

”نو اور جلدی پہنچو۔“ انسپکٹر جمشید ہنسے۔

خان رحمان نے گاڑی روک لی۔۔۔ سارجنٹ تیر کی طرح ان کی طرف آیا اور پھر زور سے چونکا۔

”اوہ! یہ آپ لوگ ہیں؟“

”جی ہاں! ہیں تو ہم لوگ ہی۔“ فاروق بولا۔

”تب پھر جائیے۔“

”جی نہیں۔۔۔ ہم اب چالان کرا کر ہی جائیں گے۔“

”جی۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ آپ چالان کو ادا کر جائیں گے۔“ سارجنٹ بوکھلا اٹھا۔

”ہاں۔۔۔ بالکل۔۔۔ ہم نے جرم کیا ہے۔۔۔ تو سزا بھی ملنا چاہیے۔“

”لیکن آپ سرکاری کام سے ہی تو جا رہے ہیں۔“

”اس میں شک نہیں۔۔۔ ہم ایک مجرم کو گرفتار کرنے کے سلسلے میں جا رہے ہیں۔۔۔ لیکن ہم نے کار کا سائرن آن نہیں کیا۔۔۔ اس لیے تیز نہیں چلا سکتے۔۔۔ چنانچہ آپ چالان کریں۔“ انسپکٹر جمشید نے جلدی

جلدی کہا۔

”نن نہیں۔۔۔ آپ تشریف لے جائیں۔۔۔ اب سائرن آن کر لیں۔“

”پہلے چالان۔۔۔ پھر سائرن۔“

”آپ مذاق کے موڈ میں ہیں کیا؟“

”نہیں بھئی۔۔۔ قانون سب کے لیے برابر ہے۔“

”تت۔۔۔ تو کیا میں واقعی چالان کروں؟“

”اگر نہیں کریں گے تو میں آپ کی جواب طلبی کراؤں گا۔“

انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

”اوہ۔۔۔ ارے باپ رے۔“

اور پھر اس نے بوکھلاہٹ کے علام میں چالان کاٹ دیا۔۔۔ خان رحمان نے جرمانہ ادا کیا اور آگے بڑھ گئے۔

”اس طرح وقت ضائع ہوا یا نہیں؟“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”ہوا تو ہے۔“

”اگر ہم معمول کی رفتار سے چلتے رہتے۔۔۔ تو اس وقت اسی جگہ

سے گزر رہے ہوتے۔۔۔ اور جرمانہ الگ ادا کیا۔“

”تو میں سائرن آن کر دیتا ہوں۔“ خان رحمان بولے۔

”میرا مطلب ہے۔۔۔ مناسب رفتار سے ہی چلتے رہو۔“

”آپ سپنس میں نہیں ہیں نا۔“ آفتاب نے برا سامنہ بنایا۔



اور وہ ہنس پڑے۔۔۔ پھر خان رحمان نے سائرن آن کر دیا۔۔۔ اور وہ اور بھی تیز رفتار کے ساتھ چل پڑے۔

”اس کانفڈ میں اہم کیا بات ہے ابا جان؟“

”دیکھ لو۔۔۔ غور کر لو۔۔۔ روکا کس نے ہے۔“ انہوں نے کانفڈ ان کی طرف بڑھایا۔۔۔ ساتھ ہی خبردار کرنے والے انداز میں بولے۔

”لیکن اس کو منہ کے قریب نہ کرنا۔۔۔ کانفڈ پر بھی زہر کی کچھ مقدار تو لگی ہوگی اور ہے یہ پوٹاشیم سائائیڈ۔“

”ارے باپ رے۔۔۔ یہ نام بھی کس قدر خوفناک ہے۔۔۔ سنا ہے آج تک اس زہر کا ذائقہ کوئی نہیں بتا سکا۔۔۔ کیونکہ ادھر کوئی اس زہر کو کھاتا ہے ادھر انسان مر جاتا ہے۔۔۔ کچھ بولنے کی مہلت اسے نہیں ملتی۔۔۔ ایک شخص نے قلم ہاتھ میں لیا تھا اور زہر منہ میں رکھتے ہی ذائقہ لکھنا چاہا تھا۔۔۔ لیکن وہ صرف انگریزی کا حرف ایس لکھ سکا۔۔۔ اور مر گیا۔۔۔ اب ایس سے سوئٹ یعنی میٹھا بھی بنتا ہے۔۔۔ اور ساور یعنی کھٹا بھی بنتا ہے۔۔۔ لہذا فیصلہ پھر بھی نہ ہو سکا کہ اس کا ذائقہ میٹھا ہے یا کھٹا۔“

”چلئے خیر۔۔۔ ہمیں اس سے کیا۔۔۔ اگر یہ بات معلوم بھی ہو جاتی تو اس سے لوگوں کو کیا فائدہ پہنچتا بھلا۔۔۔ لہذا وہ بے کار موت مرا۔“

”ان لوگوں کے نزدیک خودکشی تو شاید حرام ہے ہی نہیں۔۔۔ جب کہ ہمارا مذہب خودکشی کی اجازت نہیں دیتا۔“

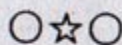
”اور ہمارا مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ خودکشی کرنے والے کی سزا اس قدر بھیانک ہے۔۔۔ یعنی وہ خود کو جس طرح ختم کرے گا۔۔۔ جہنم میں بھی خود کو اسی طرح ہلاک کرتا رہے گا۔۔۔ پھر زندہ کیا جائے گا۔۔۔ پھر وہ کو وہ ہلاک کرے گا۔۔۔ پھر زندہ کیا جائے گا۔۔۔ پھر خود کو ہلاک کرے۔۔۔ اف مالک۔۔۔ کیا اس سے خوفناک سزا بھی کوئی ہو سکتی ہے؟“

”نہیں۔“ وہ سب کانپ گئے۔

”ارے ارے۔۔۔ بھئی۔۔۔ ہم آگے نکل گئے۔۔۔ ہمیں تو بائیں طرف مڑنا تھا۔“ ایسے میں انسپکٹر جمشید پٹکار اٹھے۔

”تک۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ بائیں طرف۔۔۔ بائیں طرف۔۔۔“ محمود چلا اٹھا۔

”اور پھر ان سب کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔“





## فٹ مجرم

”ہاں ہاں! کہو۔۔۔ بائیں طرف تو کیا؟“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔  
 ”کیا آپ آج مذاق کے موڈ میں ہیں؟“  
 ”جب میں کسی مجرم کو پکڑنے لگتا ہوں تو مذاق کا موڈ مجھ پر سوار  
 تو ہو جاتا ہے۔۔۔ اگرچہ میں اس کو اپنے اوپر سے اتارنے کی بہت  
 کوشش کرتا ہوں۔“  
 ”تک۔۔۔ کس کو جمشید؟“ پروفیسر داؤد بے خیالی کے عالم میں  
 بولے۔

”جی مذاق کے موڈ کو۔“  
 ”ہائیں۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ مذاق کے موڈ کو۔۔۔ یار کیوں مذاق کرتے  
 ہو۔“ پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔  
 ”میں اب ان حالات میں اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔“  
 ”مطلب یہ کہ تم اس وقت سوائے مذاق کے اور کچھ نہیں کر  
 سکتے۔“  
 ”ہاں! یہی بات ہے۔“

”اچھا بھائی۔۔۔ کر لو پھر مذاق۔۔۔ لیکن یہ سب لوگ کیوں حیران  
 پریشان ہیں۔۔۔ کم از کم پہلے ان کی حیرانی اور پریشانی تو دور کر دو۔۔۔ پھر  
 کرتے رہنا اپنا مذاق۔“ پروفیسر داؤد نے برا سامنہ بنایا۔  
 ”یہ تو بلاوجہ پریشانی مول لے لیتے ہیں۔۔۔ جب کہ پریشانی انہیں  
 مفت مل سکتی ہے۔“ انسپکٹر جمشید ہنسے۔

”پروفیسر صاحب! آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔۔۔ یہ وہ موڈ  
 ہے۔۔۔ جب جمشید کسی مجرم کو پکڑنے لگتے ہیں۔۔۔ تو ان پر طاری ہو کر  
 رہتا ہے۔۔۔ اور ان حالات میں اس موڈ سے پیچھا چھڑانا بھی ان کے  
 اپنے بس میں نہیں ہوتا۔“  
 ”ہوں۔۔۔ خیر۔۔۔ تب تو پھر اسی موڈ سے گزارا کرنا ہو گا۔“  
 پروفیسر بولے۔

”ہاں! اب آپ درست نتیجے پر پہنچے۔“ فرحت نے خوش ہو کر  
 کہا۔  
 ”اب بتائیے۔۔۔ اباجان۔۔۔ جس طرف آپ گاڑی لے جانے  
 کے لیے کہ رہے ہیں۔۔۔ اس طرف تو وہ ہے۔۔۔ یعنی ریٹ ہاؤس۔۔۔  
 اور ریٹ ہاؤس میں اس وقت ٹھہرے ہوئے ہیں سردار تیور  
 صاحب۔۔۔ بلکہ اب کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔۔۔ اس وقت تک وہ اپنا  
 سامان باندھ چکے ہوں گے۔۔۔ اور پرواز کی تیاریوں میں مصروف ہوں  
 گے۔“



”بالکل ٹھیک۔۔۔ میں نے کب کہا کہ اس طرف پروفیسر داؤد یا خان رحمان رہتے ہیں۔“

”یہ ہمارا ذکر یہاں کہاں سے نکل آیا؟“ پروفیسر چونکے۔  
”یونہی۔۔۔ بس باتوں میں نکل آیا۔“

”ان باتوں میں یہ بات بہت بری ہے۔۔۔ کہ بات بے بات ان میں ذکر نکل آتا ہے۔“ وہ جھلا کر بولے۔

”ہائیں۔۔۔ بات ہو رہی تھی۔۔۔ یہ کہ اس طرف تو ریٹ ہاؤس ہے۔۔۔ جس میں سردار تیمور خان صاحب ٹھہرے ہوئے ہیں۔۔۔ اور وہ اس وقت جہاز پر سوار ہونے کی تیاریوں میں ہوں گے۔“  
”تو کیا ہوا۔۔۔ کیا تم لوگوں کے خیال میں سردار تیمور مجرم نہیں ہو سکتے؟“ انپکٹر جشید طنزیہ بولے۔

”ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔“ فاروق نے منہ بنایا۔  
”بس تو پھرنے۔۔۔ اس کیس میں میں تم لوگوں کو سردار تیمور بطور مجرم دے سکتا ہوں۔۔۔ اس سے زیادہ بہتر مجرم اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“  
وہ مسکرائے۔

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔۔۔ آپ نے کیا کہا۔۔۔ اس سے بہتر مجرم۔۔۔ کیا مجرم بھی بہتر ہو سکتے ہیں؟“ فرحت بوکھلا اٹھی۔  
”میرا مطلب ہے۔۔۔ اس سے زیادہ فٹ مجرم۔“  
”اور آپ اس نتیجے پر کیسے پہنچے؟“

”یہ میں اب اس کے سامنے بتاؤں گا۔“

پھر خان رحمان کی گاڑی ریٹ ہاؤس میں داخل ہو گئی۔۔۔ باہر ایک بڑی گاڑی کھڑی تھی اور اس پر سامان لادا جا رہا تھا۔۔۔ ریٹ ہاؤس کے ملازم اس کام میں مصروف تھے۔۔۔ انہیں دیکھ کر ان کے ہاتھ رک گئے۔

”سردار صاحب کہاں ہیں؟“

”جی اندر۔“ ایک نے کہا۔

”انہیں بتاؤ۔۔۔ کچھ لوگ ان سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔“

”ہم آپ کے نام جانتے ہیں۔“ اس نے کہا۔

”لیکن آپ اندر جا کر یہی بتائیں۔۔۔ کچھ لوگ۔“ انپکٹر جشید مسکرائے۔

”جی اچھا۔“ وہ بولا اور اندر چلا گیا۔

جلد ہی سردار تیمور باہر نکلا۔۔۔ اور انہیں دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔

”آپ لوگ! اس وقت۔۔۔ ہم تو جانے کے لیے بالکل تیار ہیں۔“

”ہم بھی آپ کو رخصت کرنے کے لیے آئے ہیں۔“ انپکٹر جشید نے کہا۔

”اوہ اچھا! تب تو ٹھیک ہے۔“ اس کا اڑتا رنگ بحال ہوتا نظر



آیا۔۔۔ گویا خطرہ ٹل گیا تھا۔

”پھر بھی چند منٹ تو آپ ہمیں دے ہی سکتے ہیں۔“ فاروق بول اٹھا۔

”چند منٹ۔۔۔ ہم لیٹ نہ ہو جائیں کہیں؟“

”یہ ذمہ داری میری رہی۔“ انسپٹر جمشید بھرپور انداز میں مسکرائے۔

”تک۔۔۔ کون سی ذمہ داری؟“

”یہ کہ آپ لیٹ نہیں ہوں گے، بالکل ٹھیک وقت پر پہنچیں گے۔“

”اوہ تب تو ٹھیک ہے۔۔۔ آئیے بیٹھتے ہیں۔“

وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔۔۔ سب لوگ بیٹھ گئے۔

”سردار صاحب۔۔۔ یہ زندگی بہت مختصر ہے۔۔۔ آخر کو ہمیں مرنا

ہے اور مرنے کے بعد قبر کی زندگی ہے۔۔۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم فرماتے ہیں۔۔۔ قبر یا تو جنت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔۔۔ یا جہنم کا

ایک گڑھا۔۔۔ یعنی انسان کے اعمال اچھے ہوئے تو قبر جنت کی مانند بن

جائے گی اور اعمال خراب ہوئے تو جہنم کا نمونہ بن جائے گی۔۔۔ اور پھر

قیامت کے دن اٹھنا ہو گا۔۔۔ اس دن حساب کتاب ہوتا ہے۔۔۔ لہذا

آپ دوسرے ملک جا کر کیا کریں گے۔۔۔ اپنی باقی ماندہ زندگی یہیں بسر

کریں۔“

”نہیں انسپٹر صاحب۔۔۔ اس ملک میں اب میں کس طرح رہ سکوں گا؟“

”عابد جلیل گرفتار ہو گیا۔۔۔ اور گرفتار ہونے کے بعد حوالات میں مرچکا ہے۔۔۔ گویا اب اس کیس میں رہ کیا گیا ہے۔“

”لیکن میری فائل کو تو لوگ نہیں بھول پائیں گے۔۔۔ لوگ مجھے طنزیہ نظروں سے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہیں گے۔۔۔ یہ ہے وہ شخص۔۔۔ جس نے ساری زندگی لوٹی ہوئی دولت سے عیش کی۔“

”ہاں! یہ تو ہے۔۔۔ لیکن اب تو وہ تمام دولت سرکاری خزانے میں جمع ہو چکی ہے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔۔۔ اس کے باوجود آپ مجھے نہ روکیں۔۔۔ میں یہاں پر سکون نہیں رہ سکوں گا۔“

”اچھا جیسے آپ کی مرضی۔۔۔ لیکن میرے پاس آپ کے لیے ایک چیز ہے۔“

”ایک چیز۔۔۔ وہ کیا؟“ اس نے حیران ہو کر کہا۔

انسپٹر جمشید نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہ کانغ نکالا۔۔۔ اس کانغ میں چھوٹا سا کانغ لپٹا تھا۔۔۔ وہ الگ کر کے انہوں نے سردار تیمور کے سامنے کر دیا۔

”یہ کیا۔۔۔ کانغ کا ایک ٹکڑا۔“ سردار تیمور نے مارے حیرت کے کہا۔



والے ہیں۔۔۔ لہذا انہیں تو اب بلانا ہی ہو گا۔۔۔ ورنہ آپ تو مجھے پھانسی کے پھندے تک پہنچا کر دم لیں گے۔“

”میں ہر مجرم کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہوں۔“

”میں مجرم نہیں۔۔۔ مظلوم ہوں۔۔۔ مجھے تو خود بلیک میل کیا گیا ہے۔۔۔ اور اب میں یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں سے جا رہا ہوں۔۔۔ کہ آپ کہ رہے ہیں۔۔۔ میں مجرم ہوں۔“

”ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں ہرگز ایسا نہ کرتا۔“

”اچھی بات ہے۔“ اس نے کہا اور پھر صدر صاحب کو فون کرنے لگا۔۔۔ جو نئی سلسلہ ملا، اس نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔

”صاحب صدر۔۔۔ یہ آپ کے انسپکٹر جمشید مجھے بلا وجہ پریشان کر رہے ہیں۔۔۔ یہ بھی عجیب شخص ہیں۔۔۔ آپ مہربانی فرما کر ذرا یہاں آ جائیں۔۔۔ فون پر ساری بات بتا کر کیا کروں گا جب کہ آپ کو یہاں بلائے بغیر چارہ نہیں۔“

دوسری طرف کی بات سن کر اس نے ریسیور انسپکٹر جمشید کی طرف کر دیا۔

”صدر صاحب کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔“

”اوہ اچھا۔۔۔ ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔“ وہ مسکرائے۔

اور پھر انہوں نے ریسیور کان سے لگا لیا۔

”ہاں جناب۔۔۔ کانغذ کا ٹکڑا۔۔۔ آپ کی موت کا پروانہ۔۔۔ آپ کے جرائم کا مکمل ثبوت۔۔۔ آپ کے سیاہ کارناموں کا منہ بولتا گواہ۔“

”کیا مطلب؟“ وہ بہت بری طرح اچھلا۔۔۔ اچھل کر پھر بیٹھ نہ سکا۔۔۔ کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔۔۔ اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔۔۔ آخر اس کے منہ سے نکلا۔

”میں سمجھا نہیں۔۔۔ آپ کیا کہ رہے ہیں؟“

”حالانکہ آپ میری ایک ایک بات بخوبی سمجھ رہے ہیں۔“

”نہیں! یہ غلط ہے۔۔۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔“ اس نے جھلا کر کہا۔

”کانغذ کے اس ٹکڑے کو تو آپ پہچانتے ہیں نا؟“

”نہیں بالکل نہیں۔“

”لیکن میرا دعویٰ ہے۔۔۔ کانغذ کا یہی ٹکڑا آپ کے گلے کا پھندا بنے گا۔“

”پتا نہیں آپ کیا کہ رہے ہیں۔۔۔ اب مجھے صدر صاحب کو یہاں بلانا پڑے گا۔“

”میں بھی یہی چاہتا ہوں۔“ وہ مسکرائے۔

”کیا مطلب۔۔۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟“ اس نے چونک کر کہا۔

”یہ کہ آپ صدر صاحب کو بلا لیں۔“

”ضرور کیوں نہیں۔۔۔ لگتا ہے۔۔۔ آپ مجھے کسی جال میں پھانسنے



”یس سر۔۔۔ انپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں۔“  
”یہ کیا معاملہ ہے بھی؟“

سر۔۔۔ عابد جلیل اصل مجرم نہیں تھا۔۔۔ یہی اصل مجرم ہیں اور میرے پاس ان کے خلاف ثبوت موجود ہے۔۔۔ یہ بات آپ بھی جانتے ہیں۔۔۔ ثبوت کے بغیر میں ایسا الزام نہیں لگاتا۔“  
”ہاں! یہ تو ہے۔۔۔ لیکن جمشید۔۔۔ یہ ہو کیسے سکتا ہے۔۔۔ سردار تیمور کو تو خود بلیک میل کیا جا رہا تھا؟“

”یہی ان کی چالاکی ہے سر۔۔۔ جہاں دوسروں کی فائلیں ان کے پاس تھیں۔۔۔ وہاں انہوں نے اپنے خلاف بھی ایک فائل تیار کی۔۔۔ ایسی فائل تیار کرنا کوئی مشکل کام تو تھا نہیں۔“  
”اچھا خیر۔۔۔ میں وہیں آ رہا ہوں۔۔۔ دیکھو جمشید۔۔۔ کہیں ان کے ساتھ کوئی زبردستی نہ ہو جائے۔۔۔ میں انہیں دوست کہتا رہا ہوں۔“  
”آپ فکر نہ کریں سر۔۔۔ اور آپ آ ہی جائیں۔۔۔ اگر یہ مجرم نہیں ہیں تو میں ان سے معافی مانگ لوں گا۔“  
”اچھا خیر۔۔۔ میں آ رہا ہوں۔“

اور پھر صدر صاحب وہاں پہنچ گئے۔۔۔ وہاں سردار تیمور کا رنگ اڑا ہوا تھا اس دوران اس نے ایک مشہور وکیل کو بھی بلا لیا تھا۔۔۔ صدر اور وکیل ایک ہی وقت پر وہاں پہنچے۔  
”ہاں جمشید۔۔۔ اب کہو۔۔۔ کیا معاملہ ہے؟“

”معاملہ صرف اتنا سا ہے سر کہ یہ مجرم ہیں۔“

”تمہارے پاس ان کے مجرم ہونے کا ثبوت کیا ہے؟“ صدر بولے۔

”ایک منٹ سر۔“ وکیل نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”ہاں! آپ فرمائیں۔۔۔ آپ کی تعریف۔“

”میں اس ملک کا ایک مشہور وکیل ہوں سر۔۔۔ میرا نام سردار عارف ہے۔“

”اوہ اچھا۔۔۔ لیکن سردار تیمور صاحب۔۔۔ جب آپ نے مجھے یہاں بلا لیا تھا تو وکیل کی کیا ضرورت تھی؟“

”ناکہ انپکٹر جمشید مجھے جال میں نہ پھانس سکیں۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔ یہ مجھے زبردستی مجرم بنانے پر تل گئے ہیں۔“

”انپکٹر جمشید ایسے نہیں ہیں۔۔۔ یہ کسی بے گناہ کو مجرم نہیں گردانتے۔“

”اگر میں نے وکیل کو بلا لیا ہے سر۔۔۔ تو اس سے کیا فرق پڑ گیا ہے؟“ سردار تیمور نے برا سامنہ بنایا۔۔۔ اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ کوئی فرق نہیں پڑا۔“ صدر نے فوراً سر ہلایا۔  
”تب پھر۔۔۔ پہلے میں اپنے وکیل کو ساری بات بتاؤں گا۔۔۔ ناکہ یہ میرا بچاؤ کر سکیں۔“

”لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔“ صدر صاحب بولے۔



”اور وہ کیا صاحب صدر؟“ اس نے فوراً کہا۔  
 ”اگر آپ مجرم نہیں ہیں تو پھر آپ نے وکیل کو بلانے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔“

”ناکہ یہ لوگ مجھے کسی جال میں نہ پھانس سکیں۔“  
 ”یہ لوگ کسی بے گناہ کو ہرگز کسی جال میں پھانسنے کی کوشش نہیں کرتے۔“ صدر صاحب نے منہ بنایا۔

”ان کے بارے میں یہ خیال آپ کا ہے۔۔۔ میرا نہیں۔“ وہ مسکرایا۔۔۔ اب اس نے خود کو بہت سنبھال لیا تھا۔

”سہ۔۔۔ آپ انہیں اپنی مرضی کرنے دیں۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اب اس نے اپنے وکیل کو مختصر طور پر تفصیلات سنائیں۔۔۔ اس کے خاموش ہونے پر وکیل نے کہا۔

”اب ان لوگوں کا کہنا کیا ہے؟“  
 ”ان کا کہنا ہے۔۔۔ وہ بلیک میلر میں ہوں۔“

”آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے جناب؟“ وکیل نے کہا۔

”اب تو ہم اس سے بھی آگے بڑھ کر کہہ سکتے ہیں۔۔۔ یہ صرف بلیک میلر نہیں ہیں۔۔۔ قاتل بھی ہیں۔۔۔ ایک سے زائد آدمیوں کے قاتل۔۔۔ پہلا قتل انہوں نے الیاس لنگرا کا کیا۔۔۔ اپنے راز کو راز رکھنے

کے لیے انہوں نے یہ کام کسی اور سے لینا پسند نہیں کیا۔۔۔ لہذا خود وہاں گئے۔۔۔ اور اس کا کام تمام کر آئے۔۔۔ اس کے بعد انہوں نے عابد جلیل کو حوالات میں زہر پہنچایا اور اس نے ہماری موجودگی میں وہ زہر کھالیا۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ آخر عابد جلیل کیوں ان کی خاطر اپنی جان دینے لگا۔۔۔ جب وہ بلیک میلر ثابت ہو گیا تھا۔۔۔ اسے کیا ضرورت تھی زہر کھانے کی۔۔۔ اور سردار صاحب کو بچانے کی۔۔۔ اس بات کی وضاحت کر دیں ذرا۔“ وکیل نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”سردار صاحب نے عابد جلیل کی ایک فائل اور تیار کر رکھی تھی۔۔۔ اس فائل کے مطابق عابد جلیل بدترین اور گھناؤنا مجرم ثابت ہوتا ہے۔۔۔ اس نے ایسے ایسے جرائم کیے ہیں کہ اگر فائل سردار صاحب پولیس کو دیتے۔۔۔ تو پورے ملک میں عابد جلیل سے لوگ اس قدر نفرت کرے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا اور مطالبہ کرتے کہ اسے شہر کے کسی میدان میں لوگوں کے سامنے پھانسی دی جائے۔۔۔ بلکہ کتے اس پر چھوڑ دیے جائیں۔۔۔ اس کے کرتوت ایسے تھے۔۔۔ لہذا سردار صاحب نے اس سے کہا کہ چپ چاپ موت کو گلے سے لگا لو۔۔۔ اسی میں بہتری ہے۔۔۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو انسپکٹر جمشید اس سے میرا نام اگلو لے گا۔۔۔ پھر میں تو پھانسی پاؤں گا ہی۔۔۔ لیکن وہ فائل بھی پولیس کو مل جائے گی۔۔۔ لہذا عابد جلیل نے یہی مناسب سمجھا کہ زہر پھانک



لے۔۔۔ اور اس نے وہ کانڈ منہ سے لگا لیا۔۔۔ جس میں زہر تھا اور جو اسے سردار تیمار دے کر آئے تھے۔۔۔

”جھوٹ۔۔۔ وکیل صاحب! بالکل جھوٹ۔۔۔ ان سے پوچھیں۔۔۔ ان کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے۔۔۔ کہ میں نے حوالات میں جا کر زہر عابد کے ہاتھ میں دیا ہے۔“

وکیل ان کی طرف مڑا اور بولا۔

”ہاں! بتائیے۔۔۔ آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے؟“

”ثبوت نہ ہوتا تو یہ اس وقت تک جہاز میں سوار ہو چکے تھے۔۔۔ ثبوت ملتے ہی ہم ادھر کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔۔۔ یوں یہ ملک سے چلے جاتے۔۔۔ تب بھی ہم انہیں نہ چھوڑتے۔۔۔ ان کا تعاقب کرتے وہاں پہنچ جاتے۔“

۔۔۔ ”لیکن وہاں تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے تھے۔“

”ہاں! میں جانتا ہوں۔۔۔ تم نے برٹائن کی شہریت حاصل کر لی ہے۔۔۔ تم نے بلیک میلنگ سے جس قدر دولت حاصل کی ہے۔۔۔ وہ سب کی سب غیر ملکی بینکوں میں جمع کرا لی ہے۔۔۔ اسی لیے تو تم وہاں جا رہے تھے۔۔۔ ساری زندگی اس دولت پر عیش کرنے کے خیال سے۔۔۔ لیکن تم بھول گئے۔۔۔ جرم جرم ہے۔۔۔ آخر ایک دن ظاہر ہو کر رہتا ہے۔۔۔ جرم کا یہ پودا تمہارے دادا نے لگایا تھا۔۔۔ وہ اپنے زمانے کا بہت منجھا ہوا جرائم پیشہ تھا۔۔۔ کبھی پولیس کے ہاتھ نہ آیا۔۔۔ اس نے جرائم

پیشہ لوگوں کی فائلیں تیار کیں۔۔۔ ان کے بارے میں مکمل ترین معلومات اور ثبوت جمع کیے۔۔۔ تاکہ وہ ساری زندگی انہیں بلیک میل کر کے عیش کرتا رہے۔۔۔ اور اس نے ایسا کیا۔۔۔ مرنے سے پہلے اس نے وہ تمام فائلیں اپنے بیٹے کو سونپ دیں۔۔۔ اس نے بھی یہی کیا۔۔۔ اور ساری زندگی بلیک میلنگ کرتا رہا۔۔۔ اس کے بعد باری آئی تمہاری۔۔۔ تم نے بھی یہ سب کامیابی سے کیا۔۔۔ لیکن تمہاری بد قسمتی تمہارے آڑے آگئی۔۔۔ کہ یہ معاملہ ہمارے ہاتھوں تک پہنچ گیا۔۔۔ یوں تم ایک چالاک ترین مجرم ہو۔۔۔ تم نے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے بہت انوکھے طریقے اختیار کیے۔۔۔ وہ فائلیں آگے جرائم پیشہ لوگوں کو فروخت کرنے لگے۔۔۔ اس طرح ان نئے جرائم پیشہ لوگوں کی فائلیں تم تیار کرتے چلے گئے۔۔۔ جو تم سے فائلیں خریدتے تھے۔۔۔ گویا بیرون ملک جا کر بھی تم ان لوگوں کو بلیک میل کرتے رہتے۔۔۔ اور یہ لوگ ہر ماہ تمہیں رقوم بھیجنے پر مجبور ہوتے۔۔۔ اس قدر خوفناک بلیک میلر شاید ہم زندگی میں پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔۔۔ اب کچھ اور بتاؤں۔۔۔ یا بس۔۔۔“

انسپکٹر جمشید اچانک خاموش ہو گئے۔۔۔ تو سب نے انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔

”یہ کیا بات ہوئی؟“ وکیل نے بھنا کر کہا۔

”کیوں جناب۔۔۔ کیا ہوا؟“

”آپ نے میرے موکل کے بارے میں کوئی ثبوت تو پیش کیا ہی



نہیں۔“

”اوہ ثبوت.... کیا ابھی کسی ثبوت کی بھی ضرورت ہے؟“

”حد ہو گئی.... اور ثبوت کے بغیر یہ کہانی کس کام کی.... صرف اس کہانی کے ذریعے اگر آپ میرے موکل کو سزائے موت دلوانے کی کوشش کریں گے تو میں اس کہانی کو عدالت میں پھونک مار کر اڑا دوں گا.... دنیا کا کوئی جج یہ کہانی سن کر انہیں موت کی سزا نہیں دے سکے گا۔“ وکیل نے جلدی جلدی کہا۔

”کیا اس سلسلے میں وہ فائلیں ثبوت نہیں ہیں؟“ انسپکٹر جمشید مکرانے۔

”کیا وہ فائلیں ان کے اپنے ہاتھ کی تحریر کر رہے ہیں؟“ وکیل نے پوچھا.... ساتھ ہی اس نے سردار تیمور کی طرف دیکھا بھی۔

”نہیں.... میں نے کوئی فائل نہیں بنائی.... یہ سب ایک کہانی ہے۔“

”اس کا مطلب ہے.... جو فائلیں تمہارے گھر سے ملی ہیں.... اوہ میرا مطلب ہے.... عابد جلیل کے گھر سے، وہ تمہارے ہاتھ کی نہیں ہیں۔“

”نہیں.... ہرگز نہیں.... وہ عابد جلیل کے ہاتھ....“

وہ کہتے کہتے رک گیا.... اچانک اسے محسوس ہوا.... انسپکٹر جمشید اس کے منہ سے کیا جملہ اگلا چکے ہیں۔

”آپ نے نوٹ کیا وکیل صاحب.... اگر اس ساری کہانی سے ان کا کوئی تعلق سرے سے نہیں ہے.... تو انہیں کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ فائلیں عابد جلیل کے ہاتھ کی ہیں۔“

وکیل کا رنگ اڑ گیا.... دوسری طرف سردار تیمور دھک سے رہ گیا.... ایسے میں صدر صاحب کی آواز سنائی دی۔

”بہت خوب جمشید.... مان گیا تمہیں۔“

”شکریہ سر۔“

”سردار تیمور.... کیا تم اب بھی خود کو بے گناہ ہی کہو گے؟“

صدر صاحب بولے۔

”ہاں! بالکل.... یہ جملہ روانی میں میرے منہ سے نکل گیا....

سوچے سمجھے بغیر۔“

”یہ جملہ روانی میں تو ضرور نکلا ہے.... سوچے سمجھے بغیر بھی

ضرور نکلا ہے.... لیکن یہ ہے سچ.... جب میں ایک اور ثبوت پیش کروں

گا تو اس جملے کے سچ ہونے کا واضح ثبوت سامنے آ جائے گا.... اور پھر

تم یہ بھی نہیں کہہ سکو گے.... کہ یہ کہانی بالکل جھوٹ ہے۔“

”آخر وہ ثبوت کیا ہے.... وہ کب پیش ہو گا؟“ اس نے جھلا کر

کہا۔

”وہ ثبوت یہ کانغ کا ٹکرا ہے.... جس سے زہر کی پڑیا بنائی

گئی۔“



یہ کہہ کر انہوں نے وہ کانغذ ان کے سامنے رکھ دیا۔  
 ”کیا مطلب؟“ وہ چلا اٹھا۔

”کیا مطلب؟“ وکیل نے بھی حیرت زدہ انداز میں کہا۔

”سردار صاحب! نے اس کانغذ میں زہر رکھا.... پڑیا بنائی اور عابد جلیل کو دے آئے جا کر۔“

”یہ کیا بات ہوئی.... یہ کیسا ثبوت ہے؟“ وکیل نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

”ہاں.... اور کیا.... ہے کوئی تک.... آپ بلاوجہ مجھے پھانسنے کے چکر میں ہیں۔“ سردار تیمور نے چلا کر کہا۔

”دیکھا آپ نے۔“ انپکٹر جمشید، صدر صاحب کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

”تک.... کیا دیکھا جمشید؟“ صدر بوکھلا اٹھے۔

”یہ دونوں کیسے شیر ہو رہے ہیں.... حالانکہ میرا اگلا جملہ سن کر یہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ جائیں گے.... سنئے.... اس گیٹ ہاؤس میں آپ کو ہی ٹھہرایا گیا ہے نا.... چند دن سے آپ ہی یہاں موجود ہیں نا.... کوئی اور تو آپ کے ساتھ نہیں ٹھہرا ہوا۔“

”ہاں! کوئی اور نہیں ہے یہاں۔“ اس نے کہا۔

”تب پھر آپ کے علاوہ اس کانغذ سے پڑیا اور کون بنا سکتا تھا؟“

”کیا مطلب؟“ وہ چونکے۔

”مطلب یہ کہ یہ کانغذ اس گیٹ ہاؤس کے لیٹر پیڈ سے پھاڑا گیا ہے۔“

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟“

”اس طرح کہ اس گیٹ ہاؤس میں جو لیٹر پیڈ رکھا گیا ہے.... وہ عام کانغذ کا نہیں ہے.... صدر صاحب کا خاص پیڈ ہے.... خاص کانغذ

سے تیار کرایا گیا ہے.... اور یہ پیڈ ہے بھی صرف صدر صاحب کے لیے.... تمہیں یہاں ٹھہراتے وقت شاید ملازمین یہ بتانا بھول گئے کہ اس

گیٹ ہاؤس کو اکثر صدر صاحب استعمال کرتے ہیں.... اکثر راتیں یہاں گزارتے ہیں.... جب انہیں کام بہت زیادہ ہوتا ہے تو وہ اپنے گھر

نہیں جاتے.... راتوں کو یہاں ٹھہر کر کام ختم کرتے ہیں.... لہذا یہ پیڈ بھی اسی سلسلے میں یہاں موجود تھا.... یہ کوئی عام پیڈ نہیں ہے.... اور

ان دنوں یہاں صرف آپ ٹھہرے ہوئے ہیں.... لہذا اس پیڈ سے آپ ہی کانغذ پھاڑ سکتے تھے.... ملازمین کو تو خیر ایسا کرنے کی ضرورت ہی نہیں

تھی.... اور اگر ملازمین میں سے کوئی مجرم ہوتا تو وہ یہ غلطی تو ہرگز نہ کرتا.... اس لیے کہ انہیں تو معلوم ہے.... یہ پیڈ کس قدر اہم ہے....

لہذا یہ صرف اور صرف تم تھے.... تمہیں پیڈ کی حقیقت کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا.... اور یہی لاعلمی آخر کار تمہارے لیے موت کا پھندہ

بن گئی۔“

”نن.... نہیں.... نہیں۔“ وہ چلا اٹھا اور پھر اس کا چہرہ جھٹکا چلا



گیا۔

”وکیل صاحب... کیا اب بھی آپ اپنے موکل کے لیے کچھ کر سکتے ہیں؟“

”نہیں۔“ اس نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ سردار تیمور نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

اس طرح وہ وہاں سے رخصت ہوئے اور گھر پہنچے۔۔۔ محمود نے کھٹی بجائی۔۔۔ دروازہ کھلا تو شوکی کا چہرہ نظر آیا۔

”ارے باپ رے۔۔۔ یہ لوگ تو آگئے۔“ فاروق بوکھلا اٹھا۔  
”دھت تیرے کی۔“ محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

”یہ کیا طریقہ ہے۔۔۔ سب سے پہلے السلام علیکم کہنا چاہیے تھا۔“ شوکی نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”اوہ ہاں۔۔۔ السلام علیکم۔“  
”وعلیکم السلام۔۔۔ اب آپ لوگ اطمینان سے اندر آ جائیں اور ہمیں بتائیں۔۔۔ معاملہ کیا ہے۔۔۔ ہم ان شاء اللہ بہت جلد آپ کا کیس حل کر دیں گے۔“ مکھن نے جلدی جلدی کہا۔

”یہی تو مشکل ہے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔  
”اس میں مشکل کہاں سے ٹپک پڑی۔“ رفعت کے لہجے میں حیرت تھی۔

”بھئی مشکل کا کیا ہے۔۔۔ وہ تو کسی وقت بھی کہیں سے بھی ٹپک

سکتی ہے۔“

”حد ہو گئی یعنی کہ۔۔۔ لیکن اب ہم انہیں بتائیں کیا؟“ انسپکٹر جشید نے پریشان ہو کر کہا۔

”نہیں آپ وہی بتائیں کہ ہم انہیں بتائیں کیا۔“ آفتاب مسکرایا۔

”ہے کوئی تک؟“ آصف بولا۔  
”بالکل نہیں۔۔۔ لیکن پہلے بات۔“ شوکی بولا۔

”بات تو اب آئی گئی ہو گئی۔“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔  
”لک۔۔۔ کیا مطلب؟“ وہ چونکے۔

اور جب انہیں بتایا گیا کہ بات کس طرح آئی گئی ہو گئی تو ان کے منہ لٹک گئے۔

”دیکھو بھئی۔۔۔ اب اس طرح منہ لٹکانے سے کیا حاصل۔“  
”لل۔۔۔ لیکن۔۔۔“ شوکی نے پریشان ہو کر کہا۔

”لیکن کیا؟“  
”اب ہمارا کیا ہو گا۔۔۔ ہم تو کرائے کے سلسلے میں اپنا سارا بنک

بیلنس ختم کر آئے ہیں۔“ شوکی پھٹ پڑا۔  
اور وہ سب ہنسنے لگے۔